www.ahlehaq.org
MIS
سیرۃ النبی ﷺ
قدم بہ قدم
ایم آئی ایس پبلشرز

سیرت النبی ﷺ قدم بہ قدم

جلد اول

تالیف

عبداللہ فارانی

www.ahlehaq.org

ناشر

ایم آئی ایس پبلشرز

523 [illegible]

فون: 021-4944448, 4931044

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

بحمداللہ کتاب "سیرت النبی ﷺ قدم بقدم" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ایم آئی ایس پبلشرز کی جانب سے اس سے قبل بھی ہمارے بچوں کے لیے کئی مختلف دلچسپ و تعمیری سلسلے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت سے کون واقف نہیں؟ محسنِ انسانیتؐ کے حالات و تعلیمات کو جاننے کے لیے بھی اور اپنی زندگیوں کو اتباعِ نبویؐ کے سانچے میں ڈھالنے اور اپنی عظیم تاریخ سے واقفیت کے لیے بھی اس موضوع کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اسی لیے ہر دور میں اس اہم موضوع پر گراں قدر کام ہوتا رہا ہے۔

پیشِ نظر کتاب جناب عبداللہ فارانی صاحب نے مستند ماخذ سے بہت ہی سہل انداز میں تالیف کی ہے۔ بچوں کے لیے بے سرو پا بے فائدہ لٹریچر کی بجائے اس کتاب کا مطالعہ ان کی شخصیت نکھارنے میں ان شاء اللہ بہت ہی مفید ثابت ہوگا۔ نیز یہ کتاب بڑوں کے لیے بھی اتنی ہی مفید ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

فقط والسلام

ڈائریکٹر ایم آئی ایس

میری نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تمام دنیا و مافیہا حتیٰ کہ ماں باپ بیوی بچوں کی بھی محبت سے بڑھ کر ہو گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! اب ٹھیک ہے! یعنی اب تمہارا ایمان کامل درجہ کا ایمان ہو گیا ہے۔

اس روایت کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا، اور یہ بھی ایک محسوس ہونے والی بات ہے کہ جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کا تذکرہ بار بار کیا جاتا ہے یا پھر جب کسی سے محبت پیدا کرنی مقصود ہوتی ہو تو اچھے اچھے الفاظ میں اس کا تذکرہ خوب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کرنا اور ان سے اپنی کامل عقیدت کا برتاؤ رکھنا ہم تمام مسلمانوں کے لیے از حد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا، اس دور میں جبکہ ہم دور نبوت سے صدیوں کے فاصلے پر ہیں اپنے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو کیسے پیدا کریں گے؟ اور ان کی ذات بابرکات سے کمال درجہ کی عقیدت کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب سادہ سا ہے وہ یہ کہ ہم سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کریں! سیرت کے واقعات پڑھیں اور سیرت کے بیانات سنیں تو ان شاء اللہ ہمارے دل محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور و سرور ہوں گے۔

اس مقصد میں کامیابی کے لیے ہمارے پیش نظر کتاب "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بہ قدم" ایک بہترین اور شاندار کتاب ہے جس کو جناب عبداللہ فارانی صاحب نے بڑے عمدہ سلیقہ اور نہایت شستہ زبان میں مرتب فرمایا ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔

میں بھی سوچتا تھا کہ یہ عبداللہ فارانی کون ہے؟ ہفت روزہ بچوں کا اسلام میں ان کا یہ سلسلہ وار مضمون نظروں سے گذرتا تھا میں اور میرے بچے بھی اس کو پڑھتے تھے، گذشتہ ماہ رمضان میں عمرہ پر بچوں کے ساتھ جانا ہوا وہاں معلوم ہوا کہ عبداللہ فارانی صاحب بھی اپنی

ٹیم کے ساتھ عمرہ پر تشریف لائے ہوئے ہیں تو میرے بیٹے انس نے بڑا اصرار کیا کہ محترم فارانی صاحب سے ملاقات ضرور کرنی ہے چنانچہ ہم نے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ محترم فارانی صاحب عصری نماز کے بعد مغرب تک حرم شریف میں مطاف کے اندر حطیم کے بالکل سامنے والی ابتدائی صفوں میں اپنی ٹیم کے ہمراہ تشریف فرما ہوتے ہیں چنانچہ ہم نے بالآخر فارانی صاحب کی زیارت کا شرف بیت اللہ میں حاصل کیا۔

نہایت سادہ شخصیت تھی تقریباً پینسٹھ سال کی عمر ہوگی، میانہ قد، دبلے پتلے جسم والے، چہرہ پر داڑھی جس کے اکثر بال سفید، سانولی رنگت اور نہایت سادہ لباس اور تصنع و تکلف سے خالی انسانیت سے بھری ہوئی گویا کہ ایک سچے اور مخلص مومن کی شکل میں بیٹھے تھے جناب عبد اللہ فارانی صاحب۔ ان کی تحریریں اور ان کے تیوروں کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا تھا کہ جناب فارانی صاحب کوئی پروفیسر یا دنیادار ٹائپ کے چست ہوں گے لیکن دیکھ کر اندازہ ہوا کہ جناب فارانی صاحب تو ایک شریف النفس قسم کے متدین و متشرع شخصیت کے حامل ہیں ماشاء اللہ دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔

میں سمجھتا ہوں کہ ام آر آئی پبلشرز نے "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بہ قدم" شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔ ماشاء اللہ اس کتاب کے پڑھنے سے بھی تمام قارئین اور قاریات کو خوشی ہوئی اور دلوں میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت بھی پیدا ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مصنف، ناشر اور جملہ معاونین کے لیے ذخیرہ آخرت فرمائے اور عوام قارئین کے لیے نہایت نافع فرمائے۔ آمین۔

والسلام

محمد ابو الحسن شفیق احمد بستوی عفی عنہ

شیخ الحدیث جامعہ مسجد اکبری محمد علی سوسائٹی کراچی

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سے حضرت عبداللہ سب سے زیادہ خوب صورت اور سب سے زیادہ پاک دامن تھے۔ عبدالمطلب کو خواب میں زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا گیا یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے کنوئیں کو۔ اس کنوئیں کو قبیلہ جرہم کے سردار مضاض نے پاٹ دیا تھا۔ قبیلہ جرہم کے لوگ اس زمانے میں مکہ کے سردار تھے، بیت اللہ کے نگران تھے۔ انہوں نے بیت اللہ کی بے حرمتی شروع کر دی۔ ان کا سردار مضاض بن عمرو تھا، وہ اچھا آدمی تھا۔ اس نے اپنے قبیلے کو سمجھایا کہ بیت اللہ کی بے حرمتی نہ کرو، مگر ان پر اثر نہ ہوا۔ جب مضاض نے دیکھا کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو قوم کو اس کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے جانے کا فیصلہ کیا، اس نے تمام مال و دولت، تلواریں اور زرہیں وغیرہ خانہ کعبہ سے نکال کر زمزم کے کنوئیں میں ڈال دیں اور مٹی سے اس کو پاٹ دیا۔ کنواں اس سے پہلے ہی خشک ہو چکا تھا۔

اب اس کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ مدتوں یہ کنواں بند پڑا رہا۔ اس کے بعد بنو خزاعہ نے بنو جرہم کو وہاں سے مار بھگایا، بنو خزاعہ اور قصی کی سرداری کا زمانہ اسی حالت میں گزرا۔ کنواں بند رہا، یہاں تک کہ قصی کے بعد عبدالمطلب کا زمانہ آ گیا۔ انہوں نے خواب دیکھا، خواب میں انہیں زمزم کے کنوئیں کی جگہ دکھائی گئی اور اس کو کھودنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبدالمطلب نے بتایا:

"میں حجر اسود کے مقام پر سو رہا تھا کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا۔ اس نے مجھ سے کہا: "طیبہ کو کھودو۔"

میں نے اس سے پوچھا: "طیبہ کیا ہے؟"

مگر وہ کچھ بتائے بغیر چلا گیا۔ دوسری طرف رات پھر خواب میں وہی شخص آیا۔ کہنے لگا: "برّہ کو کھودو۔"

میں نے پوچھا "برہ کیا ہے؟" وہ مجھے بتائے بغیر چلا گیا۔

تیسری رات میں اپنے بستر پر سو رہا تھا کہ پھر وہ شخص خواب میں آیا۔ اس نے کہا: "مضنونہ کو کھودو۔"

میں نے پوچھا: "مضنونہ کیا ہے؟" وہ بتائے بغیر چلا گیا۔

اس سے اگلی رات میں پھر بستر پر سو رہا تھا کہ وہی شخص پھر آیا اور بولا "زمزم کو کھودو۔"

میں نے اس سے پوچھا "زمزم کیا ہے۔" اس بار اس نے کہا

"زمزم وہ ہے جس کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ جو حاجیوں کے بڑے بڑے مجمعوں کو سیراب کرتا ہے۔"

عبدالمطلب کہتے ہیں، میں نے اس سے پوچھا:

"یہ کنواں کس جگہ ہے؟"

اس نے بتایا۔

"جہاں گندگی اور خون پڑا ہے اور کوا ٹھونگیں مار رہا ہے۔"

دوسرے دن عبدالمطلب اپنے بیٹے حارث کے ساتھ وہاں گئے۔ اس وقت ان کے ہاں یہی ایک لڑکا تھا۔ انہوں نے دیکھا وہاں گندگی اور خون پڑا تھا اور ایک کوا ٹھونگیں مار رہا تھا۔ اس جگہ کے دونوں طرف بت موجود تھے اور یہ گندگی اور خون دراصل ان بتوں پر قربان کیے جانے والے جانوروں کا تھا۔ پوری نشانی مل گئی تو عبدالمطلب کدال لے آئے اور کھدائی کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن اسی وقت قریش وہاں آ پہنچے۔ انہوں نے کہا:

"اللہ کی قسم! ہم تمہیں یہاں کھدائی نہیں کرنے دیں گے۔ تم ہمارے ان دونوں بتوں کے درمیان کنواں کھودنا چاہتے ہو جہاں ہم ان کے لیے قربانیاں کرتے ہیں۔"

عبدالمطلب نے ان کی بات سن کر اپنے بیٹے حارث سے کہا۔

"تم ان لوگوں کو میرے قریب نہ آنے دو۔ میں کھدائی کا کام کرتا رہوں گا۔ اس لیے کہ مجھے جس کام کا حکم دیا گیا ہے، میں اس کو ضرور پورا کروں گا۔"

قریش نے جب دیکھا کہ وہ باز آنے والے نہیں تو رک گئے۔ آخر انہوں نے کھدائی شروع کردی۔ جلد ہی کنوئیں کے آثار نظر آنے لگے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور پکار اٹھے

"یہ دیکھو! یہ اسماعیل علیہ السلام کی تعمیر ہے۔"

جب قریش نے دیکھا کہ انہوں نے تو کنواں تلاش کرلیا تو ان کے پاس آگئے اور کہنے لگے:

"عبدالمطلب! اللہ کی قسم، یہ ہمارے باپ اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے اور اس پر ہمارا بھی حق ہے اس لیے ہم اس میں تمہارے شریک ہوں گے۔"

یہ سن کر عبدالمطلب نے کہا:

"میں تمہیں اس میں شریک نہیں کرسکتا، یہ میرا اکیلے کا کام ہے۔"

اس پر قریش نے کہا:

"تب پھر اس معاملے میں ہم تم سے جھگڑا کریں گے۔"

عبدالمطلب بولے

"کسی سے فیصلہ کرالو۔"

انہوں نے بنو سعد ابن ہذیم کی کاہنہ سے فیصلہ کرانا منظور کرلیا۔ یہ کاہنہ ملک شام کے بالائی علاقے میں رہتی تھی۔ آخر عبدالمطلب اور دوسرے قریش اس کی طرف روانہ ہوئے۔ عبدالمطلب کے ساتھ عبد مناف کے لوگوں کی ایک جماعت تھی۔

جبکہ دیگر قبائل قریش کی بھی ایک ایک جماعت ساتھ تھی۔ اس زمانے میں ملک حجاز اور شام کے درمیان ایک بیابان میدان تھا، وہاں کہیں پانی نہیں تھا۔ اس میدان میں ان کا پانی ختم ہوگیا۔ سب لوگ پیاس سے بے حال ہوگئے۔ یہاں تک کہ انہیں اپنی موت کا یقین ہوگیا۔ انہوں نے قریش کے دوسرے لوگوں سے پانی مانگا لیکن انہوں نے پانی دینے سے انکار کردیا۔ اب انہوں نے ادھر ادھر پانی تلاش کرنے کا ارادہ کیا۔

عبدالمطلب اٹھ کر اپنی سواری کے پاس آئے، جونہی ان کی سواری اٹھی، اس کے

آسان کر دے تو میں اپنا ایک بیٹا تیرے راستے میں ذبح کروں گا۔ اب جب کہ ان کی مشکل آسان ہوگئی تو انہیں خواب میں حکم دیا گیا۔

"اپنی منت پوری کرو، اپنا ایک بیٹا ذبح کرو۔"

سو اونٹوں کی قربانی

عبدالمطلب کو یہ حکم اس وقت دیا گیا جب وہ اپنی منت بھول چکے تھے۔ پہلے خواب میں ان سے کہا گیا "منت پوری کرو" انہوں نے ایک مینڈھا ذبح کر کے غریبوں کو کھلا دیا۔ پھر خواب آیا "اس سے بڑی چیز پیش کرو" اس مرتبہ انہوں نے ایک بیل ذبح کر دیا۔ خواب میں پھر یہی کہا گیا کہ اس سے بھی بڑی چیز پیش کرو۔ اب انہوں نے اونٹ ذبح کیا۔ پھر خواب آیا۔ اس سے بھی بڑی چیز پیش کرو۔ انہوں نے پوچھا "اس سے بڑی چیز کیا ہے؟" تب کہا گیا:

"اپنے بیٹوں میں سے کسی کو ذبح کرو، جیسا کہ تم نے منت مانی تھی۔"

اب انہیں اپنی منت یاد آ گئی۔ اپنے بیٹوں کو جمع کیا۔ ان سے منت کا ذکر کیا۔ سب کے سر جھک گئے۔ کون کس کو ذبح کرواتا۔ آخر عبداللہ بولے:

"ابا جان! آپ مجھے ذبح کر دیں۔"

یہ سب سے چھوٹے تھے۔ سب سے خوب صورت تھے۔ سب سے زیادہ محبت بھی عبدالمطلب کو انہی سے تھی۔ لہٰذا انہوں نے قرعہ اندازی کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام بیٹوں کے نام لکھ کر قرعہ ڈالا گیا۔ عبداللہ کا نام نکلا۔ اب انہوں نے چھری لی، عبداللہ کو بازو سے پکڑا اور انہیں ذبح کرنے کے لیے نیچے لٹا دیا۔

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب یہ ذکر آیا تو آپ نے اس فدیے کی تصدیق فرمائی، یعنی فرمایا کہ یہ درست ہے۔

اور اسی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"میں دو ذبیحوں یعنی حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور عبداللہ کی اولاد ہوں۔"

حضرت عبداللہ قریش میں سب سے زیادہ حسین تھے۔ ان کا چہرہ روشن ستارے کی مانند تھا۔ قریش کی بہت سی لڑکیاں ان سے شادی کرنا چاہتی تھیں مگر حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی ہوئی۔

حضرت آمنہ وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی بیٹی تھیں۔ شادی کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر 18 سال تھی۔

یہ شادی کے لیے اپنے والد کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستے میں ایک عورت کعبے کے پاس بیٹھی نظر آئی۔ یہ عورت ورقہ بن نوفل کی بہن تھی۔ ورقہ بن نوفل قریش کے ایک بڑے عالم تھے۔ ورقہ بن نوفل سے ان کی بہن نے سن رکھا تھا کہ وقت کے آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے اور ان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہوگی کہ ان کے والد کے چہرے میں نبوت کا نور چمکتا ہوگا۔ جونہی اس نے عبداللہ کو دیکھا، فوراً یہ بات اس کے ذہن میں آئی۔ اس نے سوچا، ہو نہ ہو، یہی وہ شخص ہیں جو پیدا ہونے والے نبی کے باپ ہوں گے۔ چنانچہ اس نے کہا:

"اگر تم مجھ سے شادی کر لو تو میں بدلے میں تمہیں اتنے ہی اونٹ دوں گی جتنے تمہاری جان کے بدلے میں ذبح کیے گئے تھے۔"

اس پر انہوں نے جواب دیا:

"میں اپنے باپ کے ساتھ ہوں۔ ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا، نہ ان سے الگ ہو سکتا ہوں اور میرے والد باعزت آدمی ہیں، اپنی قوم کے سردار ہیں۔"

بہرحال ان کی شادی حضرت آمنہ سے ہوئی۔ آپ قریش کی عورتوں میں نسب اور

مقام کے اعتبار سے افضل تھیں۔

حضرت آمنہ حضرت عبداللہ کے گھر آ گئیں۔ آپ فرماتی ہیں:

''جب میں ماں بننے والی ہوئی تو میرے پاس ایک شخص آیا، یعنی ایک فرشتہ انسانی شکل میں آیا۔ اس وقت میں جاگنے اور سونے کی درمیانی حالت میں تھی (عام طور پر اس حالت کو غنودگی کہا جاتا ہے)۔ اس نے مجھ سے کہا:

''کیا تمہیں معلوم ہے، تم اس امت کے سردار اور نبی کی ماں بننے والی ہو۔''

اس کے بعد وہ پھر اس وقت آیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے والے تھے۔ اس مرتبہ اس نے کہا:

''جب تمہارے ہاں پیدائش ہو تو کہنا:

'میں اس بچے کے لیے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں، ہر حسد کرنے والے کے شر اور برائی سے۔ پھر تم اس بچے کا نام محمد رکھنا، کیونکہ ان کا نام تورات میں احمد ہے اور زمین اور آسمان والے ان کی تعریف کرتے ہیں، جب کہ قرآن میں ان کا نام محمد ہے، اور قرآن ان کی کتاب ہے۔'' (البدایہ والنہایہ)

ایک روایت کے مطابق فرشتے نے ان سے یہ کہا:

''تم وقت کے سردار کی ماں بننے والی ہو، اس بچے کی نشانی یہ ہوگی کہ اس کے ساتھ ایک نور ظاہر ہوگا، جس سے ملک شام اور بصریٰ کے محلات بھر جائیں گے۔ جب وہ بچہ پیدا ہو جائے گا تو اس کا نام محمد رکھنا، کیونکہ تورات میں ان کا نام احمد ہے کہ آسمان اور زمین والے ان کی تعریف کرتے ہیں، اور انجیل میں ان کا نام احمد ہے کہ آسمان اور زمین والے ان کی تعریف کرتے ہیں اور قرآن میں ان کا نام محمد ہے۔'' (البدایہ والنہایہ)

حضرت عبداللہ کے چہرے میں جو نور چمکتا تھا، شادی کے بعد وہ حضرت آمنہ کے چہرے میں آ گیا تھا۔

امام زہری فرماتے ہیں، حاکم نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ

صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتائیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور خوش خبری ہوں، جب میں اپنی والدہ کے شکم میں آیا تو انہوں نے دیکھا، گویا ان سے ایک نور ظاہر ہوا ہے جس سے ملک شام میں بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے۔''

حضرت آمنہ نے حضرت حلیمہ سعدیہ سے فرمایا تھا:

''میرے اس بچے کی شان نرالی ہے، یہ میرے پیٹ میں تھے تو مجھے کوئی بوجھ اور تھکن محسوس نہیں ہوئی۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ آخری پیغمبر ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوش خبری سنائی ہے۔ اس بشارت کا ذکر قرآن میں بھی ہے، سورہ صف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور اسی طرح وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا کہ: اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات آچکی ہے، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں، ان کا نام مبارک احمد ہوگا، میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔''

اب چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ بشارت سنا چکے تھے، اس لیے ہر دور کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے، ادھر آپ کی پیدائش سے پہلے ہی حضرت عبداللہ انتقال کر گئے۔ سابقہ کتب میں آپ کی نبوت کی ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ آپ کے والد کا انتقال آپ کی ولادت سے پہلے ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ تجارت کے لیے گئے تھے، اس دوران بیمار ہو گئے اور کمزور ہو کر واپس لوٹے۔ قافلہ مدینہ منورہ سے گزرا تو حضرت عبداللہ اپنی ننھیال یعنی بنو

نجار کے ہاں ٹھہرے۔ ان کی والدہ بنو نجار سے تھیں۔ حضرت عبداللہ اسی جگہ ایک ماہ تک بیمار رہے اور انتقال کر گئے۔ انہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔

تجارتی قافلہ جب حضرت عبداللہ کے بغیر مکہ پہنچا اور عبدالمطلب کو پتا چلا کہ ان کے بیٹے عبداللہ بیمار ہو گئے ہیں اور مدینہ منورہ میں اپنی ننھیال میں ہیں تو انہیں لانے کے لیے عبدالمطلب نے اپنے بیٹے زبیر کو بھیجا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں اپنے والد کی وفات کے چند ماہ بعد تشریف لائے۔

☆☆☆

ماہِ نبوت طلوع ہوا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ کی آنول نال کٹی ہوئی تھی۔ (آنول نال کو بچے کے پیدا ہونے کے بعد دایہ کاٹتی ہے)

آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ عبدالمطلب یہ دیکھ کر بے حد حیران ہوئے اور خوش بھی۔ وہ کہا کرتے تھے میرا یہ بیٹا نرالی شان کا ہوگا۔ (البدایہ)

آپ کی پیدائش سے پہلے مکہ کے لوگ خشک سالی اور قحط کا شکار تھے، لیکن جونہی آپ کے دنیا میں تشریف لانے کا وقت قریب آیا، بارشیں شروع ہوگئیں، خشک سالی دور ہوگئی۔ درخت ہرے بھرے ہوگئے اور پھلوں سے لد گئے۔ زمین پر سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگا۔

پیدائش کے وقت آپ اپنے ہاتھوں پر جھکے ہوئے تھے۔ سر آسمان کی طرف تھا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے۔ مطلب یہ کہ سجدے کی سی حالت میں تھے۔ (طبقات)

آپ کی مٹھی بند تھی اور شہادت کی انگلی اٹھی ہوئی تھی۔ جیسا کہ ہم نماز میں اٹھاتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"جب میری والدہ نے مجھے جنم دیا تو ان سے ایک نور نکلا۔ اس نور سے شام کے محلات

جھنڈا نصب ہے۔" (طبقات)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت ظاہر ہونے والے نور کی روشنی میں مجھے بصریٰ میں چلنے والے اونٹوں کی گردنیں تک نظر آئیں۔"

۔۔۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ نے اللہ کی تعریف کی۔ ایک روایت میں یوں آتا ہے:

اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا۔

"اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے حد تعریف ہے۔ اور میں صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔"

آپ کی ولادت کس دن ہوئی؟ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ پیر کا دن تھا۔ آپ صبح طلوع ہونے کے وقت دنیا میں تشریف لائے۔

تاریخ پیدائش کے سلسلے میں بہت سے قول ہیں۔ ایک روایت کے مطابق 12 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ ایک روایت 8 ربیع الاول کی ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ 2 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ اس سلسلے میں اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ زیادہ تر مورخین کا خیال ہے کہ آپ 8 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ تقویم کے طریقے سے جب تاریخ نکالی گئی تو 9 ربیع الاول تھی۔ مطلب یہ کہ اس بارے میں بالکل صحیح بات کسی کو معلوم نہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مہینہ ربیع الاول کا تھا اور دن پیر کا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کو پیر کے دن ہی نبوت ملی۔ پیر کے روز ہی آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور پیر کے روز ہی آپ کی وفات ہوئی۔

آپ عام الفیل میں پیدا ہوئے یعنی ہاتھیوں والے سال میں۔ اس سال کو ہاتھیوں والا سال اس لیے کہا جاتا ہے کہ ابرہہ نے ہاتھیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی۔

آپ کی پیدائش اس واقعے کے کچھ ہی دن بعد ہوئی تھی۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ۔

ابرہہ یمن کا عیسائی حاکم تھا۔ حج کے دنوں میں اس نے دیکھا کہ لوگ بیت اللہ کا حج کرنے جاتے ہیں۔ اس نے اپنے لوگوں سے پوچھا:

''یہ لوگ کہاں جاتے ہیں؟''

اسے جواب ملا:

''بیت اللہ کا حج کرنے کے لیے مکہ جاتے ہیں۔''

اس نے پوچھا:

''بیت اللہ کس چیز کا بنا ہوا ہے۔''

اسے بتایا گیا:

''پتھروں کا بنا ہوا ہے۔''

اس نے پوچھا:

''اس کا لباس کیا ہے؟''

بتایا گیا:

''ہمارے ہاں سے جو دھاری دار کپڑا جاتا ہے، اس سے اس کی پوشاک تیار ہوتی ہے۔''

ابرہہ عیسائی تھا۔ ساری بات سن کر اس نے کہا:

''مسیح کی قسم! میں تم لوگوں کے لیے اس سے اچھا گھر تعمیر کروں گا۔''

اس طرح اس نے سرخ، سفید، زرد اور سیاہ پتھروں سے ایک گھر بنوایا۔ سونے اور چاندی سے اس کو سجایا۔ اس میں کئی دروازے رکھوائے، ان میں سونے کے پترے جڑوائے۔ ان کے درمیان میں جواہر لگوائے۔ اس مکان میں ایک بڑا سا یاقوت لگوایا۔ پردے لگوائے، وہاں خوشبوئیں سلگانے کا انتظام کیا۔ اس کی دیواروں پر اس قدر مشک ملا جاتا تھا کہ وہ سیاہ رنگ کی ہو گئیں، یہاں تک کہ جواہر بھی نظر نہیں آتے تھے۔

کچھ لوگوں سے کہا کہ

"اب تمہیں بیت اللہ کا حج کرنے کے لیے مکہ جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ میں نے یہیں تمہارے لیے بیت اللہ بنوا دیا ہے، لہٰذا اب تم اس کا طواف کیا کرو۔"

اس طرح کچھ قبائل کئی سال تک اس کا حج کرتے رہے۔ اس میں اعتکاف کرتے رہے۔ حج کے مناسک بھی یہیں ادا کرتے رہے۔

عرب کے ایک شخص نفیل خثعمی کو یہ بات برداشت نہ ہوئی۔ وہ اس مصنوعی خانہ کعبہ کے خلاف دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ آخر اس نے دل میں ٹھان لی کہ وہ ابرہہ کی اس عمارت کو گندہ کر کے چھوڑے گا۔ پھر ایک رات اس نے چوری چھپے بہت سی گندگی اس کے اندر ڈال دی۔ ابرہہ کو معلوم ہوا تو سخت غضب ناک ہوا، کہنے لگا:

"یہ کارروائی کسی عرب نے اپنے کعبہ کے لیے کی ہے، میں اس کو ڈھا دوں گا، اس کا ایک ایک پتھر توڑ دوں گا۔"

اس نے شاہ حبشہ کو یہ تفصیلات لکھ دیں۔ اس سے درخواست کی کہ وہ اپنا ہاتھی بھیج دے۔ اس ہاتھی کا نام محمود تھا۔ یہ اس قدر بڑا تھا کہ اتنا بڑا ہاتھی روئے زمین پر دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ جب ہاتھی اس کے پاس پہنچ گیا تو وہ اپنی فوج لے کر نکلا اور مکہ کا رخ کیا۔ یہ لشکر جب مکہ کے قریب پہنچا تو ابرہہ نے فوجیوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے جانور لوٹ لیے جائیں۔ اس کے حکم پر فوجیوں نے جانور پکڑ لیے۔ ان میں عبدالمطلب کے اونٹ بھی تھے۔

نفیل بھی ابرہہ کے ساتھ اس کے لشکر میں موجود تھا اور یہ عبدالمطلب کا دوست تھا۔

عبدالمطلب اس سے ملے۔ اونٹوں کے سلسلے میں بات کی۔ نفیل نے ابرہہ سے کہا:

"قریش کا سردار عبدالمطلب ملنا چاہتا ہے، یہ شخص تمام عرب کا سردار ہے، شرف اور بزرگی اسے حاصل ہے۔ لوگوں میں اس کا بہت اثر ہے۔ وہ لوگوں کو اچھے اچھے گھوڑے دیتا ہے، انہیں عطیات دیتا ہے، کھانا کھلاتا ہے۔"

یہ گویا عبدالمطلب کا تعارف تھا۔ ابرہہ نے انہیں ملاقات کے لیے بلا لیا۔ ابرہہ نے ان سے پوچھا:

''بتایئے! آپ کیا چاہتے ہیں؟''

انہوں نے جواب دیا:

''میں چاہتا ہوں، میرے اونٹ مجھے واپس مل جائیں۔''

ان کی بات سن کر ابرہہ بہت حیران ہوا۔ اس نے کہا:

''مجھے تو بتایا گیا تھا، آپ عرب کے سردار ہیں، بہت عزت اور بزرگی کے مالک ہیں، لیکن لگتا ہے مجھ سے غلط بیانی کی گئی ہے کیونکہ میرا خیال تھا آپ مجھ سے بیت اللہ کے بارے میں بات کریں گے، جس کو میں گرانے آیا ہوں اور جس کے ساتھ آپ سب کی عزت وابستہ ہے، لیکن آپ نے اس کی تو سرے سے بات ہی نہیں کی، اور اپنے اونٹوں کا رونا لے کر بیٹھ گئے۔ یہ کیا بات ہوئی؟''

اس کی بات سن کر عبدالمطلب بولے:

''آپ مجھے میرے اونٹ واپس دے دیں، بیت اللہ کے ساتھ جو چاہیں کریں، اس لیے کہ اس گھر کا ایک پروردگار ہے، وہ خود ہی اس کی حفاظت کرے گا، مجھے اس کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

ان کی بات سن کر ابرہہ نے حکم دیا:

''ان کے اونٹ واپس دے دیے جائیں۔''

جب انہیں ان کے اونٹ واپس مل گئے تو انہوں نے ان کے سموں پر چمڑے چڑھا دیے، ان پر نشان لگا دیے۔ انہیں قربانی کے لیے وقف کر کے حرم میں چھوڑ دیا تا کہ پھر کوئی انہیں پکڑ لے تو حرم کا پروردگار اس پر غضب ناک ہو۔

پھر عبدالمطلب حرا پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ان کے ساتھ ان کے کچھ دوست تھے۔ انہوں نے اللہ سے درخواست کی:

ابرہہ کا انجام

ابرہہ کے ہاتھی کو اٹھانے کی مسلسل کوشش جاری تھی کہ اچانک سمندر کی طرف سے ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کو بھیج دیا۔ وہ ٹڈیوں کے جھنڈ کی طرح آئیں۔

دوسری طرف عبدالمطلب مکہ میں داخل ہوئے۔ حرم میں پہنچے اور کعبہ کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر ابرہہ اور اس کے لشکر کے خلاف فتح کی دعا مانگی۔ ان کی دعا کے الفاظ یہ تھے:

''اے اللہ! یہ بندہ اپنے قافلے اور اپنی جماعت کی حفاظت کر رہا ہے تو اپنے گھر یعنی بیت اللہ کی حفاظت فرما۔ ابرہہ کا لشکر فتح نہ حاصل کر سکے۔ ان کی طاقت تیری طاقت کے آگے کچھ بھی نہیں، آج صلیب کامیاب نہ ہو۔'' صلیب کا لفظ اس لیے بولا کہ ابرہہ عیسائی تھا اور صلیب کو عیسائی اپنے نشان کے طور پر ساتھ لے کر چلتے ہیں۔

اب انہوں نے اپنی قوم کو ساتھ لیا اور حرا پہاڑ پر چڑھ گئے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا، وہ ابرہہ کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے جھنڈ بھیج دیے۔ یہ پرندے چڑیا سے قدرے بڑے تھے۔ ان میں سے ہر پرندے کی چونچ میں پتھر کے تین تین ٹکڑے تھے۔ یہ پتھر پرندوں نے ابرہہ کے لشکر پر گرانے شروع کیے۔ جونہی یہ پتھر ان پر گرے، ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، بالکل اسی طرح جیسے آج کسی جگہ اوپر سے بم گرایا جائے تو جسموں

نے ان سے کہا:

"یہ بچہ عجیب ہے، سجدے کی حالت میں پیدا ہوا ہے۔ یعنی پیدا ہوتے ہی اس نے پہلے سجدہ کیا، پھر سجدے سے سر اٹھا کر انگلی آسمان کی طرف اٹھائی۔"

عبدالمطلب نے آپ کو دیکھا۔ اس کے بعد آپ کو کعبہ میں لے آئے۔ آپ کو گود میں لیے رہے اور طواف کرتے رہے۔ پھر واپس لا کر حضرت آمنہ کو دیا۔ آپ کو عرب کے دستور کے مطابق ایک برتن سے ڈھانپا گیا، لیکن وہ برتن ٹوٹ کر آپ کے اوپر سے ہٹ گیا۔ اس وقت آپ اپنا انگوٹھا چوستے نظر آئے۔

اس موقع پر شیطان بری طرح چیخا۔ تفسیر ابن مخلد میں ہے کہ شیطان صرف چار مرتبہ چیخا۔ پہلی بار اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون ٹھہرایا، دوسری بار اس وقت جب اسے زمین پر اتار دیا گیا، تیسری بار اس وقت چیخا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ہوئی اور چوتھی مرتبہ اس وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔

اس موقع پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"میں آٹھ سال کا تھا۔ جو کچھ دیکھتا اور سنتا تھا، اس کو سمجھتا تھا۔ ایک صبح میں نے یثرب یعنی مدینہ منورہ میں ایک یہودی کو دیکھا، وہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر چلا رہا تھا۔ لوگ اس یہودی کے گرد جمع ہو گئے اور بولے:

"کیا بات ہے، کیوں چیخ رہے ہو؟"

یہودی نے جواب دیا:

"احمد کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے اور وہ آج رات پیدا ہو گئے ہیں۔"

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بعد میں 60 سال کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے۔ 120 سال کی عمر میں انھوں نے وفات پائی۔ گویا ایمان کی حالت میں 60 سال زندہ رہے۔ بہت اچھے شاعر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے اشعار میں تعریف کیا

کرتے تھے اور دشمنوں کی برائی اشعار میں بیان کرتے تھے۔ غزوات کے مواقع پر اشعار کے ذریعے مسلمانوں کو جوش دلاتے تھے۔ اسی بنیاد پر انہیں شاعر رسول کا خطاب ملا تھا۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت کی خبر دے دی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو اس کی اطلاع دے دی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے فرمایا تھا:

''تمہارے نزدیک جو مشہور چمک دار ستارہ ہے، جب وہ حرکت میں آئے گا اور اپنی جگہ سے سرکنا شروع کرے گا تو وہی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا ہوگا۔''

یہ خبر بنی اسرائیل کے علماء ایک دوسرے کو دیتے چلے آتے تھے اور اس طرح بنی اسرائیل کو بھی آنحضرت کی ولادت کا وقت یعنی اس کی علامت معلوم تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم مکہ میں رہتا تھا، جب وہ رات آئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو وہ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا۔ اس نے کہا:

''کیا تمہارے ہاں آج کوئی بچہ پیدا ہوا ہے۔''

لوگوں نے کہا:

''ہمیں تو معلوم نہیں۔''

اس پر اس یہودی نے کہا:

''میں جو کچھ کہتا ہوں، اسے اچھی طرح سن لو، آج اس امت کا آخری نبی پیدا ہو گیا ہے اور قریش کے لوگو! وہ تم میں سے ہے۔ یعنی وہ قریشی ہے۔ اس کے کندھے کے پاس ایک علامت ہے (یعنی مہر نبوت) اس میں بہت زیادہ بال ہیں۔ یعنی گھنے بال ہیں اور یہ نبوت کا نشان ہے۔ نبوت کی دلیل ہے۔ اس بچے کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ دو رات تک دودھ نہیں پیے گا۔ ان باتوں کا ذکر اس کی نبوت کی علامات کے طور پر پرانی کتب میں موجود

ہے۔"

علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ بات درست ہے، آپ نے دو دن تک دودھ نہیں پیا تھا۔

یہودی عالم نے جب یہ باتیں بتائیں تو لوگ وہاں سے اٹھ گئے۔ انہیں یہودی کی باتیں سن کر بہت حیرت ہوئی تھی۔ جب وہ لوگ اپنے گھروں میں پہنچے تو ان میں سے ہر ایک نے اس کی باتیں اپنے گھر کے افراد کو بتائیں، عورتوں کو چونکہ حضرت آمنہ کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی خبر ہو چکی تھی، اس لیے انہوں نے اپنے مردوں کو بتایا:

"آج رات تو پھر عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔"

اب یہ بات یہودی عالم کو بتائی گئی، اس نے کہا:

"ذرا چل کر مجھے وہ بچہ دکھاؤ۔"

لوگ اسے ساتھ لیے حضرت آمنہ کے گھر کے باہر آئے، ان سے بچہ دکھانے کی درخواست کی... آپ نے بچے کو کپڑے سے نکال کر انہیں دے دیا۔ لوگوں نے آپ کے کندھے پر سے کپڑا ہٹایا۔ یہودی کی نظر جونہی مہر نبوت پر پڑی، وہ فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا، اسے ہوش آیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا:

"تمہیں کیا ہو گیا تھا۔"

جواب میں اس نے کہا:

"میں اس غم سے بے ہوش ہوا تھا کہ میری قوم میں سے نبوت ختم ہو گئی... اور اے قریشیو! اللہ کی قسم! یہ بچہ تم پر زبردست غلبہ حاصل کرے گا اور اس کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی۔"

☆☆☆☆

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارہ چمکا

ملک شام کا ایک یہودی عیص مکے سے کچھ فاصلے پر رہتا تھا۔ وہ جب بھی کسی کام سے مکہ آتا، وہاں کے لوگوں سے ملتا تو ان سے کہتا:

''بہت قریب کے زمانے میں تمہارے درمیان ایک بچہ پیدا ہوگا، سارا عرب اس کے راستے پر چلے گا، اس کے سامنے ذلیل اور پست ہو جائے گا۔ وہ عجم اور اس کے شہروں کا بھی مالک ہو جائے گا۔ یہی اس کا زمانہ ہے، جو اس کی نبوت کے زمانے کو پائے گا اور اس کی پیروی کرے گا، وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا، جس خیر اور بھلائی کی وہ امید کرتا ہے، وہ اس کو حاصل ہوگی اور جو شخص اس کی نبوت کا زمانہ پائے گا مگر اس کی مخالفت کرے گا، وہ اپنے مقصد اور آرزوؤں میں ناکام ہوگا۔''

مکہ معظمہ میں جو بھی بچہ پیدا ہوتا، وہ یہودی اس بچے کے بارے میں تحقیق کرتا اور کہتا، ابھی وہ بچہ پیدا نہیں ہوا۔ آخر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تو عبدالمطلب اپنے گھر سے نکل کر اس یہودی کے پاس پہنچے، اس کی عبادت گاہ کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے اسے آواز دی۔ عیص نے پوچھا:

''کون ہے؟''

انہوں نے اپنا نام بتایا۔ پھر اس سے پوچھا:

"تم اس بچے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

اس نے انہیں دیکھا، پھر بولا:

"ہاں! تم ہی اس کے باپ ہو سکتے ہو، بے شک وہ بچہ پیدا ہو گیا ہے جس کے بارے میں، میں تم لوگوں سے کہا کرتا تھا۔ وہ ستارہ آج رات طلوع ہو گیا ہے جو اس بچے کی پیدائش کی علامت ہے... اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس وقت اس بچے کو درد ہو رہا ہے، یہ تکلیف اسے تین دن رہے گی، اور اس کے بعد یہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

راہب نے جو یہ کہا تھا کہ بچہ تین دن تک تکلیف میں رہے گا تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے تین دن تک دودھ نہیں پیا تھا اور یہودی نے جو یہ کہا تھا کہ ہاں! آپ ہی اس کے باپ ہو سکتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ عربوں میں دادا کو بھی باپ کہہ دیا جاتا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار خود فرمایا تھا:

"میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔"

یہودی نے عبدالمطلب سے یہ بھی کہا تھا:

"اس بارے میں اپنی زبان بند رکھیں، یعنی کسی کو کچھ نہ بتائیں، ورنہ لوگ اس بچے سے زبردست حسد کریں گے، اتنا حسد کریں گے کہ آج تک کسی نے نہیں کیا اور اس کی اس قدر سخت مخالفت ہوگی کہ دنیا میں کسی اور کی اتنی مخالفت نہیں ہوئی۔"

پوتے کے متعلق یہ باتیں سن کر عبدالمطلب نے عیص سے پوچھا:

"اس بچے کی عمر کتنی ہوگی؟"

یہودی نے اس سوال کے جواب میں کہا:

"اگر اس بچے کی عمر طبعی ہوئی تو بھی ستر سال تک نہیں ہوگی، بلکہ اس سے پہلے ہی 61 یا 63 سال کی عمر میں وفات ہو جائے گی اور اس کی امت کی اوسط عمر بھی اتنی ہی ہوگی، اس کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت ٹوٹ کر گر جائیں گے۔"

یہ ساری علامات اس یہودی نے گزشتہ انبیاء کی پیش گوئیوں سے معلوم کی تھیں اور سب

کی سب بالکل سچ ثابت ہوئیں۔

قریش کے کچھ لوگ عمرو بن نفیل اور عبداللہ بن جحش وغیرہ ایک بت کے پاس جایا کرتے تھے۔ یہ اس رات بھی اس کے پاس گئے جس رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ہوئی۔ انہوں نے دیکھا، وہ بت اوندھے منہ گرا پڑا ہے۔ ان لوگوں کو یہ بات بری لگی، انہوں نے اس کو اٹھایا، سیدھا کر دیا مگر وہ پھر گر گیا۔ انہوں نے پھر اس کو سیدھا کیا، وہ پھر الٹا ہو گیا۔ ان لوگوں کو بہت حیرت ہوئی، یہ بات بہت عجیب لگی۔ تب اس بت سے آواز نکلی:

''یہ ایک ایسے بچے کی پیدائش کی خبر ہے جس کے نور سے مشرق اور مغرب میں زمین کے تمام گوشے منور ہو گئے ہیں۔''

بت سے نکلنے والی آواز نے انہیں اور زیادہ حیرت زدہ کر دیا۔

اس کے علاوہ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایران کے شہنشاہ کسریٰ نوشیرواں کا محل ہلنے لگا اور اس میں شگاف پڑ گئے۔ نوشیرواں کا یہ محل نہایت مضبوط تھا۔ بڑے بڑے پتھروں اور چونے سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس واقعے سے پوری سلطنت میں وحشت پھیل گئی۔ شگاف پڑنے سے خوفناک آواز بھی نکلی تھی۔ محل کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر نیچے آ گرے تھے۔

آپ کی پیدائش پر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ فارس کے تمام آتش کدوں کی وہ آگ بجھ گئی جس کی وہ لوگ پوجا کرتے تھے اور اس کو بجھنے نہیں دیتے تھے، لیکن اس رات ایک ہی وقت میں تمام کے تمام آتش کدوں کی آگ آناً فاناً بجھ گئی۔ آگ کے پوجنے والوں میں رونا پیٹنا مچ گیا۔

کسریٰ کو یہ تمام اطلاعات ملیں تو اس نے ایک کاہن کو بلایا۔ اس نے اپنے محل میں شگاف پڑنے اور آتش کدوں کی آگ بجھنے کے واقعات اسے سنا کر پوچھا:

''آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے۔''

وہ کاہن خود تو جواب نہ دے سکا، تاہم اس نے کہا:

"ان سوالات کے جواب میرے ماموں دے سکتے ہیں جن کا نام سطیح ہے۔"

نوشیرواں نے کہا:

"ٹھیک ہے، تم جاؤ اور ان سوالات کے جوابات لاؤ۔"

وہ گیا، سطیح سے ملا، اسے یہ واقعات سنائے، اس نے سن کر کہا:

"ایک عصا والے نبی ظاہر ہوں گے جو عرب اور شام پر چھا جائیں گے اور جو کچھ ہونے والا ہے، ہو کر رہے گا۔"

اس نے یہ جواب کسریٰ کو بتایا۔ اس وقت تک کسریٰ نے دوسرے کاہنوں سے بھی معلومات حاصل کر لی تھیں، یہ جواب سن کر اس نے کہا:

"تب پھر ابھی وہ وقت آنے میں دیر ہے۔" (یعنی ان کا غلبہ میرے بعد ہوگا)

پیدائش کے ساتویں دن عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور نام "محمد" رکھا۔ عربوں میں اس سے پہلے یہ نام کسی کا نہیں رکھا گیا تھا۔ قریش کو یہ نام عجیب سا لگا، چنانچہ انہوں نے عبدالمطلب سے کہا:

"اے عبدالمطلب! کیا وجہ ہے کہ تم نے اس بچے کا نام اس کے باپ دادا کے نام پر نہیں رکھا بلکہ محمد رکھا ہے، جب کہ یہ نام نہ تمہارے باپ دادا میں سے کسی کا ہے، نہ تمہاری قوم میں سے کسی کا ہے۔"

عبدالمطلب نے انہیں جواب دیا:

"میری تمنا ہے کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اس بچے کی تعریف فرمائیں اور زمین پر لوگ اس کی تعریف کریں۔" (محمد کے معنی ہیں جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے۔)

اسی طرح والدہ کی طرف سے آپ کا نام احمد رکھا گیا۔ احمد نام بھی اس سے پہلے کسی کا نہیں رکھا گیا تھا۔ مطلب یہ کہ ان دونوں ناموں کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت کی اور کوئی بھی یہ نام نہ رکھ سکا۔ احمد کا مطلب ہے، سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ آپ احمد پہلے ہیں اور محمد بعد میں۔ یعنی آپ کی تعریف دوسروں نے بعد میں کی، اس سے پہلے آپ کی شان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد وثنا کرنے والے ہیں۔ پرانی کتابوں میں آپ کا نام احمد ذکر کیا گیا ہے۔

اپنی والدہ کے بعد آپ نے سب سے پہلے ثویبہ کا دودھ پیا۔ ثویبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابولہب کی باندی تھیں۔ ان کو ابولہب نے آپ کی پیدائش کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ ثویبہ نے آپ کو چند دن تک دودھ پلایا۔ انہی دنوں ثویبہ کے ہاں اپنا بیٹا پیدا ہوا تھا۔ آپ کی والدہ نے آپ کو صرف نو دن تک دودھ پلایا۔ ان کے بعد ثویبہ نے پلایا۔ پھر دودھ پلانے کی باری حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی آئی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں کے ساتھ اپنی بستی سے روانہ ہوئیں۔ ان کے ساتھ ان کا دودھ پیتا بچہ اور شوہر بھی تھے۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں کے بعد مکہ میں داخل ہوئیں۔ ان کا خچر بہت کمزور اور مریل تھا۔ ان کے ساتھ ان کی کمزور اور بوڑھی اونٹنی تھی۔ وہ بہت آہستہ چلتی تھی۔ ان کی وجہ سے حلیمہ رضی اللہ عنہا قافلے سے بہت پیچھے رہ جاتی تھیں۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ سب سے آخر میں مکہ میں داخل ہوئیں۔

☆☆☆

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی گود میں

اس زمانے میں عرب کا دستور یہ تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ دیہات سے آنے والی دائیوں کے حوالے کر دیتے تھے تاکہ دیہات میں بچے کی نشوونما بہتر ہو اور وہ خالص عربی زبان سیکھ سکے۔

دائیوں کا قافلہ مکہ میں داخل ہوا۔ انہوں نے ان گھروں کی تلاش شروع کی جن میں بچے پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح بہت سی دائیاں جناب عبدالمطلب کے گھر بھی آئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ بچہ تو یتیم پیدا ہوا ہے تو اس خیال سے چھوڑ کر آگے بڑھ گئیں کہ یتیم بچے کے گھرانے سے انہیں کیا ملے گا۔ اس طرح دائیاں آتی رہیں، جاتی رہیں.... کسی نے آپ کو دودھ پلانا منظور نہ کیا اور کرتیں بھی کیسے؟ یہ سعادت تو حضرت حلیمہؓ کے حصے میں آنا تھی۔

جب حلیمہ رضی اللہ عنہا مکہ پہنچیں تو انہیں معلوم ہوا، سب عورتوں کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا ہے اور اب صرف وہ بغیر بچے کے رہ گئی ہیں اور اب کوئی بچہ باقی نہیں بچا... ہاں ایک یتیم بچہ ضرور باقی ہے جسے دوسری عورتیں چھوڑ گئی ہیں۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر عبداللہ بن حارث سے کہا:

"خدا کی قسم! مجھے یہ بات بہت ناگوار گزر رہی ہے کہ میں کسی بچے کے بغیر جاؤں اور

دوسری سب عورتیں بچے لے کر جائیں، یہ مجھے طعنے دیں گی۔ اس لیے کیوں نہ ہم اسی یتیم بچے کو لے لیں۔"

عبداللہ بن حارث بولے:

"کوئی حرج نہیں! ہو سکتا ہے، اللہ اسی بچے کے ذریعے ہمیں خیر و برکت عطا فرما دیں۔"

چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا عبدالمطلب کے گھر گئیں۔ جناب عبدالمطلب اور حضرت آمنہ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ پھر آمنہ انہیں بچے کے پاس لے آئیں۔ آپ اس وقت ایک اونی چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ وہ چادر سفید رنگ کی تھی۔ آپ کے نیچے ایک سبز رنگ کا ریشمی کپڑا تھا۔ آپ سیدھے لیٹے ہوئے تھے، آپ کے سانس کی آواز کے ساتھ مشک کی سی خوشبو نکل کر پھیل رہی تھی۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں۔ آپ اس وقت سوئے ہوئے تھے، انہوں نے جگانا مناسب نہ سمجھا، لیکن جونہی انہوں نے پیار سے اپنا ہاتھ آپ کے سینے پر رکھا، آپ مسکرا دیے اور آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں نے دیکھا، آپ کی آنکھوں سے ایک نور نکلا جو آسمان تک پہنچ گیا، میں نے آپ کو گود میں اٹھا کر آپ کی دونوں آنکھوں کی درمیانی جگہ پر پیار کیا۔ پھر میں نے آپ کی والدہ اور عبدالمطلب سے اجازت چاہی، بچے کو لیے قافلے میں آئی۔ میں نے آپ کو دودھ پلانے کے لیے گود میں لٹایا تو آپ دائیں طرف سے دودھ پینے لگے، پہلے میں نے بائیں طرف سے دودھ پلانا چاہا، لیکن آپ نے اس طرف سے دودھ نہ پیا، دائیں طرف سے آپ فوراً دودھ پینے لگے۔ بعد میں بھی آپ کی یہی عادت رہی، آپ صرف دائیں طرف سے دودھ پیتے رہے، بائیں طرف سے میرا بچہ دودھ پیتا رہا۔

پھر قافلہ روانہ ہوا۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں اپنے خچر پر سوار ہوئی۔ آپ کو ساتھ لے لیا۔ اب جو ہمارا خچر چلا تو اس قدر تیز چلا

کہ اس نے پورے قافلے کی سواریوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ پہلے وہ مریل ہونے کی بنا پر سب سے پیچھے رہتا تھا۔ میری ساتھی خواتین حیرانگی سے مجھ سے مخاطب ہوئیں:

''اے حلیمہ! یہ آج کیا ہو رہا ہے، تمہارا خچر اس قدر تیز کیسے چل رہا ہے، کیا یہ وہی خچر ہے جس پر تم آئی تھیں اور جس کے لیے ایک ایک قدم اٹھانا مشکل تھا؟''

جواب میں میں نے ان سے کہا:

''بے شک! یہ وہی خچر ہے، اللہ کی قسم! اس کا معاملہ عجیب ہے۔''

پھر یہ لوگ بنو سعد کی بستی پہنچ گئے، ان دنوں یہ علاقہ خشک اور قحط زدہ تھا، حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''اس شام جب ہماری بکریاں چر کر واپس آئیں تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے جب کہ اس سے پہلے ایسا نہیں تھا، ان میں سے دودھ بہت کم اور بہت مشکل سے نکلتا تھا۔ ہم نے اس دن اپنی بکریوں کا دودھ دوہا تو ہمارے سارے برتن بھر گئے اور ہم نے جان لیا کہ یہ ساری برکت اس بچے کی وجہ سے ہے۔ آس پاس کی عورتوں میں بھی یہ بات پھیل گئی، ان کی بکریاں بدستور بہت کم دودھ دے رہی تھیں۔

غرض ہمارے گھر میں ہر طرف، ہر چیز میں برکت نظر آنے لگی۔ دوسرے لوگ تعجب میں رہے۔ اس طرح دو ماہ گزر گئے۔ دو ماہ ہی میں آپ چلنے پھرنے لگے۔ آپ آٹھ ماہ کے ہوئے تو باتیں کرنے لگے اور آپ کی باتیں سمجھ میں آتی تھیں۔ نو ماہ کی عمر میں تو آپ بہت صاف گفتگو کرنے لگے۔

اس دوران آپ کی بہت سی برکات دیکھنے میں آئیں۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں:

''جب میں آپ کو اپنے گھر لے آئی تو بنو سعد کا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس سے مشک کی خوشبو نہ آتی ہو، اس طرح سب لوگ آپ سے محبت کرنے لگے۔ جب ہم نے آپ کا دودھ چھڑایا تو آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے:

''اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْراً وَّالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْراً وَّسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلاً۔''

یعنی اللہ بہت بڑا ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے بے حد تعریف ہے اور اس کے لیے صبح اور شام پاکی ہے۔''

پھر جب آپ دو سال کے ہو گئے تو ہم آپ کو لے کر آپ کی والدہ کے پاس آئے، اس عمر کو پہنچنے کے بعد بچوں کو ان کے ماں باپ کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ ادھر ہم آپ کی برکات دیکھ چکے تھے اور ہماری آرزو تھی کہ ابھی آپ کچھ مدت اور ہمارے پاس رہیں، چنانچہ ہم نے اس بارے میں آپ کی والدہ سے بات کی، ان سے یوں کہا:

''ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم بچے کو ایک سال اور اپنے پاس رکھیں، میں ڈرتی ہوں، کہیں اس پر مکے کی بیماریوں اور آب و ہوا کا اثر نہ ہو جائے۔''

جب ہم نے ان سے بار بار کہا تو حضرت آمنہ مان گئیں اور ہم آپ کو پھر اپنے گھر لے آئے۔

جب آپ کچھ بڑے ہوئے تو گھر سے باہر نکل کر دوسرے بچوں کو دیکھتے تھے۔ وہ آپ کو کھیلتے نظر آتے، آپ ان کے نزدیک نہ جاتے۔ ایک روز آپ نے مجھ سے پوچھا:

''امی جان! کیا بات ہے، دن میں میرے بہن بھائی نظر نہیں آتے؟''

آپ اپنے دودھ شریک بھائی عبداللہ اور بہنوں انیسہ اور شیما کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے آپ کو بتایا:

''وہ صبح سویرے بکریاں چرانے جاتے ہیں، شام کے بعد گھر آتے ہیں۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''تب مجھے بھی ان کے ساتھ بھیج دیا کریں۔''

اس کے بعد آپ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ جانے لگے۔ آپ خوش خوش جاتے اور واپس آتے۔ ایسے میں ایک دن میرے بچے خوف زدہ انداز میں دوڑتے ہوئے آئے اور گھبرا کر بولے:

''امی جان! جلدی چلیے... ورنہ ہمارے بھائی محمد ختم ہو جائیں گے۔''

یہ سن کر ہمارے تو ہوش اڑ گئے، دوڑ کر وہاں پہنچے، ہم نے آپ کو دیکھا، آپ کھڑے ہوئے تھے، رنگ اڑا ہوا تھا۔ چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور یہ اس لیے نہیں تھا کہ آپ کو سینہ چاک کیے جانے سے کوئی تکلیف ہوئی تھی بلکہ ان فرشتوں کو دیکھ کر آپ کی یہ حالت ہوئی تھی۔"

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ہم نے آپ سے پوچھا:

"کیا ہوا تھا؟"

آپ نے بتایا:

"میرے پاس دو آدمی آئے۔ وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ (وہ دونوں حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے) ان دونوں میں سے ایک نے کہا:

"کیا یہ وہی ہیں؟"

دوسرے نے جواب دیا:

"ہاں! یہ وہی ہیں۔"

پھر وہ دونوں میرے قریب آئے، انہوں نے مجھے پکڑا اور لٹا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز تلاش کرنے لگے۔ آخر انہیں وہ چیز مل گئی اور انہوں نے اسے باہر نکال کر پھینک دیا، میں نہیں جانتا وہ کیا چیز تھی۔"

اس چیز کے بارے میں دوسری روایات میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ وہ سیاہ رنگ کا ایک دانہ سا تھا۔ یہ انسان کے جسم میں شیطان کا گھر ہوتا ہے اور شیطان انسان کے بدن میں یہیں سے اثرات ڈالتا ہے۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، پھر ہم آپ کو گھر لے آئے۔ اس وقت میرے شوہر عبداللہ بن حارث نے مجھ سے کہا:

"حلیمہ! مجھے ڈر ہے، کہیں اس بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، اس لیے اسے اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو۔"

میں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر ہم آپ کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب میں مکہ کے بالائی علاقے میں پہنچی تو آپ اچانک غائب ہو گئے۔ میں حواس باختہ ہو گئی۔

☆☆☆

یہ غالب آئے گا

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں: ”میں پریشانی کی حالت میں مکہ پہنچی۔ آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس پہنچی تو میں نے کہا:

”میں آج رات محمد کو لے کر آرہی تھی۔ جب میں بالائی علاقے میں پہنچی تو وہ اچانک کہیں گم ہو گئے۔ اب خدا کی قسم میں نہیں جانتی، وہ کہاں ہیں؟“

عبدالمطلب یہ سن کر فوراً کعبہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے آپ کے مل جانے کے لیے دعا کی۔ پھر آپ کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ آخر دونوں تلاش کرتے کرتے تہامہ کی وادی میں پہنچے۔ ایک درخت کے نیچے ایک لڑکا کھڑا تھا۔ اس درخت کی شاخیں بہت گھنی تھیں۔ عبدالمطلب نے پوچھا:

”لڑکے تم کون ہو؟“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس وقت تک قد نکال چکے تھے، اس لیے عبدالمطلب پہچان نہ سکے۔ آپ کا قد تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ جواب میں آپ نے فرمایا:

”میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔“

یہ سن کر عبدالمطلب بولے:

”تم پر میری جان قربان، میں ہی تمہارا دادا عبدالمطلب ہوں۔“

پھر انہوں نے آپ کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور رونے لگے۔ آپ کو گھوڑے پر اپنے

آگے بٹھایا اور مکہ کی طرف چلے۔ گھر آ کر انہوں نے بکریاں اور گائیں ذبح کیں اور مکے والوں کی دعوت کی۔

آپ کے مل جانے کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ حضرت آمنہ کے پاس آئیں تو انہوں نے پوچھا:

"حلیمہ اب آپ بچے کو کیوں لے آئیں، آپ کی تو خواہش تھی کہ یہ ابھی آپ کے پاس اور رہیں؟"

انہوں نے جواب دیا:

"یہ اب بڑے ہو گئے ہیں اور اللہ کی قسم میں اپنی ذمے داری پوری کر چکی ہوں، میں خوف محسوس کرتی رہتی ہوں، کہیں انہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے، لہٰذا انہیں آپ کے سپرد کرتی ہوں۔"

حضرت آمنہ کو یہ جواب سن کر حیرت ہوئی۔ بولیں:

"مجھے سچ سچ بتاؤ، ماجرا کیا ہے؟"

تب انہوں نے سارا حال کہہ سنایا۔ حلیمہ سعدیہ نے دراصل کئی عجیب و غریب واقعات دیکھے تھے۔ ان واقعات کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہو گئی تھیں، پھر سینہ مبارک چاک کیے جانے والا واقعہ پیش آیا تو وہ آپ کو فوری طور پر واپس کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ وہ چند واقعات حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اس طرح بیان کرتی ہیں:

"ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت میرے پاس سے گزری۔ یہ لوگ آسمانی کتاب تورات کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے، میں نے ان سے کہا، کیا آپ لوگ میرے اس بیٹے کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟"

ساتھ ہی میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے بارے میں انہیں تفصیلات سنائیں... یہودی تفصیلات سن کر آپس میں کہنے لگے:

"اس بچے کو قتل کر دینا چاہیے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے پوچھا:

''کیا یہ بچہ یتیم ہے؟''

میں نے ان کی بات سن لی تھی کہ وہ ان کے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں، سو میں نے جلدی سے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''نہیں! یہ ہے اس بچے کے باپ۔''

تب انہوں نے کہا:

''اگر یہ بچہ یتیم ہوتا تو ہم ضرور اسے قتل کر دیتے۔''

یہ بات انہوں نے اس لیے کہی کہ انہوں نے پرانی کتابوں میں پڑھ رکھا تھا کہ ایک آخری نبی آنے والے ہیں، ان کا دین سارے عالم میں پھیل جائے گا، ہر طرف ان کا بول بالا ہوگا، ان کی پیدائش اور بچپن کی یہ یہ علامات ہوں گی اور یہ کہ وہ یتیم ہوں گے۔ اب چونکہ حلیمہ سعدیہ نے ان سے یہ کہہ دیا کہ یہ بچہ یتیم نہیں ہے تو انہوں نے خیال کر لیا کہ یہ وہ بچہ نہیں ہے۔ اس طرح انہوں نے بچے کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اسی طرح ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، ایک مرتبہ وہ آپ کو عکاظ کے میلے میں لے آئیں۔ جاہلیت کے دور میں یہاں بہت مشہور میلہ لگتا تھا۔ یہ میلہ طائف اور نخلہ کے درمیان میں لگتا تھا۔ عرب کے لوگ حج کرنے آتے تو شوال کا مہینہ اس میلے میں گزارتے، کھیلتے، کودتے اور اپنی بڑائیاں بیان کرتے۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کو لیے بازار میں گھوم رہی تھیں کہ ایک کاہن کی نظر آپ پر پڑی۔ اسے آپ میں نبوت کی تمام علامات نظر آگئیں۔ اس نے پکار کر کہا:

''لوگو! اس بچے کو مار ڈالو۔''

حلیمہ اس کاہن کی بات سن کر گھبرا گئیں اور جلدی سے وہاں سے سرک گئیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔

میلے میں موجود لوگوں نے کاہن کی آواز سن کر ادھر ادھر دیکھا کہ کس بچے کو قتل کرنے

انہوں نے جواب میں کہا:

"نہیں! کوئی تکلیف نہیں! یہ سرخی تو ان کی آنکھوں میں قدرتی ہے۔"

ان عیسائیوں نے کہا:

"تب اس بچے کو ہمارے حوالے کر دو، ہم اسے اپنے ملک لے جائیں گے، یہ بچہ پیغمبر اور بڑی شان والا ہے۔ ہم اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔"

حلیمہ سعدیہ یہ سنتے ہی وہاں سے جلدی سے دور چلی گئیں، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔

ان تمام واقعات میں جو سب سے اہم واقعہ ہے، وہ سینہ مبارک چاک کرنے والا تھا۔ روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر سلائی کے نشانات موجود تھے جیسا کہ آج کل ڈاکٹر حضرات آپریشن کے بعد ٹانکے لگاتے ہیں، ٹانکے کھول دیے جانے کے بعد بھی سلائی کے نشانات موجود رہتے ہیں۔ اس واقعے کے بعد حلیمہ سعدیہ اور ان کے خاوند نے فیصلہ کیا کہ اب بچے کو اپنے پاس نہیں رکھنا چاہیے....

جب حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ کے حوالے کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 4 سال تھی۔ ایک روایت یہ ملتی ہے کہ اس وقت عمر شریف پانچ سال تھی، ایک تیسری روایت کے مطابق عمر مبارک چھ سال ہو چکی تھی۔

جب حلیمہ سعدیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ کے حوالے کیا، تو اس کے کچھ دنوں بعد حضرت آمنہ انتقال کر گئیں، والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ حضرت آمنہ کی وفات مکہ اور مدینہ کے درمیان ابواء کے مقام پر ہوئی۔ آپ کو وہیں دفن کیا گیا۔

ہوا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے میکے مدینہ منورہ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ام ایمن بھی تھیں۔ ام ایمن کہتی ہیں، ایک دن مدینے کے دو یہودی میرے پاس آئے اور بولے:

"ذرا محمد کو ہمارے سامنے لاؤ، ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

نرالی شان کا مالک

حضرت آمنہ کے انتقال کے پانچ دن بعد ام ایمن آپ کو لے کر مکہ پہنچیں۔ آپ کو عبدالمطلب کے حوالے کیا۔ آپ کے یتیم ہو جانے کا انہیں اتنا صدمہ تھا کہ بیٹے کی وفات پر بھی اتنا نہیں ہوا تھا۔

عبدالمطلب کے لیے کعبہ کے سائے میں ایک قالین بچھایا جاتا تھا، وہ اس پر بیٹھا کرتے تھے۔ ان کا احترام اس قدر تھا کہ کوئی اور اس قالین پر نہیں بیٹھتا تھا، چنانچہ ان کے بیٹے اور قریش کے سردار اس قالین کے چاروں طرف بیٹھتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لاتے تو سیدھے اس قالین پر جا بیٹھتے۔ اس وقت آپ ایک تندرست لڑکے تھے، آپ کی عمر نو سال کے قریب ہو چکی تھی، آپ کے چچا عبدالمطلب کے ادب کی وجہ سے آپ کو اس قالین سے ہٹانا چاہتے تو عبدالمطلب کہتے:

''میرے بیٹے کو چھوڑ دو، اللہ کی قسم! یہ بہت شان والا ہے۔''

پھر وہ آپ کو محبت سے اس فرش پر بٹھاتے، آپ کی کمر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے، آپ کی باتیں سن سن کر حد درجے خوش ہوتے رہتے۔

کبھی وہ دوسروں سے کہتے:

''میرے بیٹے کو یہیں بیٹھنے دو، اسے خود بھی احساس ہے کہ اس کی بڑی شان ہے، اور میری آرزو ہے، یہ اتنا بلند رتبہ پائے جو کسی عرب کو اس سے پہلے حاصل نہ ہوا ہو اور نہ بعد

میں کسی کو حاصل ہو سکے۔''

ایک بار انہوں نے یہ الفاظ کہے:

''میرے بیٹے کو چھوڑ دو، اس کے مزاج میں طبعی طور پر بلندی ہے... اس کی شان نرالی ہوگی۔''

یہاں تک کہ عمر کے آخری حصے میں حضرت عبدالمطلب کی آنکھیں جواب دے گئی تھیں، آپ نابینا ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں ایک روز وہ اس قالین پر بیٹھے تھے کہ آپ تشریف لے آئے اور سیدھے اس قالین پر جا پہنچے۔ ایک شخص نے آپ کو قالین سے کھینچ لیا۔ اس پر آپ رونے لگے، آپ کے رونے کی آواز سن کر عبدالمطلب بے چین ہوئے اور بولے:

''میرا بیٹا کیوں رو رہا ہے؟''

''آپ کے قالین پر بیٹھنا چاہتا ہے... ہم نے اسے قالین سے اتار دیا ہے۔''

یہ سن کر عبدالمطلب نے کہا:

''میرے بیٹے کو قالین پر ہی بٹھا دو، یہ اپنا رتبہ پہچانتا ہے، میری دعا ہے کہ یہ اس رتبے کو پہنچے جو اس سے پہلے کسی عرب کو نہ ملا ہو، نہ اس کے بعد کسی کو ملے۔''

اس کے بعد پھر کسی نے آپ کو قالین پر بیٹھنے سے نہیں روکا۔

ایک روز بنو مدلج کے کچھ لوگ حضرت عبدالمطلب سے ملنے کے لیے آئے... ان کے پاس اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ بنو مدلج کے لوگوں نے آپ کو دیکھا، یہ لوگ قیافہ شناس تھے، آدمی کا چہرہ دیکھ کر اس کے مستقبل کے بارے میں اندازے بیان کرتے تھے۔ انہوں نے عبدالمطلب سے کہا:

''اس بچے کی حفاظت کریں، اس لیے کہ مقام ابراہیم پر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کا نشان ہے، اس بچے کے پاؤں کا نشان بالکل اس نشان سے ملتا جلتا ہے، اس قدر مشابہت ہم نے کسی اور کے پاؤں کے نشان میں نہیں دیکھی... ہمارا خیال ہے... یہ بچہ نرالی شان کا مالک ہوگا... اس لیے اس کی حفاظت کریں۔''

مقام ابراہیم خانہ کعبہ میں وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر کے وقت کھڑے ہوتے تھے۔ معجزے کے طور پر اس پتھر پر ابراہیم علیہ السلام کے پیروں کے نشان بن گئے تھے۔ لوگ اس پتھر کی زیارت کرتے ہیں۔ یہی مقام ابراہیم ہے۔ چونکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، اس لیے ان کے پاؤں کی مشابہت آپ میں ہونا قدرتی بات تھی۔

ایک روز حضرت عبدالمطلب خانہ کعبہ میں حجر اسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے میں ان کے پاس نجران کے عیسائی آ گئے۔ ان میں ایک بڑا پادری بھی تھا۔ اس پادری نے عبدالمطلب سے کہا:

"ہماری کتابوں میں ایک ایسے نبی کی علامات ہیں جو اسماعیل کی اولاد میں ہونا باقی ہے۔ یہ شہر اس کی جائے پیدائش ہوگا۔ اس کی یہ یہ نشانیاں ہوں گی۔"

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ کوئی شخص آپ کو لے کر وہاں آ پہنچا۔ پادری کی نظر جونہی آپ پر پڑی، وہ چونک اٹھا۔ آپ کی آنکھوں، کمر اور پیروں کو دیکھ کر وہ چلا اٹھا:

"وہ نبی یہی ہیں۔ یہ تمہارے کیا لگتے ہیں؟"

عبدالمطلب بولے:

"یہ میرے بیٹے ہیں۔"

اس پر وہ پادری بولا:

"اوہو! تب یہ وہ نہیں۔ اس لیے کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کے والد کا انتقال اس کی پیدائش سے پہلے ہو جائے گا۔"

یہ سن کر عبدالمطلب بولے:

"یہ دراصل میرا پوتا ہے۔ اس کے باپ کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب یہ پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔"

اس پر پادری بولا:

"ہاں! یہ بات ہوئی نا... آپ اس کی پوری طرح حفاظت کریں۔"

عبدالمطلب کی آپ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ کھانا کھانے بیٹھتے تو کہتے:

"میرے بیٹے کو لے آؤ۔"

آپ تشریف لاتے تو عبدالمطلب آپ کو اپنے پاس بٹھاتے۔ آپ کو اپنے ساتھ کھلاتے۔

بہت زیادہ عمر والے ایک صحابی حیدہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"میں ایک مرتبہ اسلام سے پہلے، جاہلیت کے زمانے میں حج کے لیے مکہ معظمہ گیا۔ میں وہاں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا، میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا، جو بہت بوڑھا اور بہت لمبے قد کا تھا۔ وہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا، اے میرے پروردگار میری سواری کو محمد کی طرف پھیر دے اور اسے میرا دست و بازو بنا دے۔ میں نے اس بوڑھے کو جب یہ شعر پڑھتے سنا تو لوگوں سے پوچھا:

"یہ کون ہے؟"

لوگوں نے بتایا، یہ عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ انہوں نے اپنے پوتے کو اپنے ایک اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے۔ وہ اونٹ گم ہو گیا ہے، اور وہ پوتا ایسا ہے کہ جب بھی کسی گم شدہ چیز کی تلاش میں اسے بھیجا جاتا ہے تو وہ اس چیز کو لے کر ہی آتا ہے۔ پوتے سے پہلے یہ اپنے بیٹوں کو اس اونٹ کی تلاش میں بھیج چکے ہیں، لیکن وہ ناکام لوٹ آئے ہیں۔ اب پوتے کو گئے ہوئے چونکہ دیر ہو گئی ہے، اس لیے یہ پریشان ہیں اور یہ دعا مانگ رہے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ میں نے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کو لیے تشریف لا رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے آپ کو دیکھ کر کہا:

"میرے بیٹے! میں تمہارے لیے اس قدر فکر مند ہو گیا تھا کہ شاید اس کا اثر کبھی میرے دل سے نہ جائے۔

عبدالمطلب کی بیوی کا نام رقیقہ بنت ابو صیفی تھا۔ وہ کہتی ہیں:

''قریش کئی سال سے سخت قحط سالی کا شکار تھے۔ بارشیں بالکل بند تھیں۔ سب لوگ پریشان تھے، اسی زمانے میں، میں نے ایک خواب دیکھا کوئی شخص خواب میں کہہ رہا تھا:

''اے قریش کے لوگو! تم میں سے ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے، اس کے ظہور کا وقت آ گیا ہے۔ اس کے ذریعے تمہیں زندگی ملے گی، یعنی خوب بارشیں ہوں گی، سرسبزی اور شادابی ہوگی، تم اپنے لوگوں میں سے ایک ایسا شخص تلاش کرو، جو لمبے قد کا ہو، گورے رنگ کا ہو، اس کی پلکیں گھنی ہوں، بھنویں اور ابرو ملے ہوئے ہوں، وہ شخص اپنی تمام اولاد کے ساتھ نکلے اور تم میں سے ہر خاندان کا ایک آدمی نکلے، سب پاک صاف ہوں اور خوشبو لگائیں، وہ حجر اسود کو بوسہ دیں، پھر سب جبلِ ابوقبیس پر چڑھ جائیں۔ پھر وہ شخص جس کا حلیہ بتایا گیا ہے، آگے بڑھے اور بارش کی دعا مانگے اور تم سب آمین کہو تو بارش ہو جائے گی۔''

صبح ہوئی تو رقیقہ نے اپنا یہ خواب قریش سے بیان کیا۔ انہوں نے ان نشانیوں کو تلاش کیا تو سب کی سب نشانیاں انہیں عبدالمطلب میں مل گئیں، چنانچہ سب ان کے پاس جمع ہوئے، ہر خاندان سے ایک ایک آدمی آیا۔ ان سب نے شرائط پوری کیں۔ اس کے بعد سب ابوقبیس پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ آپ اس وقت نو عمر تھے۔ پھر عبدالمطلب آگے بڑھے اور انہوں نے یوں دعا کی:

''اے اللہ! یہ سب تیرے غلام ہیں، تیرے غلاموں کی اولاد ہیں، تیری باندیاں ہیں اور تیری باندیوں کی اولاد ہیں، ہم پر جو برا وقت آ پڑا ہے، تو دیکھ رہا ہے، ہم مسلسل قحط سالی کا شکار ہیں۔ اب اونٹ، گائیں، گھوڑے، خچر اور گدھے سب کچھ ختم ہو چکے ہیں اور جانوں پر بن آئی ہے۔ اس لیے ہماری یہ خشک سالی ختم فرما دے، ہمیں زندگی اور سرسبزی اور شادابی عطا فرما دے۔''

ابھی یہ دعا مانگ ہی رہے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ وادیاں پانی سے بھر گئیں، لیکن اس بارش میں ایک بہت عجیب بات ہوئی۔

اور وہ عجیب بات یہ تھی کہ قریش کو یہ سیرابی ضرور حاصل ہوئی، مگر یہ بارش قبیلہ قیس اور قبیلہ مضر کی قریبی بستیوں میں بالکل نہ ہوئی۔ اب لوگ بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا بات ہوئی۔ ایک قبیلے پر بارش اور آس پاس کے سب قبیلے بارش سے محروم... تمام قبیلوں کے سردار جمع ہوئے، اس سلسلے میں بات چیت شروع ہوئی۔ ایک سردار نے کہا:

''ہم زبردست قحط اور خشک سالی کا شکار ہیں جب کہ قریش کو اللہ نے بارش عطا کی ہے اور یہ عبدالمطلب کی وجہ سے ہوا ہے، اس لیے ہم سب ان کے پاس چلتے ہیں، اگر وہ ہمارے لیے دعا کر دیں تو شاید اللہ ہمیں بھی بارش دے دے۔''

یہ مشورہ سب کو پسند آیا، چنانچہ یہ لوگ مکہ معظمہ میں آئے اور عبدالمطلب سے ملے۔ انہیں سلام کیا، پھر ان سے کہا:

''اے عبدالمطلب! ہم کئی سال سے خشک سالی کے شکار ہیں، ہمیں آپ کی برکت کے بارے میں معلوم ہوا ہے، اس لیے مہربانی فرما کر آپ ہمارے لیے بھی دعا کریں، اس لیے کہ اللہ نے آپ کی دعا سے قریش کو بارش عطا کی ہے۔''

ان کی بات سن کر عبدالمطلب نے کہا:

''اچھی بات ہے، میں کل میدان عرفات میں آپ لوگوں کے لیے بھی دعا کروں گا۔''

دوسرے دن صبح سویرے عبدالمطلب میدان عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ دوسرے لوگوں کے علاوہ ان کے بیٹے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ عرفات کے میدان میں عبدالمطلب کے لیے ایک کرسی بچھائی گئی۔ وہ اس پر بیٹھ گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے گود میں بٹھا لیا، پھر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی:

''اے اللہ! چمکنے والی بجلی کے پروردگار۔ اور کڑکنے والی گرج کے مالک، پالنے والوں کے پالنے والے، اور مشکلات کو آسان کرنے والے، یہ قبیلہ قیس اور قبیلہ مضر کے لوگ ہیں، یہ بہت پریشان ہیں، ان کی کمریں جھک گئی ہیں، یہ تجھ سے اپنی لاچاری اور بے کسی کی فریاد کرتے ہیں اور جان و مال کی بربادی کی شکایت کرتے ہیں، پس اے اللہ! ان کے لیے

خوب برسنے والے بادل بھیج دے اور آسمان سے ان کے لیے رحمت عطا فرما، تا کہ ان کی زمینیں سرسبز ہو جائیں اور ان کی تکالیف دور ہو جائیں۔"

عبدالمطلب ابھی یہ دعا کر ہی رہے تھے کہ ایک سیاہ بادل اٹھا، عبدالمطلب کی طرف آیا اور اس کے بعد اس کا رخ قبیلہ قیس اور بنو مضر کی بستیوں کی طرف ہو گیا۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب نے کہا:

"اے گروہ قریش اور مضر، جاؤ! تمہیں سیرابی حاصل ہوگی۔"

چنانچہ یہ لوگ جب اپنی بستیوں میں پہنچے تو وہاں بارش شروع ہو چکی تھی۔

آپ سات سال کے ہو چکے تھے کہ آپ کی آنکھیں دکھنے کو آ گئیں۔ مکہ میں آنکھوں کا علاج کرایا گیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ عبدالمطلب سے کسی نے کہا:

"عکاظ کے بازار میں ایک راہب رہتا ہے، وہ آنکھوں کی تکالیف کا علاج کرتا ہے۔"

عبدالمطلب آپ کو اس کے پاس لے گئے۔ اس کی عبادت گاہ کا دروازہ بند تھا، انہوں نے اسے آواز دی۔ راہب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اچانک عبادت گاہ میں شدید زلزلہ آیا۔ راہب ڈر گیا کہ کہیں عبادت خانہ اس کے اوپر نہ گر پڑے۔ اس لیے یک دم باہر نکل آیا۔

اب اس نے آپ کو دیکھا تو چونک اٹھا، اس نے کہا:

"اے عبدالمطلب! یہ لڑکا اس امت کا نبی ہے، اگر میں باہر نہ نکل آتا تو یہ عبادت گاہ ضرور مجھ پر گر پڑتی۔ اس لڑکے کو فوراً واپس لے جاؤ اور اس کی حفاظت کرو۔ کہیں یہودیوں یا عیسائیوں میں سے کوئی اسے قتل نہ کر دے۔"

پھر اس نے کہا:

"اور رہی بات ان کی آنکھوں کی... تو آنکھوں کی دوا تو خود ان کے اپنے پاس موجود ہے۔"

عبدالمطلب یہ سن کر حیران ہوئے اور بولے:

"ان کے اپنے پاس ہے، میں سمجھا نہیں۔"

"ہاں! ان کا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگائیں۔"

انہوں نے ایسا ہی کیا، آنکھیں فوراً ٹھیک ہوگئیں۔

پرانی آسمانی کتابوں میں آپ کی بہت سے نشانیاں لکھی ہوئی تھیں۔ اس کی تفصیل بہت دلچسپ ہے:

یمن میں ایک قبیلہ حمیر تھا۔ وہاں ایک شخص سیف بن یزن تھا۔ وہ سیف حمیری کہلاتا تھا۔ کسی زمانے میں اس کے باپ دادا اس ملک پر حکومت کرتے تھے لیکن پھر حبشیوں نے یمن پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ وہاں حبشیوں کی حکومت ہوگئی۔ ستر سال تک یمن حبشیوں کے قبضے میں رہا، جب یہ سیف بڑا ہوا تو اس کے اندر اپنے باپ دادا کا ملک آزاد کرانے کی امنگ پیدا ہوئی، چنانچہ اس نے ایک فوج تیار کی۔ اس فوج کے ذریعے حبشیوں پر حملہ کیا اور انہیں یمن سے بھگا دیا۔ اس طرح وہ باپ دادا کے ملک کو آزاد کرانے میں کامیاب ہوگیا، وہاں کا بادشاہ بن گیا۔ یہ یمن عرب کا علاقہ تھا، جب اس پر حبشیوں نے قبضہ کیا تھا تو عربوں کو بہت افسوس ہوا۔ 70 سال بعد جب یمن کے لوگوں نے حبشیوں کو نکال باہر کیا تو عربوں کو بہت خوشی ہوئی۔ ان کی خوشی کی ایک وجہ یہ تھی کہ انہی حبشیوں نے ابرہہ کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ چاروں طرف سے عربوں کے وفد سیف کو مبارک باد دینے کے لیے آنے لگے۔

قریش کا بھی ایک وفد مبارک دینے کے لیے گیا۔ اس وفد کے سردار عبدالمطلب تھے۔ یہ وفد جب یمن پہنچا تو سیف اپنے محل میں تھا۔ اس کے سر پر تاج تھا، تلوار سامنے رکھی تھی اور حمیری سردار اس کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ سیف کو قریش کے وفد کی آمد کے بارے میں بتایا گیا، اسے یہ بھی بتایا گیا کہ یہ لوگ کس رتبے کے ہیں۔ اس نے ان لوگوں کو آنے کی اجازت دے دی۔ یہ وفد دربار میں پہنچا۔ عبدالمطلب آگے بڑھ کر اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ انہوں نے بات کرنے کی اجازت چاہی، سیف نے کہا:

"اگر تم بادشاہوں کے سامنے بولنے کے آداب سے واقف ہو تو ہماری طرف سے

اجازت ہے۔"

تب عبدالمطلب نے کہا:

"اے بادشاہ! ہم کعبہ کے خادم ہیں، اللہ کے گھر کے محافظ ہیں، ہم آپ کو مبارک باد دینے آئے ہیں۔ یمن پر حبشی حکومت ہمارے لیے بھی ایک بوجھ ہو گئی تھی۔ آپ کو مبارک ہو، آپ کے اس کارنامے سے آپ کے بزرگوں کو بھی عزت ملے گی اور آنے والی نسلوں کو بھی وقار حاصل ہوگا۔"

سیف ان کے الفاظ سن کر بہت خوش ہوا، بے اختیار بول اٹھا:

"اے شخص! تم کون ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

انہوں نے کہا:

"میرا نام عبدالمطلب بن ہاشم ہے۔"

سیف نے ہاشم کا نام سن کر کہا:

"تب تو تم ہماری بہن کے لڑکے ہو۔"

عبدالمطلب کی والدہ مدینہ کے قبیلے خزرج کی تھیں اور خزرج کا قبیلہ دراصل یمن کا تھا۔ اس لیے سیف نے ہاشم کا نام سن کر کہا، تب تو تم ہماری بہن کے لڑکے ہو۔ پھر اس نے کہا:

"ہم آپ سب کو خوش آمدید کہتے ہیں، آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں۔"

اس کے بعد قریش کے وفد کو سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا۔ ان کی خوب خاطر مدارت کی گئی... یہاں تک کہ ایک ماہ گزر گیا۔ ایک ماہ کی مہمان نوازی کے بعد سیف نے انہیں بلایا۔ عبدالمطلب کو اپنے پاس بلا کر اس نے کہا:

"اے عبدالمطلب! میں اپنے علم کے پوشیدہ رازوں میں سے ایک راز تمہیں بتا رہا ہوں، تمہارے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں ہرگز نہ بتاتا، تم اس راز کو اس وقت تک راز ہی رکھنا جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر نہ فرما دے۔ ہمارے پاس ایک پوشیدہ کتاب ہے، وہ پوشیدہ رازوں کا ایک خزانہ ہے۔ ہم دوسروں سے اس کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ میں نے اس

کتاب میں ایک بہت عظیم الشان نبی اور ایک بڑے فخر کے بارے میں پڑھ لیا ہے، اور وہ آپ کے بارے میں ہے۔"

عبدالمطلب یہ باتیں سن کر حد درجے حیرت زدہ ہوئے اور پکار اٹھے

"میں سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"سنو عبدالمطلب! جب تہامہ کی وادی میں کوئی ایسا بچہ پیدا ہو جس کے دونوں کندھوں کے درمیان بالوں کا گچھا (یعنی مہر نبوت) ہو تو اسے امامت اور سرداری حاصل ہوگی اور اس کی وجہ سے تمہیں قیامت تک کے لیے اعزاز ملتا رہے گا۔"

عبدالمطلب نے یہ سن کر کہا:

"اے بادشاہ! اللہ کرے آپ کو بھی ایسی خوش بختی میسر آئے۔ آپ کی ہیبت مجھے روک رہی ہے، ورنہ میں آپ سے پوچھتا کہ اس بچے کا زمانہ کب ہوگا۔"

بادشاہ نے جواب میں کہا

"یہی اس کا زمانہ ہے۔ وہ اسی زمانے میں پیدا ہوگا یا پیدا ہو چکا ہے۔ اس کا نام محمد ہوگا۔ اس کی والدہ کا انتقال ہو جائے گا۔ اس کے دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے۔ ہم بھی اس کے آرزومند رہے کہ وہ بچہ ہمارے ہاں پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے کھلے عام ظاہر فرمائے گا اور اس کے لیے ہم میں سے (یعنی مدینہ کے قبیلہ خزرج میں) اس نبی کے مددگار بنائے گا (ہم میں سے اس نے اس لیے کہا کہ خزرج اصل میں یمن کے لوگ تھے)۔ ان کے ذریعے اس نبی کے خاندان اور قبیلے والوں کو عزت حاصل ہوگی اور ان کے ذریعے اس کے دشمنوں کو ذلت ملے گی۔ وہ ان کے ذریعے وہ تمام لوگوں سے مقابلہ کرے گا اور ان کے ذریعے زمین کے اہم علاقے فتح ہو جائیں گے۔ وہ نبی رحمٰن کی عبادت کرے گا، شیطان کو بھگائے گا۔ آتش کدوں کو ٹھنڈا کرے گا (یعنی آگ کے پجاریوں کو مٹائے گا) بتوں کو توڑ ڈالے گا۔ اس کی ہر بات آخری فرمان ہوگی۔ اس کے احکامات انصاف والے ہوں گے ۔۔ نیکی کا حکم دے گا اور خود بھی ان پر عمل کرے گا، برائیوں سے روکے گا اور ان کو

مٹا ڈالے گا۔"

عبدالمطلب نے سیف بن یزن کو دعا دی۔ پھر کہا:

"کچھ اور تفصیل بیان کریں۔"

"بات ڈھکی چھپی ہے اور علامتیں پوشیدہ ہیں مگر اے عبدالمطلب اس میں شبہ نہیں کہ تم اس کے دادا ہو۔"

عبدالمطلب یہ سن کر فوراً سجدے میں گر گئے اور پھر سیف نے ان سے کہا:

"اپنا سر اٹھاؤ، اپنی پیشانی اونچی کرو اور مجھے بتاؤ، جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے، کیا تم نے ان میں سے کوئی علامت اپنے ہاں دیکھی ہے؟"

اس پر عبدالمطلب نے کہا:

"ہاں! میرا ایک بیٹا تھا۔ میں اسے بہت چاہتا تھا۔ میں نے ایک شریف اور معزز لڑکی آمنہ بنت وہب عبد مناف سے اس کی شادی کر دی۔ وہ میری قوم کے انتہائی باعزت خاندان سے تھی۔ اس سے میرے بیٹے کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، میں نے اس کا نام محمد رکھا۔ اس بچے کا باپ اور ماں دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ اب میں اور اس کا چچا ابوطالب اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔"

اب سیف نے ان سے کہا:

"میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے، وہ واقعہ اسی طرح ہے۔ اب تم اپنے پوتے کی حفاظت کرو۔ اسے یہودیوں سے بچائے رکھو، اس لیے کہ وہ اس کے دشمن ہیں، یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ان لوگوں کو ان پر قابو نہیں پانے دے گا اور میں نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے، اس کا اپنے قبیلے والوں سے ذکر نہ کرنا۔ مجھے ڈر ہے، ان باتوں کی وجہ سے ان لوگوں میں حسد اور جلن نہ پیدا ہو جائے... یہ لوگ سوچ سکتے ہیں، یہ عزت اور بلندی آخر انہیں کیوں ملنے والی ہے، یہ لوگ ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کریں گے، اگر یہ لوگ اس وقت تک زندہ نہ رہے تو ان کی اولادیں یہ کام کریں گی، اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ اس نبی کے

ظہور سے پہلے ہی موت مجھے آ لے گی تو میں اپنے اونٹوں اور قافلے کے ساتھ روانہ ہوتا اور ان کی سلطنت کے مرکز یثرب پہنچتا، کیونکہ میں اس کتاب میں یہ بات پاتا ہوں کہ شہر یثرب ان کی سلطنت کا مرکز ہوگا، ان کی طاقت کا سرچشمہ ہوگا، ان کی مدد اور نصرت کا ٹھکانا ہوگا اور ان کی وفات کی جگہ ہوگی اور انہیں دفن بھی یہیں کیا جائے گا اور ہماری کتاب پچھلے علوم سے بھری پڑی ہے۔ مجھے پتا ہے، اگر میں اس وقت ان کی عظمت کا اعلان کروں تو خود ان کے لیے اور میرے لیے خطرات پیدا ہو جائیں گے، یہ ڈر نہ ہوتا تو میں اسی وقت ان کے بارے میں یہ تمام باتیں سب کو بتا دیتا۔ عربوں کے سامنے ان کی سربلندی اور اونچے رتبے کی داستانیں سنا دیتا، لیکن میں نے یہ راز تمہیں بتایا ہے... تمہارے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو نہیں بتایا۔"

اس کے بعد اس نے عبدالمطلب کے ساتھیوں کو بلایا۔ ان میں سے ہر ایک کو دس حبشی غلام، دس حبشی باندیاں اور دھاری دار یمنی چادریں، بڑی مقدار میں سونا اور چاندی، سو سو اونٹ اور عنبر کے بھرے ڈبے دیے۔ پھر عبدالمطلب کو اس سے دس گنا زیادہ دیا اور بولا:

"سال گزرنے پر میرے پاس ان کی خبر لے کر آنا اور ان کے حالات بتانا۔"

سال گزرنے سے پہلے ہی اس بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔

عبدالمطلب اکثر اس بادشاہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح ایک عظیم سرپرست کا ساتھ چھوٹ گیا۔ اس وقت عبدالمطلب کی عمر 95 سال تھی۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں ان کی عمر اس سے زیادہ بھی لکھی ہے۔

جس وقت عبدالمطلب کا انتقال ہوا، آپ ان کی چارپائی کے پاس موجود تھے، آپ رونے لگے۔ عبدالمطلب کو حجون کے مقام پر ان کے دادا قصی کے پاس دفن کیا گیا۔

مرنے سے پہلے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے ابوطالب کے حوالے کیا۔ اب ابوطالب آپ کے نگران ہوئے۔ انہیں بھی آپ سے بے تحاشا محبت ہو گئی۔

ان کے بھائی عباس اور زبیر بھی آپ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ پھر زبیر بھی انتقال کر گئے تو آپ کی نگرانی آپ کے چچا ابو طالب ہی کرتے رہے۔

انہیں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ جب انہوں نے آپ کی برکات دیکھیں، معجزے دیکھے تو ان کی محبت میں اور اضافہ ہو گیا۔ یہ مالی اعتبار سے کمزور تھے۔ دو وقت سارے گھرانے کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا تھا، لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ کھاتے تو تھوڑا کھانا بھی ان سب کے لیے کافی ہو جاتا، سب کے پیٹ بھر جاتے۔ اسی لیے جب دوپہر یا رات کے کھانے کا وقت ہوتا اور سب دسترخوان پر بیٹھتے تو ابو طالب ان سے کہتے:

''ابھی کھانا شروع نہ کرو، میرا بیٹا آ جائے، پھر شروع کرنا۔''

پھر آپ تشریف لے آتے، اور ان کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ آپ کی برکت اس طرح ظاہر ہوتی کہ سب کے سیر ہو جانے کے بعد بھی کھانا بچ جاتا، اگر دودھ ہوتا تو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کے لیے دیا جاتا، پھر ابو طالب کے بیٹے پیتے، یہاں تک کہ ایک ہی پیالے سے سب کے سب دودھ پی لیتے، خوب سیر ہو جاتے اور دودھ پھر بھی بچ جاتا۔ ابو طالب کے لیے ایک تکیہ رکھا رہتا تھا، وہ اس سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو آ کر سیدھے اس تکیے کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ یہ دیکھ کر ابو طالب کہتے:

''میرے بیٹے کو اپنے بلند مرتبے کا احساس ہے۔''

ایک بار مکہ میں قحط پڑ گیا، بارش بالکل نہ ہوئی، لوگ ایک دوسرے سے کہتے تھے، لات اور عزیٰ سے بارش کی دعا کرو، کچھ کہتے تھے، تیسرے بڑے بت منات پر بھروسہ کرو۔ اسی دوران ایک بوڑھے نے کہا:

''تم حق اور سچائی سے بھاگ رہے ہو، تم میں ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی نشانی موجود ہے، تم اسے چھوڑ کر غلط راستے پر کیوں جا رہے ہو۔''

اس پر لوگوں نے اس سے کہا:

''کیا آپ کی مراد ابو طالب سے ہے۔''

اس نے جواب میں کہا:

''ہاں! میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔''

اب سب لوگ ابو طالب کے گھر کی طرف چلے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دروازے پر دستک دی تو ایک خوب صورت آدمی باہر آیا۔ اس نے تہبند لپیٹ رکھا تھا۔ سب لوگ اس کی طرف بڑھے اور بولے:

''اے ابو طالب! وادی میں قحط پڑا ہے، بچے بھوکے مر رہے ہیں، اس لیے آؤ اور ہمارے لیے بارش کی دعا کرو۔''

چنانچہ ابو طالب باہر آئے۔ ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ آپ ایسے لگ رہے تھے جیسے اندھیرے میں سورج نکل آیا ہو۔ ابو طالب کے ساتھ اور بھی بچے تھے، لیکن انہوں نے آپ ہی کا بازو پکڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد ابو طالب نے آپ کی انگلی پکڑ کر کعبے کا طواف کیا، یہ طواف کر رہے تھے اور دوسرے لوگ آسمان کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ جہاں بادل کا ایک بھی ٹکڑا نہیں تھا، لیکن پھر اچانک ہر طرف سے بادل گھر گھر کر آنے لگے۔ اس قدر زوردار بارش ہوئی کہ شہر اور جنگل سیراب ہوگئے۔

ابو طالب ایک بار ذی المجاز کے میلے میں گئے۔ یہ جگہ عرفات سے تقریباً 8 کلومیٹر دور ہے۔ ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ ایسے میں ابو طالب کو پیاس محسوس ہوئی۔ انہوں نے آپ سے کہا:

''بھتیجے! مجھے پیاس لگی ہے۔''

یہ بات انہوں نے اس لیے نہیں کہی تھی کہ آپ کے پاس پانی تھا... بلکہ اپنی بے چینی ظاہر کرنے کے لیے کہی تھی۔ چچا کی بات سن کر آپ فوراً سواری سے اتر آئے اور بولے:

''چچا جان! آپ کو پیاس لگی ہے۔''

انہوں نے کہا:

"آپ ﷺ یہاں کیوں ہے؟"

یہ صحیح ہی آپ نے یہاں ﷺ کہا کہ یوں مارا ہے

[illegible]

بھری ہوئی تھی، پانی موجیں مار رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے قافلے والوں سے فرمایا:

''میرے پیچھے پیچھے آؤ۔''

پھر آپ اطمینان سے وادی میں داخل ہو گئے، باقی لوگ بھی آپ کے پیچھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پانی خشک کر دیا اور آپ پورے قافلے کو لیے پار ہو گئے۔ قافلہ مکہ پہنچا تو لوگوں نے یہ حیرت ناک واقعات بیان کیے۔ لوگ سن کر بول اٹھے:

''اس لڑکے کی تو کچھ شان ہی نرالی ہے۔''

ابن ہشام لکھتے ہیں، بنو لہب کا ایک شخص بہت بڑا قیافہ شناس تھا یعنی لوگوں کی شکل و صورت دیکھ کر ان کے حالات اور مستقبل کے بارے میں اندازے لگایا کرتا تھا۔ مکہ آتا تو لوگ اپنے بچوں کو اس کے پاس لاتے، وہ انہیں دیکھ دیکھ کر ان کے بارے میں بتاتا تھا۔ ایک بار یہ آیا تو ابو طالب آپ کو بھی اس کے پاس لے گئے اور اس وقت آپ ابھی نو عمر لڑکے ہی تھے۔ قیافہ شناس نے آپ کو ایک نظر دیکھا، پھر دوسرے بچوں کو دیکھنے لگا۔ فارغ ہونے کے بعد اس نے کہا:

''اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ۔''

ابو طالب نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ قیافہ شناس نے ان کے بھتیجے کو عجیب نظروں سے دیکھا ہے، لہٰذا وہ آپ کو لے کر وہاں سے نکل آئے تھے۔ جب قیافہ شناس کو معلوم ہوا کہ آپ وہاں موجود نہیں ہیں تو وہ چیخنے لگا:

''تمہارا برا ہو، اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ جسے میں نے ابھی دیکھا ہے، اللہ کی قسم! وہ بڑی شان والا ہے۔''

ابو طالب نے نکلتے ہوئے اس کے یہ الفاظ سن لیے تھے۔

☆

ابو طالب نے تجارت کی غرض سے شام جانے کا ارادہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساتھ جانے کا شوق ظاہر فرمایا، بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ نے جانے کے

لیے خاص طور پر فرمائش کی۔ ابو طالب نے آپ کا شوق دیکھ کر کہا:

''اللہ کی قسم! میں اسے ساتھ ضرور لے جاؤں گا۔ نہ یہ کبھی مجھ سے جدا ہو سکتا ہے، نہ میں اسے کبھی اپنے سے جدا کر سکتا ہوں۔''

ایک روایت میں یوں آیا ہے، آپ نے ابو طالب کی اونٹنی کی لگام پکڑ لی اور فرمایا:

''چچا جان! آپ مجھے کس کے پاس چھوڑے جا رہے ہیں؟ میری نہ ماں ہے نہ باپ۔''

اس وقت آپ کی عمر مبارک نو سال تھی۔ آخر ابو طالب آپ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ آپ کو اپنی اونٹنی پر بٹھایا۔ راستے میں عیسائیوں کی ایک عبادت گاہ کے پاس ٹھہرے۔ خانقاہ کے راہب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو چونک اٹھا۔ اس نے ابو طالب سے پوچھا:

''یہ لڑکا تمہارا کون ہے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''میرا بیٹا ہے۔''

یہ سن کر راہب نے کہا:

''یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔''

یہ سن کر ابو طالب بہت حیران ہوئے، بولے:

''کیا مطلب... یہ کیوں میرا بیٹا نہیں ہو سکتا بھلا؟''

اس نے کہا:

''یہ ممکن نہیں کہ اس لڑکے کا باپ زندہ ہو، یہ نبی ہے۔''

مطلب یہ تھا کہ ان میں جو نشانیاں ہیں، وہ دنیا کے آخری نبی کی ہیں اور ان کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ یتیم ہوں گے... ان کے باپ کا انتقال اسی زمانے میں ہو جائے گا جب کہ وہ ابھی پیدا ہونے والے ہوں گے۔ اس لڑکے میں آنے والے نبی کی تمام علامات

موجود ہیں۔ ان کی ایک نشانی یہ ہے کہ بچپن میں ان کی والدہ کا بھی انتقال ہو جائے گا۔

اب ابوطالب نے اس راہب سے پوچھا:

"نبی کیا ہوتا ہے؟"

راہب نے کہا:

"نبی وہ ہوتا ہے جس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں اور پھر وہ زمین والوں کو ان کی اطلاع دیتا ہے... تم یہودیوں سے اس لڑکے کی حفاظت کرنا۔"

اس کے بعد ابوطالب وہاں سے آگے روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک اور راہب کے پاس ٹھہرے۔ یہ بھی ایک خانقاہ کا عابد تھا۔ اس کی نظر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو اس نے بھی پوچھا:

"یہ لڑکا تمہارا کیا لگتا ہے؟"

ابوطالب نے اس سے بھی یہی کہا:

"یہ میرا بیٹا ہے۔"

راہب یہ سن کر بولا:

"یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اس کا باپ زندہ ہو ہی نہیں سکتا۔"

ابوطالب نے پوچھا:

"وہ کیوں...؟"

راہب نے جواب میں کہا:

"اس لیے کہ اس کا چہرہ نبی کا چہرہ ہے۔ اس کی آنکھیں ایک نبی کی آنکھیں ہیں یعنی اس نبی جیسی جو آخری امت کے لیے بھیجے جانے والے ہیں، ان کی علامات پرانی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔"

اس کے بعد یہ قافلہ روانہ ہو کر بصریٰ پہنچا۔ یہاں بحیرا نام کا ایک راہب اپنی خانقاہ میں رہتا تھا۔ اس کا اصل نام جرجیس تھا۔ بحیرا اس کا لقب تھا۔ وہ بہت زبردست عالم تھا۔

اس طرح تمام لوگ بحیرا کے پاس پہنچ گئے۔ لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نہیں تھے۔ انہیں پڑاؤ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

* * *

یہ تمہارا بیٹا نہیں

آپ کو قافلے کے ساتھ اس لیے نہیں لے جایا گیا تھا کہ آپ کم عمر تھے۔ آپ وہیں درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ ادھر بحیرا نے لوگوں کو دیکھا اور ان میں سے کسی میں اسے وہ صفت نظر نہ آئی جو آخری نبی کے بارے میں اسے معلوم تھی، نہ ان میں سے کسی پر وہ بدلی نظر آئی، بلکہ اس نے عجیب بات دیکھی کہ وہ بدلی وہیں، پڑاؤ کی جگہ پر ہی رہ گئی تھی۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا، بدلی وہیں ہے، جہاں اللہ کے رسول ہیں، تب اس نے کہا:

"اے قریش کے لوگو! میری دعوت سے آپ میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔"

اس پر قریش نے کہا:

"اے بحیرا! جن لوگوں کو آپ کی اس دعوت میں آنا ضروری تھا، ان میں سے تو کوئی رہا نہیں... ہاں ایک لڑکا رہ گیا ہے جو سب سے کم عمر ہے۔"

بحیرا بولا:

"تب پھر مہربانی فرما کر اسے بھی بلا لیں، یہ کس قدر بری بات ہے کہ آپ سب آئیں اور آپ میں سے ایک رہ جائے اور میں نے اسے آپ لوگوں کے ساتھ دیکھا تھا۔"

تب ایک شخص گیا اور آپ کو ساتھ لے کر بحیرا کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت وہ بدلی

آپ کے ساتھ ساتھ چلتی رہی اور تمام راستے اس نے آپ پر سایہ کیے رکھا۔ بحیرا نے یہ منظر صاف دیکھا، وہ اب آپ کو اور زیادہ غور سے دیکھ رہا تھا اور آپ کے جسم مبارک میں وہ علامات تلاش کر رہا تھا جو ان کی کتب میں درج تھیں۔

جب لوگ کھانا کھا چکے اور ادھر ادھر ہو گئے تب بحیرا آپ کے پاس آیا اور بولا:

"میں لات اور عزیٰ کے نام پر آپ سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں، جو میں پوچھوں آپ مجھے بتائیں۔"

اس کی بات سن کر آپ نے فرمایا

"لات و عزیٰ (بتوں کے نام) کے نام پر مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ اللہ کی قسم! مجھے سب سے زیادہ نفرت انہی سے ہے۔"

تب بحیرا بولا:

"اچھا تو پھر اللہ کے نام پر بتائیں جو میں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

تو آپ نے فرمایا:

"پوچھو! کیا پوچھنا ہے۔"

اس نے بہت سے سوالات کیے۔ آپ کی عادات کے بارے میں پوچھا۔ اس کے بعد اس نے آپ کی کمر پر سے کپڑا ہٹا کر مہر نبوت کو دیکھا، وہ بالکل ایسی ہی تھی جیسا کہ اس نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا۔ اس نے فوراً مہر نبوت کی جگہ کو بوسہ دیا۔ قریش کے لوگ یہ سب دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے۔ آخر لوگ کہے بغیر نہ رہ سکے:

"یہ راہب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بہت دلچسپی لے رہا ہے... شاید اس کے نزدیک ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔"

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرنے کے بعد بحیرا ابو طالب کی طرف آیا اور بولا:

"یہ لڑکا تمہارا کیا لگتا ہے؟"

ابو طالب نے کہا:

"یہ میرا بیٹا ہے۔"

اس پر بحیرا نے کہا:

"نہیں! یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا، یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا باپ زندہ ہو۔"

ابو طالب کو یہ سن کر حیرت ہوئی، پھر انہوں نے کہا:

"دراصل یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔"

"اس کا باپ کہاں ہے؟"

"وفات ہو چکی ہے، اس کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب یہ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔"

یہ سن کر بحیرا بول اٹھا:

"ہاں! یہ بات صحیح ہے اور ان کی والدہ کا کیا ہوا؟"

"ان کا ابھی تھوڑے عرصہ ہی پہلے انتقال ہوا ہے۔"

یہ سنتے ہی بحیرا نے کہا:

"بالکل ٹھیک کہا... اب تم یوں کرو کہ اپنے بھتیجے کو واپس وطن لے جاؤ، یہودیوں سے ان کی پوری طرح حفاظت کرو، اگر انہوں نے انہیں دیکھ لیا اور ان میں وہ نشانیاں دیکھ لیں جو میں نے دیکھی ہیں تو وہ انہیں قتل کرنے کی کوشش کریں گے، تمہارا یہ بھتیجا نبی ہے، اس کی بہت شان ہے، ان کی شان کے بارے میں ہم اپنی کتابوں میں بھی لکھا ہوا پاتے ہیں اور ہم نے اپنے باپ دادا سے بھی بہت کچھ سنا ہے، میں نے یہ نصیحت کر کے اپنا فرض پورا کر دیا ہے اور انہیں واپس لے جانا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

ابو طالب بحیرا کی باتیں سن کر خوف زدہ ہو گئے۔ آپ کو لے کر مکہ واپس آ گئے۔ اس واقعے کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔

اس عمر کے لڑکے عام طور پر کھیل کود میں ضرور حصہ لیتے ہیں، ان کھیلوں میں خراب اور گندے کھیل بھی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سلسلے میں بھی بالکل محفوظ رکھا۔

جاہلیت کے زمانے میں عرب جن برائیوں میں جکڑے ہوئے تھے،ان برائیوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ ایک واقعہ آپ نے خود بیان فرمایا:

''ایک قریشی لڑکا مکہ کے بالائی حصے میں اپنی بکریاں لیے،میرے ساتھ تھا۔ میں نے اس سے کہا:

''تم ذرا میری بکریوں کا دھیان رکھو تاکہ میں قصہ گوئی کی مجلس میں شریک ہوسکوں، وہاں سب لڑکے جاتے ہیں۔''

اس لڑکے نے کہا،اچھا۔ اس کے بعد میں روانہ ہوا۔ میں مکہ کے ایک مکان میں داخل ہوا تو مجھے گانے اور باجے کی آواز سنائی دی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا،یہ کیا ہو رہا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک قریشی کی فلاں شخص کی بیٹی سے شادی ہو رہی ہے۔ میں نے اس طرف توجہ دی ہی تھی کہ میری آنکھیں نیند سے جھکنے لگیں،یہاں تک کہ میں سو گیا۔ پھر میری آنکھ اس وقت کھلی جب دھوپ مجھ پر پڑی۔''

آپ واپس اس لڑکے کے پاس پہنچے۔ اس نے پوچھا تم نے وہاں جا کر کیا کیا، میں نے اسے واقعہ سنا دیا۔ دوسری رات پھر ایسا ہی ہوا۔''

مطلب یہ کہ قریش کی لغو مجلسوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

قریش کے ایک بت کا نام بوانہ تھا۔ قریش ہر سال اس کے پاس حاضری دیا کرتے تھے۔ اس کی بے حد عزت کرتے تھے۔ اس کے پاس قربانی کے جانور ذبح کرتے،سر منڈاتے،سارا دن اس کے پاس اعتکاف کرتے۔ ابو طالب بھی اپنی قوم کے ساتھ اس بت کے پاس حاضری دیتے،اس موقع کو قریش عید کی طرح مناتے تھے۔ ابو طالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''بھتیجے! آپ بھی ہمارے ساتھ عید میں شریک ہوں۔''

آپ نے انکار فرما دیا۔ ابو طالب ہر سال آپ کو شریک ہونے کے لیے کہتے رہے، لیکن آپ ہر بار انکار ہی کرتے رہے۔ آخر ایک بار ابو طالب کو غصہ آ گیا۔ آپ کی

فجار کی جنگ

خانہ کعبہ میں تانبے کے بنے دو بت تھے۔ ان کے نام اساف اور نائلہ تھے۔ طواف کرتے وقت مشرک برکت حاصل کرنے کے لیے ان کو چھوا کرتے تھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ جب میں طواف کے دوران ان بتوں کے پاس سے گزرا تو میں نے بھی ان کو چھوا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً فرمایا:

''ان کو ہاتھ مت لگاؤ۔''

اس کے بعد ہم طواف کرتے رہے، میں نے سوچا، ایک بار پھر بتوں کو چھونے کی کوشش کروں گا تاکہ پتا تو چلے، ان کو چھونے سے کیا ہوتا ہے اور آپ نے کس لیے مجھے روکا ہے، چنانچہ میں نے ان کو پھر چھو لیا، تب آپ نے سخت لہجے میں فرمایا:

''کیا میں نے تمہیں ان کو چھونے سے منع نہیں کیا تھا۔''

اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی بت کو نہیں چھوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمادی اور آپ پر وحی نازل ہونے لگی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ حرام چیزوں سے بھی آپ کی حفاظت فرماتے تھے۔ مشرک بتوں کے نام پر جانور قربان کرتے تھے، پھر یہ گوشت تقسیم کر دیا جاتا تھا یا پکا کر کھلا دیا جاتا تھا،

نہیں آپ نے کبھی بھی ایسا گوشت نہ کھایا۔ خود آپ نے ایک بار ارشاد فرمایا:

"میں نے کبھی کوئی ایسی چیز نہیں چکھی جو بتوں کے نام پر ذبح کی گئی ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت عطا کر دی۔"

اسی طرح آپ سے پوچھا گیا:

"کیا آپ نے بچپن میں کبھی بت پرستی کی؟"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"نہیں۔"

آپ سے پھر پوچھا گیا:

"آپ نے کبھی شراب پی؟"

جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"نہیں! حالانکہ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ کتاب اللہ کیا ہے اور ایمان (کی تفصیل) کیا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی اس زمانے میں کچھ لوگ تھے جو جانوروں کے نام پر ذبح کیا گیا گوشت نہیں کھاتے تھے اور شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔

☆

بچپن میں آپ نے بکریاں بھی چرائیں۔ آپ مکے کے لوگوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ معاوضے کے طور پر آپ کو ایک قیراط دیا جاتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھیجے، ان سب نے بکریاں چرانے کا کام کیا۔ میں مکے والوں کی بکریاں قراریط (سکے) کے بدلے چرایا کرتا تھا۔"

مکے والوں کی بکریوں کے ساتھ آپ اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کی بکریاں بھی چرایا کرتے تھے۔

پیغمبروں نے بکریاں کیوں چرائیں، اس کی وضاحت یوں بیان کی جاتی ہے:

"اس کام میں اللہ تعالیٰ کی زبردست حکمت ہے، بکری کمزور جانور ہے، لہٰذا جو شخص بکریاں چراتا ہے، اس میں قدرتی طور پر نرمی، محبت اور انکساری کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر کام اور پیشے کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، مثلاً قصاب کے دل میں سختی ہوتی ہے، لوہار جفا کش ہوتا ہے، مالی نازک طبع ہوتا ہے۔ اب جو شخص بکریاں چراتا رہا، جب وہ مخلوق کی تربیت کا کام شروع کرے گا تو اس کی طبیعت میں سے گرمی اور سختی نکل چکی ہوتی ہے۔ مخلوق کی تربیت کے لیے وہ بہت نرم مزاج ہو چکا ہوتا ہے اور تبلیغ کے کام میں نرم مزاجی کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔"

☆

عربوں میں ایک شخص بدر بن معشر غفاری تھا۔ یہ عکاظ کے میلے میں بیٹھا کرتا تھا۔ لوگوں کے سامنے اپنی بہادری کے قصے سنایا کرتا تھا۔ اپنی بڑائیاں بیان کرتا تھا۔ ایک دن اس نے پیر پھیلا کر اور گردن اکڑا کر کہا:

"میں عربوں میں سے سب سے زیادہ عزت دار ہوں اور اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ وہ زیادہ عزت والا ہے تو تلوار کے زور پر یہ بات ثابت کر دکھائے۔"

اس کے یہ بڑے بول سن کر ایک شخص کو غصہ آ گیا۔ وہ اچانک اس پر جھپٹا اور اس کے گھٹنے پر تلوار دے ماری۔ اس کا گھٹنا کٹ گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گھٹنا صرف زخمی ہوا تھا۔ اس پر دونوں کے قبیلے آپس میں لڑ پڑے۔ ان میں جنگ شروع ہو گئی۔ اس لڑائی کو فجار کی پہلی لڑائی کہا جاتا ہے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 10 سال تھی۔

فجار کی ایک اور لڑائی بنو عامر کی ایک عورت کی وجہ سے ہوئی۔ اس میں بنو عامر بنو کنانہ سے لڑے، کیونکہ کنانہ کے ایک نوجوان نے اس قبیلے کی کسی عورت کو چھیڑا تھا۔

فجار کی تیسری لڑائی بھی بنو عامر اور بنو کنانہ کے درمیان ہوئی، یہ لڑائی قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں ہوئی۔

فجار کی ان تینوں لڑائیوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ البتہ فجار کی

چوتھی لڑائی میں آپ نے شرکت فرمائی تھی۔

عربوں کے ہاں چار مہینے ایسے تھے کہ ان میں کسی کا خون بہانا جائز نہیں تھا، یہ مہینے ذوالقعدہ، ذوالحج، محرم اور رجب تھے۔ یہ لڑائیاں چونکہ حرمت کے ان مہینوں میں ہوئیں، اس لیے ان کا نام فجار کی لڑائیاں رکھا گیا۔ فجار کا معنے ہے گناہ، یعنی یہ لڑائیاں ان کا گناہ تھا۔

چوتھی لڑائی جس میں نبی کریم نے بھی حصہ لیا، اس کا نام فجار براض ہے، یہ لڑائی اس طرح شروع ہوئی

قبیلہ بنو کنانہ کے براض نامی ایک شخص نے ایک آدمی عروہ کو قتل کر دیا۔ عروہ کا تعلق قبیلہ ہوازن سے تھا۔ یہ واقعہ حرمت والے مہینے میں پیش آیا۔ براض اور عروہ کے خاندان کے لوگ یعنی بنو کنانہ اور ہوازن اس وقت عکاظ کے میلے میں تھے۔ وہیں کسی نے بنو کنانہ کو یہ خبر پہنچا دی کہ براض نے عروہ کو قتل کر دیا ہے۔

یہ خبر سن کر بنو کنانہ کے لوگ پریشان ہوئے کہ کہیں میلے ہی میں ہوازن کے لوگ ان پر حملہ نہ کر دیں، اس طرح بات بہت بڑھ جائے گی، چنانچہ وہ لوگ مکے کی طرف بھاگ نکلے۔ ہوازن کو اس وقت تک خبر نہیں ہوئی تھی۔ انہیں کچھ دن یا کچھ وقت گزرنے پر خبر ہوئی، یہ بنو کنانہ پر چڑھ دوڑے لیکن بنو کنانہ حرم میں پناہ لے چکے تھے۔ عربوں میں حرم کے اندر خون بہانا حرام تھا۔ اس لیے ہوازن رک گئے۔ اس دن لڑائی نہ ہو سکی لیکن دوسرے دن بنو کنانہ کے لوگ خود ہی مقابلے کے لیے باہر نکل آئے، ان کی مدد کرنے کے لیے قبیلہ قریش بھی میدان میں نکل آیا۔

اس طرح فجار کی یہ جنگ شروع ہوئی۔ یہ جنگ چار یا چھ دن تک جاری رہی، اب چونکہ قریش بھی اس جنگ میں شریک تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپ کو بھی ساتھ لے گئے مگر آپ نے جنگ کے سب دنوں میں لڑائی میں حصہ نہیں لیا البتہ جس دن آپ میدان جنگ میں پہنچ جاتے تو بنی کنانہ کو فتح ہونے لگتی اور جب آپ وہاں نہ پہنچتے تو انہیں شکست ہونے لگتی۔ آپ نے اس جنگ میں صرف اتنا حصہ لیا کہ اپنے چچاؤں کو تیر

پکڑاتے رہے اور بس۔

چھ دن کی جنگ کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر دونوں گروہوں میں صلح ہو گئی لیکن یہ کافی خون خرابے کے بعد ہوئی تھی۔

اس جنگ کے فوراً بعد حلف الفضول کا واقعہ پیش آیا۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ قبیلہ زبید کا ایک شخص اپنا کچھ مال لے کر مکہ آیا۔ اس سے یہ مال عاص بن وائل نے خرید لیا۔ یہ عاص بن وائل مکہ کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ اس کی بہت عزت تھی۔ اس نے مال تو لے لیا، لیکن قیمت ادا نہ کی۔ زبیدی اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کرتا رہا، لیکن عاص بن وائل نے رقم ادا نہ کی۔ اب یہ زبیدی شخص اپنی فریاد لے کر مختلف قبیلوں کے پاس گیا۔ ان سب کو بتایا کہ عاص بن وائل نے اس پر ظلم کیا ہے، لہٰذا اس کی رقم دلوائی جائے۔ اب چونکہ عاص مکہ کے بڑے لوگوں میں سے تھا، اس لیے ان سب لوگوں نے عاص کے خلاف اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا، الٹا اسے ڈانٹ ڈپٹ کر واپس بھیج دیا۔ جب زبیدی نے ان لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو دوسرے دن صبح سویرے وہ ابوقبیس نامی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ قریش ابھی اپنے گھروں ہی میں تھے، اوپر چڑھ کر اس نے بلند آواز سے چند شعر پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے:

''اے فہر کی اولاد! ایک مظلوم کی مدد کرو، جو اپنے وطن سے دور ہے اور جس کی تمام پونجی اس وقت مکہ کے اندر ہی ہے۔''

اس زبیدی شخص کی یہ فریاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے سن لی۔ ان پر بہت اثر ہوا، انہوں نے عبداللہ بن جدعان کو ساتھ لیا اور اس آدمی کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر ان کے ساتھ بنوہاشم، بنوزہرہ اور بنواسد کے لوگ بھی شامل ہو گئے۔ یہ سب عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے۔ یہاں ان سب کو کھانا کھلایا گیا۔ اس کے بعد ان سب سے خدا کے نام پر حلف لیا گیا۔ حلف کے الفاظ یہ تھے:

''ہم ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیتے رہیں گے اور اس کا حق اسے دلاتے رہیں گے۔''

اس حلف کا نام حلف الفضول رکھا گیا۔ اس عہد کے اور حلف کے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کے ساتھ موجود تھے۔

☆☆☆

نسطورا کی ملاقات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد یعنی حلف الفضول کو بہت پسند فرمایا۔ آپ فرماتے تھے:

''میں اس عہد نامے میں شریک تھا۔ یہ عہد نامہ ابن جدعان کے مکان میں ہوا تھا۔ اگر کوئی مجھ سے کہے کہ اس عہد نامے سے دست بردار ہو جائیں اور اس کے بدلے میں سو اونٹ لے لیں تو میں نہیں لوں گا۔ اس عہد نامے کے نام پر اگر کوئی آج بھی مجھے آواز دے تو میں کہوں گا... میں حاضر ہوں۔''

آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر آج بھی کوئی مظلوم یہ کہہ کر آواز دے، اے حلف الفضول والو! تو میں اس کی فریاد کو ضرور پہنچوں گا۔ کیوں کہ اسلام تو آیا ہی اس لیے ہے کہ سچائی کا نام بلند کرے اور مظلوم کی مدد اور حمایت کرے۔

یہ حلف الفضول بعد میں بھی جاری رہا۔

☆

مکہ میں آپ کی امانت اور دیانت کی وجہ سے آپ کو امین کہہ کر پکارا جانے لگا تھا۔ آپ کا یہ لقب بہت مشہور ہو گیا تھا۔ لوگ آپ کو امین کے علاوہ اور کسی نام سے نہیں پکارتے تھے۔

انہی دنوں ابوطالب نے آپ سے کہا:

"اے بھتیجے! میں ایک بہت غریب آدمی ہوں اور قحط سالی کی وجہ سے اور زیادہ سخت حالات کا سامنا ہے، کافی عرصے سے خشک سالی کا دور چل رہا ہے۔ کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ اپنا کام چلا سکیں اور نہ ہماری کوئی تجارت ہے۔ ایک تجارتی قافلہ شام جانے والا ہے، اس میں قریش کے لوگ شامل ہیں... قریش کی ایک خاتون خدیجہ بنت خویلد شام کی طرف اپنا تجارتی سامان بھیجا کرتی ہیں، جو شخص ان کا مال لے کر جاتا ہے، وہ اپنی اجرت ان سے طے کر لیتا ہے، اب اگر تم ان کے پاس جاؤ اور ان کا مال لے جانے کی پیش کش کرو تو وہ ضرور اپنا مال تمہیں دے دیں گی، کیونکہ تمہاری امانت داری کی شہرت ان تک پہنچ چکی ہے، اگرچہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم شام کے سفر پر جاؤ... یہودی تمہارے دشمن ہیں، لیکن حالات کی وجہ سے میں مجبور ہوں، اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں۔"

یہاں تک کہہ کر ابوطالب خاموش ہو گئے، تب آپ نے فرمایا:

"ممکن ہے، وہ خاتون خود میرے پاس کسی کو بھیجیں۔"

یہ بات آپ نے اس لیے کہی تھی کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک با اعتماد آدمی کی ضرورت تھی اور اس وقت مکہ میں آپ سے زیادہ شریف، پاک باز، امانت دار، سمجھ دار اور قابل اعتماد آدمی کوئی نہیں تھا۔

ابوطالب اس وقت بہت پریشان تھے۔ آپ کی یہ بات سن کر انہوں نے کہا:

"اگر تم نہ گئے تو مجھے ڈر ہے، وہ کسی اور سے معاملہ طے کر لیں گی۔"

یہ کہہ کر ابوطالب اٹھ گئے۔ ادھر آپ کو یقین سا تھا کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا خود ان کی طرف کسی کو بھیجیں گی اور ہوا بھی یہی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا، پھر آپ سے کہا:

"میں نے آپ کی سچائی، امانت داری اور نیک اخلاق کے بارے میں سنا ہے اور اسی وجہ سے میں نے آپ کو بلوایا ہے، جو معاوضہ آپ کی قوم کے دوسرے آدمیوں کو دیتی

ہوں، آپ کو ان سے دوگنا دوں گی۔"

آپ نے ان کی بات منظور فرمائی۔ پھر آپ اپنے چچا ابوطالب سے ملے، انہیں یہ بات بتائی۔ ابوطالب سن کر بولے:

"یہ روزی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا فرمائی ہے۔"

اس کے بعد آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان تجارت لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ آپ کے ساتھ تھے۔ روانگی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ سے کہا:

"کسی معاملے میں ان کی نافرمانی نہ کرنا، جو یہ کہیں، وہی کرنا، ان کی رائے سے اختلاف نہ کرنا۔"

آپ کے سب چچاؤں نے قافلے والوں سے آپ کی خبر گیری رکھنے کی درخواست کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ذمے داری کے لحاظ سے یہ آپ کا پہلا تجارتی سفر تھا۔ گویا آپ اس کام میں بالکل نئے تھے۔

ادھر آپ روانہ ہوئے، ادھر آپ کا معجزہ شروع ہوگیا۔ ایک بدلی نے آپ کے اوپر سایہ کرلیا۔ آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ جب آپ شام پہنچے تو بصریٰ شہر کے بازار میں ایک درخت کے سائے میں اترے۔ یہ درخت ایک عیسائی راہب نسطورا کی خانقاہ کے سامنے تھا۔ اس راہب نے میسرہ کو دیکھا تو خانقاہ سے نکل آیا۔ اس وقت اس نے آپ کو دیکھا۔ آپ درخت کے نیچے ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس نے میسرہ سے پوچھا:

"یہ شخص کون ہے جو اس درخت کے نیچے موجود ہے؟"

میسرہ نے کہا:

"یہ ایک قریشی شخص ہیں، حرم والوں میں سے ہیں۔"

یہ سن کر راہب نے کہا:

"اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کبھی کوئی آدمی نہیں بیٹھا۔"

مطلب یہ تھا کہ اس درخت کے نیچے آج تک کوئی شخص نہیں بیٹھا، اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو ہمیشہ اس سے بچایا ہے کہ اس کے نیچے نبی کے سوا کوئی دوسرا شخص بیٹھے۔

اس کے بعد اس نے میسرہ سے پوچھا:

''کیا ان کی آنکھوں میں سرخی ہے۔''

میسرہ نے جواب دیا:

''ہاں! بالکل ہے اور یہ سرخی ان کی آنکھوں میں مستقل رہتی ہے۔''

اب نسطورا نے کہا:

''یہ وہی ہیں۔''

میسرہ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا اور بولے:

''کیا مطلب... یہ وہی ہیں... کون وہی؟''۔

''یہ آخری پیغمبر ہیں... کاش میں وہ زمانہ پا سکتا جب انہیں ظہور کا حکم ملے گا، یعنی جب انہیں نبوت ملے گی۔''

اس کے بعد وہ چپکے سے آپ کے پاس پہنچا، پہلے تو اس نے آپ کے سر کو بوسہ دیا پھر آپ کے قدموں کو بوسہ دیا... اور بولا:

''میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے۔''

اس کے بعد نسطورا نے کہا:

''اے محمد! میں نے آپ میں وہ تمام نشانیاں دیکھ لی ہیں، جو پرانی کتابوں میں آپ کی نبوت کی علامتوں کے طور پر درج ہیں۔ صرف ایک نشانی باقی ہے، اس لیے آپ ذرا اپنے کندھے سے کپڑا ہٹائیں۔''

آپ نے اپنے شانہ مبارک سے کپڑا ہٹا دیا۔ تب نسطورا نے وہاں مہر نبوت کو جگمگاتے دیکھا۔ وہ فوراً مہر نبوت کو چومنے کے لیے جھک گیا۔ پھر بولا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ آپ کے بارے میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام نے خوش خبری دی تھی اور انہوں نے کہا تھا

"میرے بعد اس درخت کے نیچے کوئی نہیں بیٹھے گا سوائے اس پیغمبر کے جو امی (یعنی ان پڑھ) ہاشمی عربی اور مکی (یعنی مکہ کے رہنے والے) ہوں گے۔ قیامت میں حوض کوثر اور شفاعت والے ہوں گے۔"

☆

اس واقعے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بصری کے بازار تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے وہ مال فروخت کیا جو ساتھ لائے تھے اور کچھ چیزیں خریدیں۔

اس خرید وفروخت کے دوران ایک شخص نے آپ سے کچھ جھگڑا کیا اور بولا:

"لات اور عزیٰ کی قسم کھاؤ۔"

آپ نے فرمایا

"میں نے ان بتوں کے نام پر کبھی قسم نہیں کھائی۔"

آپ کا یہ جملہ سن کر وہ شخص چونک اُٹھا۔

☆☆☆

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

شاید وہ گزشتہ آسمانی کتاب کا کوئی عالم تھا اور اس نے آپ کو پہچان لیا تھا، چنانچہ بولا:

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

اس کے بعد اس نے میسرہ سے علیحدگی میں ملاقات کی، کہنے لگا:

"میسرہ! یہ نبی ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہمارے راہب اپنی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔"

میسرہ نے اس کی اس بات کو ذہن نشین کر لیا۔ راستے میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو اونٹ بہت زیادہ تھک گئے اور چلنے کے قابل نہ رہے، ان کی وجہ سے میسرہ قافلے سے پیچھے رہ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے اگلے حصے میں تھے۔ میسرہ ان اونٹوں کی وجہ سے پریشان ہوا تو دوڑتا ہوا اگلے حصے کی طرف آیا اور اپنی پریشانی کے بارے میں آپ کو بتایا۔ آپ اس کے ساتھ ان دونوں اونٹوں کے پاس تشریف لائے اور ان کی کمر اور پچھلے حصے پر ہاتھ پھیرا۔ کچھ پڑھ کر دم کیا۔ آپ کا ایسا کرنا تھا کہ اونٹ اسی وقت ٹھیک ہو گئے اور اس قدر تیز چلنے لگے کہ قافلے کے اگلے حصے میں پہنچ گئے۔ اب وہ منہ سے آوازیں نکال رہے تھے اور چلنے میں جوش و خروش کا اظہار کر رہے تھے۔

پھر قافلہ والوں نے اپنا مال فروخت کیا۔ اس بار انہیں اتنا نفع ہوا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا

تھا، چنانچہ میسرہ نے آپ سے کہا:

''اے محمد! ہم سالہا سال سے سیدہ خدیجہ کے لیے تجارت کر رہے ہیں، مگر اتنا زبردست نفع ہمیں کبھی نہیں ہوا جتنا اس بار ہوا ہے۔''

آخر قافلہ واپس مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ میسرہ نے اس دوران صاف طور پر یہ بات دیکھی کہ جب گرمی کا وقت ہوتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر ہوتے تھے تو دو فرشتے دھوپ سے بچانے کے لیے آپ پر سایہ کیے رہتے تھے۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے میسرہ کے دل میں بھی آپ کی محبت گھر کر گئی اور یوں لگنے لگا جیسے وہ آپ کا غلام ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ باقی قافلے سے پہلے پہنچ گئے تھے۔ آپ سیدھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے۔ وہ اس وقت چند عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ انہوں نے دور سے آپ کو دیکھ لیا۔ آپ اونٹ پر سوار تھے اور دو فرشتے آپ پر سایہ کیے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ منظر دوسری عورتوں کو بھی دکھایا۔ وہ سب بہت حیران ہوئیں۔

اب آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تجارت کے حالات سنائے۔ منافع کے بارے میں بتایا۔ اس مرتبہ پہلے کی نسبت دوگنا منافع ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے پوچھا:

''میسرہ کہاں ہے؟''

آپ نے بتایا:

''وہ ابھی پیچھے ہے۔''

یہ سن کر سیدہ نے کہا:

''آپ فوراً اس کے پاس جائیے اور اسے جلد از جلد میرے پاس لائیے۔''

آپ واپس روانہ ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دراصل آپ کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ پھر سے وہی منظر دیکھنا چاہتی تھیں۔ جاننا چاہتی تھیں کہ کیا اب بھی فرشتے ان پر

سایہ کرتے جارہے تھے۔ جونہی آپ روانہ ہوئے، یہ اپنے مکان کے اوپر چڑھ گئیں اور وہاں سے آپ کو دیکھنے لگیں۔ آپ کی شان اب بھی وہی نظر آئی۔ اب انہیں یقین ہو گیا کہ ان کی آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔ کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم میسرہ کے ساتھ ان کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ سے کہا:

''میں نے ان پر دو فرشتوں کو سایہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، کیا تم نے بھی کوئی ایسا منظر دیکھا ہے۔''

جواب میں میسرہ نے کہا

''میں تو یہ منظر اس وقت سے دیکھ رہا ہوں جب قافلہ یہاں سے شام جانے کے لیے روانہ ہوا تھا۔''

اس کے بعد میسرہ نے نسطورا سے ملاقات کا حال سنایا۔ دوسرے آدمی نے جو کہا تھا، وہ بھی بتایا۔ جس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھانے کے لیے کہا تھا، پھر اونٹوں والا واقعہ بتایا۔ یہ تمام باتیں سننے کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو طے شدہ اجرت سے دوگنا دی۔ جب کہ طے شدہ اجرت پہلے ہی دوسرے لوگوں کی نسبت دوگنا تھی۔

ان تمام باتوں سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت حیران ہوئیں۔ اب وہ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے ملیں، یہ پچھلی کتابوں کے عالم تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں، جو کچھ خود دیکھا اور میسرہ کی زبانی سنا تھا، وہ سب کہہ سنایا۔ ورقہ بن نوفل اس وقت عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے تھے، اس سے پہلے وہ یہودی تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تمام باتیں سن کر ورقہ بن نوفل نے کہا:

''خدیجہ! اگر یہ باتیں سچ ہیں تو سمجھ لو محمد اس امت کے نبی ہیں۔ میں یہ بات جان چکا ہوں کہ وہ اس امت کے ہونے والے نبی ہیں، دنیا کو جن کا انتظار تھا۔ یہی ان کا زمانہ ہے''

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے تجارتی سفر صرف ایک بار ہی نہیں کیا، چند سفر اور بھی کیے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ

عنہا ایک شریف اور پاک باز خاتون تھیں۔ نسب کے اعتبار سے بھی قریش میں سب سے اعلیٰ تھیں۔ انہیں قریش کی سیدہ کہا جاتا تھا۔ قوم کے بہت سے لوگ ان سے نکاح کے خواہش مند تھے، کئی نوجوانوں کے پیغام ان تک پہنچ چکے تھے، لیکن انہوں نے کسی کے پیغام کو قبول نہیں کیا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کے سفر سے واپس آئے تو آپ کی خصوصیات دیکھ کر اور آپ کی باتیں سن کر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ متاثر ہو چکی تھیں لہٰذا انہوں نے ایک خاتون نفیسہ بنت منیہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے آکر آپ سے کہا کہ اگر کوئی دولت مند اور پاک باز خاتون خود آپ کو نکاح کی پیش کش کرے تو کیا آپ مان لیں گے۔

ان کی بات سن کر آپ نے فرمایا:

''وہ کون ہیں؟''

نفیسہ نے فوراً کہا:

''خدیجہ بنت خویلد۔''

آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ نفیسہ بنت منیہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں۔ انہیں ساری بات بتائی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو اطلاع کرائی، تاکہ وہ آکر نکاح کر دیں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اس سے پہلے دو مرتبہ شادی ہو چکی تھی۔ ان کا پہلا نکاح عتیق ابن عائد سے ہوا تھا۔ اس سے ایک بیٹی ہندہ پیدا ہوئی تھی۔ عتیق کے فوت ہو جانے کے بعد سیدہ کا دوسرا نکاح ابو ہالہ نامی شخص سے ہوا۔ ابو ہالہ کی وفات کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت سیدہ کی عمر 40 سال کے لگ بھگ تھی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد وہاں پہنچ گئے، ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ

رسم تھی۔ آپ چچاؤں کو ساتھ لے کر گئے تھے۔ نکاح کس نے پڑھایا اس بارے میں روایت مختلف ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ نکاح آپ کے چچا ابوطالب نے پڑھایا تھا۔ مہر کی رقم کے بارے میں بھی روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ مہر کی رقم بارہ اوقیہ کے قریب تھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے مہر میں بیس جوان اونٹنیاں دیں۔

نکاح کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمے کی دعوت کھلائی اور اس دعوت میں آپ نے ایک یا دو اونٹ ذبح کیے۔

☆☆☆

تین تحریریں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 35 سال ہوئی تو مکہ میں زبردست سیلاب آیا۔ قریش نے سیلاب سے محفوظ رہنے کے لیے ایک بند بنا رکھا تھا مگر یہ سیلاب اس قدر زبردست تھا کہ بند توڑ کر کعبے میں داخل ہو گیا۔ پانی کے زبردست ریلے اور پانی کے اندر جمع ہونے کی وجہ سے کعبے کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ اس سے پہلے ایک مرتبہ یہ دیواریں آگ لگ جانے کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھیں اور یہ واقعہ اس طرح ہوا تھا کہ ایک مرتبہ کوئی عورت کعبے کو دھونی دے رہی تھی کہ اس آگ میں سے ایک چنگاری اڑ کر کعبے کے پردوں تک پہنچ گئی۔ اس سے پردوں کو آگ لگ گئی اور دیواریں تک جل گئیں۔ اس طرح دیواریں بہت کمزور ہو گئی تھیں، یہی وجہ تھی کہ سیلاب نے ان کمزور دیواروں میں شگاف کر دیے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی جو دیواریں اٹھائی تھیں، وہ نو گز اونچی تھیں۔ ان پر چھت نہیں تھی۔ لوگ کعبے کے لیے نذرانے وغیرہ لاتے تھے۔ یہ نذرانے کپڑے اور خوشبوئیں وغیرہ ہوتی تھیں۔ کعبے کے اندر جو کنواں تھا، یہ سب نذرانے اس کنوئیں میں ڈال دیے جاتے تھے، کنواں اندرونی حصے میں دائیں طرف تھا۔ اس کو کعبے کا خزانہ کہا جاتا تھا۔ کعبے کے خزانے کو ایک مرتبہ ایک چور نے چرانے کی کوشش کی، چور کنوئیں ہی میں مر گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لیے ایک سانپ کو مقرر کر دیا۔ یہ

سانپ کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا رہتا تھا۔ کسی کو خزانے کے نزدیک نہیں آنے دیتا تھا۔ قریش بھی اس سے خوف زدہ رہتے تھے۔ اب جب کہ کعبے کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے اور نئے سرے سے اس کی تعمیر کا مسئلہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک پرندے کو بھیجا، وہ اس سانپ کو اٹھا لے گیا۔ (البدایہ والنھایہ)

یہ دیکھ کر قریش کے لوگ بہت خوش ہوئے۔ اب انہوں نے نئے سرے سے کعبے کی تعمیر کا فیصلہ کر لیا۔ اور پروگرام بنایا کہ بنیادیں مضبوط بنا کر دیواروں کو زیادہ اونچا اٹھایا جائے۔ اس طرح دروازے کو بھی اونچا کر دیا جائے گا تا کہ کعبے میں کوئی داخل نہ ہو۔ صرف وہی شخص داخل ہو جسے وہ اجازت دیں۔

اب انہوں نے پتھر جمع کیے۔ ہر قبیلہ اپنے حصے کے پتھر الگ جمع کر رہا تھا۔ چندہ بھی جمع کیا گیا۔ چندے میں انہوں نے پاک کمائی دی۔ ناپاک کمائی نہیں دی۔ مثلاً طوائفوں کی آمدنی، سودی کمائی، دوسروں کا مال غصب کر کے حاصل کی گئی دولت چندے میں نہیں دی اور پاک کمائی انہوں نے بلاوجہ نہیں دی تھی۔ ایک خاص واقعہ پیش آیا تھا۔ جس سے وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اس کام میں صرف پاک کمائی لگائی جائے گی۔ وہ واقعہ یوں تھا:

ایک قریشی سردار ابو وہب عمرو بن عابد نے جب یہ کام شروع کرنے کے لیے ایک پتھر اٹھایا تو پتھر اس کے ہاتھ سے نکل کر پھر اسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے اسے اٹھایا گیا تھا۔ اس پر قریشی حیران و پریشان ہوئے۔ آخر خود وہب کھڑا ہوا اور بولا:

''اے گروہ قریش! کعبے کی بنیادوں میں سوائے پاک مال کے کوئی دوسرا مال شامل مت کرنا۔ بیت اللہ کی تعمیر میں کسی بدکار عورت کی کمائی، سودی کمائی یا زبردستی حاصل کی گئی دولت ہرگز شامل نہ کرنا۔''

یہ وہب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کا ماموں تھا اور اپنی قوم میں ایک شریف آدمی تھا۔

جب قریش کے لوگ خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے پتھر ڈھو رہے تھے تو ان کے ساتھ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم بھی پتھر ڈھونے میں شریک تھے۔ آپ پتھر اپنی گردن پر رکھ کر لا رہے تھے۔

تعمیر شروع کرنے سے پہلے قریش کے لوگوں نے خوف محسوس کیا کہ دیواریں گرانے سے کہیں ان پر کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے۔ آخر ایک سردار ولید بن مغیرہ نے کہا:

"کعبے کی دیواریں گرانے سے تمہارا ارادہ اصلاح اور مرمت کا ہے یا اس کو خراب کرنے کا؟"

جواب میں لوگوں نے کہا:

"ظاہر ہے، ہم تو اس کی مرمت اور اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔"

یہ سن کر ولید نے کہا:

"تب پھر سمجھ لو! اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والوں کو برباد نہیں کرتا۔"

پھر ولید ہی نے گرانے کے کام کی ابتدا کی لیکن اس نے بھی صرف ایک حصہ گرایا تا کہ معلوم ہو جائے، ان پر کوئی تباہی تو نہیں آتی۔ جب وہ رات خیریت سے گزر گئی تب دوسرے دن سب لوگ اس کے ساتھ شریک ہو گئے اور پوری عمارت گرا دی۔ یہاں تک کہ اس کی بنیاد تک پہنچ گئے۔ یہ بنیاد ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ کی رکھی ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنیادوں میں سبز رنگ کے پتھر رکھے تھے۔ یہ پتھر اونٹ کی کوہان کی طرح کے تھے اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے، ان لوگوں کے لیے ان کو توڑنا بہت مشکل کام ثابت ہوا۔

دائیں کونے کے نیچے سے قریش کو ایک تحریر ملی، وہ تحریر سریانی زبان میں لکھی ہوئی تھی۔ انہیں سریانی زبان نہیں آتی تھی۔ آخر ایک یہودی کو تلاش کر کے لایا گیا۔ اس نے وہ تحریر پڑھ کر انہیں سنائی۔ تحریر یہ تھی:

"میں اللہ ہوں، مکہ کا مالک جس کو میں نے اس دن پیدا کیا جس دن میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، جس دن میں نے سورج اور چاند بنائے۔ میں نے اس کو یعنی مکہ کو سات فرشتوں کے ذریعے گھیر دیا ہے۔ اس کی عظمت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی

جب تک کہ اس کے دونوں طرف پہاڑ موجود ہیں۔ ان پہاڑوں سے مراد ایک تو ابوقبیس پہاڑ ہے جو کہ صفا پہاڑی کے سامنے ہے اور دوسرا قعیقعان پہاڑ ہے جو مکے کے قریب ہے اور جس کا رخ ابوقبیس پہاڑی کی طرف ہے۔ اور یہ شہر اپنے باشندوں کے لیے پانی اور دودھ کے لحاظ سے بہت بابرکت اور نفع والا ہے۔"

یہ پہلی تحریر تھی۔ دوسری مقام ابراہیم سے ملی۔ اس میں لکھا تھا:

"مکہ اللہ تعالیٰ کا محترم اور معظم شہر ہے۔ اس کا رزق تین راستوں سے اس میں آتا ہے۔"

یہاں تین راستوں سے مراد قریش کے تین تجارتی راستے ہیں۔ ان راستوں سے قافلے آتے جاتے تھے۔

تیسری تحریر اس سے کچھ فاصلے سے ملی۔ اس میں لکھا تھا:

"جو بھلائی بوئے گا، لوگ اس پر رشک کریں گے یعنی اس جیسا بننے کی کوشش کریں گے اور جو شخص رسوائی بوئے گا، وہ رسوائی اور ندامت پائے گا۔ تم برائیاں کر کے بھلائی کی آس لگاتے ہو، ہاں! یہ ایسا ہی ہے جیسے کیکر یعنی کانٹے دار درخت میں کوئی انگور تلاش کرے۔"

یہ تحریر کعبے کے اندر پتھر پر کھدی ہوئی ملی۔ کعبے کی تعمیر کے سلسلے میں قریش کو پتھروں کے علاوہ لکڑی کی بھی ضرورت تھی۔ چھت اور دیواروں میں لکڑی کی ضرورت تھی۔ لکڑی کا مسئلہ اس طرح حل ہوا کہ ایک جہاز عرب کے ساحل سے آ کر ٹکرا گیا، آج اس مقام کو جدہ کا ساحل کہا جاتا ہے، پہلے یہ مکے کا ساحل کہلاتا تھا اس لیے کہ مکے کا قریب ترین ساحل یہی تھا۔ ساحل سے ٹکرا کر جہاز ٹوٹ گیا۔ وہ جہاز کسی رومی تاجر کا تھا۔ اس جہاز میں شاہ روم کے لیے سنگ مرمر، لکڑی اور لوہے کا سامان لے جایا جا رہا تھا۔ قریش کو اس جہاز کے بارے میں پتا چلا تو یہ لوگ وہاں پہنچے اور ان لوگوں سے لکڑی خرید لی۔ اس طرح چھت کی تعمیر میں اس لکڑی کو استعمال کیا گیا۔ آخر خانہ کعبہ کی تعمیر کا کام حجر اسود تک پہنچ گیا۔ اب یہاں ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ حجر اسود کون اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھے گا۔

ہر قبیلہ یہ فضیلت خود حاصل کرنا چاہتا تھا۔

یہ جھگڑا اس حد تک بڑھا کہ مرنے مارنے تک نوبت آ گئی۔ لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنے پر تل گئے۔

قبیلہ عبدالدار نے تو قبیلہ عدی کے ساتھ مل کر ایک برتن میں خون بھر لیا اور اس میں اپنے ہاتھ ڈبو کر کہا:

"حجر اسود ہم رکھیں گے۔"

اسی طرح دوسرے قبیلے بھی اڑ گئے۔ تلواریں نیاموں سے نکل آئیں۔

☆☆☆

"یہ تو امین ہیں، یہ تو محمد ہیں، ہم ان پر راضی ہیں۔"

اور ان کے ایسا کہنے کی وجہ یہ تھی کہ قریش اپنے آپس کے جھگڑوں کے فیصلے آپ ہی سے کرایا کرتے تھے۔ آپ کسی کی بے جا حمایت نہیں کرتے تھے، نہ بلا وجہ کسی کی مخالفت کرتے تھے۔

پھر ان لوگوں نے اپنے جھگڑے کی تفصیل آپ کو سنائی۔ ساری تفصیل سن کر آپ نے فرمایا:

"ایک چادر لے آؤ۔"

وہ لوگ چادر لے آئے۔ آپ نے اس چادر کو بچھایا اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس چادر پر رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

"ہر قبیلے کے لوگ اس چادر کا ایک ایک کنارہ پکڑ لیں، پھر سب مل کر اس کو اٹھائیں۔"

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ چادر کو اٹھائے ہوئے وہ اس مقام تک آ گئے جہاں حجر اسود کو رکھنا تھا۔ اس کے بعد نبی اکرم نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھنا چاہا، لیکن عین اس وقت ایک نجدی شخص آگے بڑھا اور تیز آواز میں بولا:

"بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ لوگوں نے ایک کم عمر نوجوان کو اپنا راہنما بنا لیا ہے، اس کی عزت افزائی میں لگ گئے ہو، یاد رکھو، یہ شخص سب کو گروہوں میں تقسیم کر دے گا، تم لوگوں کو پارہ پارہ کر دے گا۔"

قریب تھا کہ لوگوں میں اس کی باتوں سے ایک بار پھر جھگڑا ہو جائے، لیکن پھر خود ہی انہوں نے محسوس کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ لڑانے والا نہیں، لڑائی ختم کرنے والا ہے، چنانچہ حجر اسود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

مورخوں نے لکھا ہے، یہ نجدی شخص دراصل ابلیس تھا جو اس موقع پر انسانی شکل میں آیا تھا۔

☆

جب کعبے کی تعمیر مکمل ہوئی تو قریش نے اپنے بتوں کو باہر سے اس میں لا رکھا۔ یہ کعبے کی چوتھی تعمیر جو قریش نے کی، چوتھی تعمیر تھی۔ سب سے پہلے کعبے کو فرشتوں نے بنایا تھا۔ حضرت مجاہد نے فرمایا ہے کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی کے اوپر تھا، جب عرش کو پانی پر ہونے کی وجہ سے حرکت ہوئی تو اس پر یہ کلمہ لکھا گیا:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں

اس کلمے کے لکھے جانے کے بعد عرش ساکن ہو گیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نے پانی پر ہوا کو بھیجا۔ اس سے پانی میں موجیں اٹھنے لگیں، اور بخارات اٹھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بخارات یعنی بھاپ سے آسمان کو پیدا فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کعبے کی جگہ سے پانی کو ہٹا دیا، وہ جگہ خشک ہو گئی، چنانچہ بیت اللہ کی جگہ ساری زمین کی اصل ہے اور اس کا مرکز ہے۔ یہیں خشکی بڑھتے بڑھتے سات براعظم بن گئی۔ جب زمین ظاہر ہو گئی تو اس پر پہاڑ قائم کیے گئے۔ زمین پر سب سے پہلا پہاڑ ابو قبیس ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا:

”زمین پر میرے نام کا ایک گھر بناؤ تاکہ آدم کی اولاد اس گھر کے ذریعے میری پناہ مانگے۔ انسان اس گھر کا طواف کریں، جس طرح تم نے میرے عرش کے گرد طواف کیا ہے تاکہ میں ان سے راضی ہو جاؤں۔“

فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ اس طرح قریش کے ہاتھوں یہ تعمیر چوتھی بار ہوئی تھی۔

☆☆☆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 40 سال کے قریب ہوئی تو وحی کے آثار شروع ہو گئے، اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ کو سچے خواب دکھائی دینے لگے۔ آپ جو خواب دیکھتے، وہ حقیقت بن کر سامنے آ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے سچے خوابوں کا سلسلہ اس لیے شروع کیا کہ اچانک فرشتے کی آمد سے کہیں آپ خوف زدہ نہ ہو جائیں۔ ان دنوں ایک بار آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"جب میں تنہائی میں جا کر بیٹھتا ہوں تو مجھے آواز سنائی دیتی ہے... کوئی کہتا ہے، اے محمد... اے محمد۔"

ایک بار آپ نے فرمایا:

"مجھے ایک نور نظر آتا ہے، یہ نور جاگنے کی حالت میں نظر آتا ہے۔ مجھے ڈر ہے، اس کے نتیجے میں کوئی بات نہ پیش آ جائے۔"

ایک بار آپ نے یہ بھی فرمایا:

"اللہ کی قسم! مجھے جتنی نفرت ان بتوں سے ہے، اتنی کسی اور چیز سے نہیں۔"

وحی کے لیے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے اسرافیل کو آپ کا ہم دم بنا دیا تھا۔ آپ ان کی موجودگی کو محسوس تو کرتے تھے، مگر انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اس طرح آپ کو نبوت کی خوش خبریاں دی جاتی رہیں۔ آپ کو وحی کے لیے تیار کیا جاتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں تنہائی کا شوق پیدا فرما دیا تھا، چنانچہ آپ کو تنہائی عزیز ہو گئی۔ آپ غارِ حرا میں چلے جاتے اور وہاں وقت گزارتے۔ اس پہاڑ سے آپ کو ایک بار آواز بھی سنائی دی تھی:

"میری طرف تشریف لائیے۔ اے اللہ کے رسول۔"

اس غار میں آپ مسلسل کئی کئی راتیں گزارتے۔ اللہ کی عبادت کرتے۔ کبھی آپ تین راتوں تک وہاں ٹھہرے رہتے، کبھی سات راتوں تک۔ کبھی پورا مہینہ وہاں گزار دیتے۔ آپ جو کھانا ساتھ لے جاتے تھے، جب ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لے جاتے، یہ کھانا عام

طور پر زیتون کا تیل اور خشک روٹی ہوتا تھا۔ کبھی کھانے میں گوشت بھی ہوتا تھا۔ غار حرا میں قیام کے دوران کچھ لوگ وہاں سے گزرتے اور ان میں کچھ مسکین لوگ ہوتے تو آپ انہیں کھانا کھلاتے۔

غار حرا میں آپ عبادت کس طرح کرتے تھے۔ روایات میں اس کی وضاحت نہیں ملتی۔ علمائے کرام نے اپنا اپنا خیال ضرور ظاہر کیا ہے۔ ان میں سے ایک خیال یہ ہے کہ آپ کائنات کی حقیقت پر غور و فکر کرتے تھے اور یہ غور و فکر لوگوں سے الگ رہ کر ہی ہو سکتا تھا۔

پھر آخر کار وہ رات آگئی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور رسالت عطا فرما دی۔ آپ کی نبوت کے ذریعے اپنے بندوں پر عظیم احسان فرمایا۔ وہ ربیع الاول کا مہینہ تھا اور تاریخ سترہ تھی۔ کچھ علماء نے یہ لکھا ہے کہ وہ رمضان کا مہینہ تھا، کیونکہ قرآن رمضان میں نازل ہونا شروع ہوا تھا۔ آٹھویں اور تیسری تاریخ بھی روایات میں آئی ہے اور یہ پہلا موقع تھا جب جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سے پہلے وہ آپ کے پاس نہیں آتے تھے۔ جس تاریخ جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے، وہ پیر کی تاریخ تھی اور یہی تاریخ تھی جب آپ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"پیر کے دن کا روزہ رکھو، کیونکہ میں پیر کے دن پیدا ہوا، پیر کے دن ہی مجھے نبوت ملی۔"

بہر حال اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ اس وقت آپ کی عمر مبارک کا چالیسواں سال تھا۔ آپ اس وقت غار میں تھے کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لے آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک ریشمی کپڑا تھا اور اس کپڑے میں ایک کتاب تھی۔

☆☆☆☆☆

پہلی وحی

انہوں نے آتے ہی کہا:

"اقرا۔" یعنی پڑھیے۔

آپ نے فرمایا:

"میں نہیں پڑھ سکتا۔" (یعنی میں پڑھا لکھا نہیں)۔

اس پر جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو سینے سے لگا کر بھینچا۔ آپ فرماتے ہیں، انہوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے موت کا گمان ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے چھوڑ دیا، پھر کہا:

"پڑھیے۔" یعنی جو میں کہوں، وہ پڑھیے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"میں کیا پڑھوں؟"

تب جبرائیل علیہ السلام نے سورۃ العلق کی یہ آیات پڑھیں:

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ (پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجیے (یعنی جب پڑھیں، بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجیے) جس نے مخلوقات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، آپ قرآن پڑھا کیجیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے، عطا کرتا ہے اور ایسا ہے) جس نے لکھے

چیزوں کی قلم سے تعلیم دی۔ (اور عام طور پر) انسانوں کو (دوسرے ذریعوں سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔

آپ فرماتے ہیں:

"میں نے ان آیتوں کو اسی طرح پڑھ دیا جس کے بعد وہ فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا، ایسا لگتا تھا گویا میرے دل میں ایک تحریر لکھ دی گئی ہو، یعنی یہ کلمات مجھے زبانی یاد ہوگئے۔ اس کے بعد آپ گھر تشریف لائے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب غار میں آئے تو پہلے انہوں نے یہ الفاظ کہے تھے:

"اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں۔"

آپ کی گھر تشریف آوری سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حسب معمول آپ کے لیے کھانا تیار کرکے ایک شخص کے ہاتھ آپ کے پاس بھجوادیا تھا مگر اس شخص کو آپ غار میں نظر نہ آئے۔ اس شخص نے واپس آکر یہ بات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتائی۔ انہوں نے آپ کی تلاش میں آپ کے عزیز و اقارب کے گھر آدمی بھیجے۔ مگر آپ وہاں بھی نہ ملے۔ اس لیے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پریشان ہوگئیں۔ وہ ابھی اسی پریشانی میں تھیں کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا، اس کی تفصیل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمائی۔ حضرت جبرائیل کا یہ جملہ بھی بتایا کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں۔

یہ سن کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"آپ کو خوش خبری ہو... آپ یقین کیجئے! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔"

پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ غار والا سارا واقعہ انہیں سنایا۔ ورقہ بن نوفل پرانی کتابوں کے عالم تھے۔ ساری بات سن کر وہ پکار اٹھے:

''قدوس... قدوس... قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، خدیجہ! اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو ان میں شک نہیں۔ ان کے پاس وہی ناموسِ اکبر آئے ہیں جو پہلے آئے تھے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے، محمد اس امت کے نبی ہیں۔ یہ اس بات پر یقین کر لیں۔''

قدوس کا مطلب ہے وہ ذات جو ہر عیب سے پاک ہو۔ یہ لفظ تعجب کے وقت بولا جاتا ہے جیسے ہم کہہ دیتے ہیں، اللہ... اللہ۔

ورقہ بن نوفل کو یہ خیال یہ نام سن کر ہی تھا اس سے ہوئی تھی کہ عرب کے دوسرے شہروں میں لوگوں نے یہ نام سنا بھی نہیں تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ورقہ بن نوفل نے آپ کے سر کو بوسہ دیا تھا اور پھر کہا تھا:

''کاش! میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں گے۔ میں آپ کی مدد کرتا اس عظیم کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں، جب آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی، آپ کو تکالیف پہنچائے گی۔ آپ کے ساتھ جنگیں لڑی جائیں گی اور آپ کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو آپ کا ساتھ دوں گا، اللہ کے دین کی حمایت کروں گا۔''

آپ یہ سن کر حیران ہوئے اور فرمایا:

''میری قوم مجھے وطن سے نکال دے گی؟''

جواب میں ورقہ نے کہا:

''ہاں! اس لیے کہ جو چیز آپ لے کر آئے ہیں، اسے لے کر جو بھی آیا، اس پر ظلم ڈھائے گئے۔ اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں ضرور آپ کی پوری مدد کروں گا۔''

ورقہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی کہا:

''تمہارے خاوند بے شک سچے ہیں، در حقیقت یہ باتیں نبوت کی ابتداء ہیں... یہ اس امت کے نبی ہیں۔''

لیکن اس کے تھوڑی مدت بعد ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا۔ انہیں حجون کے مقام پر دفن کیا گیا۔ چونکہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

"میں نے ورقہ کو جنت میں دیکھا ہے، ان کے جسم پر سرخ لباس تھا۔"

ورقہ سے ملاقات کے بعد آپ گھر تشریف لے آئے۔ اس کے بعد ایک مدت تک جبرئیل علیہ السلام آپ کے سامنے نہیں آئے۔ درمیان میں جو وقفہ آ گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ آپ کے مبارک دل پر جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر جو خوف پیدا ہو گیا تھا، اس کا اثر زائل ہو جائے اور ان کے نہ آنے کی وجہ سے آپ کے دل میں وحی کا شوق پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جبرئیل علیہ السلام کی آمد کے بعد سلسلہ رک جانے پر آپ کو صدمہ ہوا۔ کئی بار آپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے تاکہ خود کو وہاں سے گرا کر ختم کر دیں، لیکن جب بھی آپ ایسا کرنے کی کوشش کرتے، جبرئیل علیہ السلام آپ کو پکارتے:

"اے محمد! آپ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

یہ کلمات سن کر آپ سکون محسوس کرتے، لیکن جب پھر وحی کا وقفہ کچھ اور گزر جاتا تو آپ بے قرار ہو جاتے، رنج محسوس کرتے اور اسی طرح پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے، چنانچہ پھر جبرئیل علیہ السلام آ جاتے اور آپ کو تسلی دیتے۔ آخر دوبارہ وحی نازل ہوئی۔ سورہ مدثر کی پہلی تین آیات اتریں۔

ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو! (یعنی اپنی جگہ سے اٹھو اور تیار ہو جاؤ) پھر کافروں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

اس طرح آپ کو نبوت کے ساتھ تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں:

"سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور اللہ کی طرف سے جو کچھ آنحضرت لے کر آئے، اس کی تصدیق کی۔ مشرکین کی طرف سے آپ کو جب بھی تکلیف پہنچی، صدمہ پہنچا، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو دلاسا دیا۔"

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد دوسرے آدمی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو آپ کے پرانے دوست تھے، انہوں نے آپ کی زبان سے نبوت ملنے کا ذکر سنتے ہی فوراً آپ کی تصدیق کی اور ایمان لے آئے۔ بچوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں جو آپ پر پہلے ایمان لائے اور ان کے ایمان لانے کا واقعہ کچھ اس طرح ہے:

ایک دن آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں اور آپ ان کے ساتھ چھپ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے یہ نئی بات دیکھ کر پوچھا:

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے پسند کیا ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر بھیجے ہیں، میں تمہیں بھی اس اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو تنہا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، میں تمہیں اسی اللہ کی طرف بلاتا ہوں، لات اور عزیٰ کی عبادت سے روکتا ہوں۔''

حضرت علی نے یہ سن کر عرض کیا:

''یہ ایک نئی بات ہے، اس کے بارے میں میں نے آج سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ اس لیے میں اپنے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا، میں اپنے والد سے مشورہ کر لوں۔''

ان کا جواب سن کر آپ نے ارشاد فرمایا:

''علی! اگر تم مسلمان نہیں ہوتے تو بھی اس بات کو چھپائے رکھنا۔''

انہوں نے وعدہ کیا اور اس کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ رات بھر سوچتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا فرمائی۔ سویرے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

علماء نے لکھا ہے، اس وقت حضرت علی کی عمر 8 سال کے قریب تھی۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے کبھی بتوں کی عبادت نہیں کی تھی۔ وہ بچپن ہی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔

گمشدہ بیٹا

لیکن اچھی بات یہ ہوئی جب حضرت علی کے والد کو ان کے قبول اسلام کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت علی سے اس کے متعلق استفسار کیا۔

اپنے والد کا سوال سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ابا جان! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں، اس کی تصدیق کر چکا ہوں، لہٰذا ان کے دین میں داخل ہو گیا ہوں اور ان کی پیروی اختیار کر چکا ہوں۔"

یہ سن کر ابو طالب نے کہا:

"جہاں تک ان کی بات ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی) تو وہ تمہیں بھلائی کے سوا کسی دوسرے راستے پر نہیں لگائیں گے لہٰذا ان کا ساتھ نہ چھوڑنا۔"

ابو طالب اکثر یہ کہا کرتے تھے:

"میں جانتا ہوں، میرا بھتیجا جو کچھ کہتا ہے، حق ہے، اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں مجھے شرم دلائیں گی تو میں ضرور ان کی پیروی قبول کر لیتا۔"

عفیف کندی رضی اللہ عنہ ایک تاجر تھے۔ ان کا بیان ہے:

"اسلام قبول کرنے سے بہت پہلے میں ایک مرتبہ حج کے لیے آیا، تجارت کا کچھ مال

خریدنے کے لیے میں عباس بن عبدالمطلب کے پاس آیا۔ وہ میرے دوست تھے اور یمن سے عطر خرید کر لاتے تھے۔ پھر حج کے موسم میں مکہ میں فروخت کرتے تھے۔ میں ان کے ساتھ منیٰ میں بیٹھا تھا کہ ایک نوجوان آیا۔ اس نے غروب ہوتے سورج کی طرف غور سے دیکھا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ سورج غروب ہو چکا ہے تو اس نے بہت اہتمام سے وضو کیا۔ پھر نماز پڑھنے لگا، یعنی کعبے کی طرف منہ کر کے... پھر ایک لڑکا آیا، جو بالغ ہونے کے قریب تھا۔ اس نے بھی وضو کیا اور اس نوجوان کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ پھر ایک عورت خیمے سے نکلی اور ان دونوں کے پیچھے نماز کی نیت باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے بعد اس نوجوان نے رکوع کیا تو اس لڑکے اور عورت نے بھی رکوع کیا۔ نوجوان سجدے میں گیا تو وہ دونوں بھی سجدے میں چلے گئے۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے عباس بن عبدالمطلب سے پوچھا:

"عباس! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

انہوں نے بتایا:

"یہ میرے بھائی عبداللہ کے بیٹے کا دین ہے۔ محمد کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ لڑکا میرا بھتیجا علی ابن ابی طالب ہے اور یہ عورت محمد کی بیوی خدیجہ ہے۔"

یہ عفیف کندی رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہوئے تو کہا کرتے تھے:

"کاش! اس وقت ان میں چوتھا آدمی میں ہوتا۔"

اس واقعے کے وقت غالباً حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما وہاں موجود نہیں تھے، اگرچہ اس وقت تک یہ دونوں بھی مسلمان ہو چکے تھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ پہلے یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ شادی کے بعد انہوں نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

غلامی میں دے دیا تھا۔

یہ غلام کس طرح بنے، یہ کہانی یوں ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں ان کی والدہ انہیں لے کر اپنے ماں باپ کے ہاں جا رہی تھیں کہ قافلے کو لوٹ لیا گیا۔ ڈاکو ان کے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھی لے گئے۔ پھر انہیں عکاظ کے میلے میں بیچنے کے لیے لایا گیا۔ ادھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو میلے میں بھیجا۔ وہ ایک غلام خریدنا چاہتی تھیں۔ آپ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ میلے میں آئے تو وہاں انہوں نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بکتے دیکھا۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو یہ اچھے لگے، چنانچہ انہوں نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے انہیں خرید لیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ پسند آئے اور انہوں نے انہیں اپنی غلامی میں لے لیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ اس طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بنے۔ پھر جب آپ نے اسلام کی دعوت دی تو فوراً آپ پر ایمان لے آئے۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا تھا مگر یہ عمر بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ ان کے والد ایک مدت سے ان کی تلاش میں تھے۔ کسی نے انہیں بتایا کہ زید مکے میں دیکھے گئے ہیں۔

ان کے والد اور چچا انہیں لینے فوراً مکہ معظمہ کی طرف چل پڑے۔ مکے پہنچ کر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو بتایا کہ زید ان کے بیٹے ہیں۔ ساری بات سن کر آپ نے ارشاد فرمایا:

"تم زید سے پوچھ لو، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں اور یہاں میرے پاس رہنا چاہیں تو ان کی مرضی۔"

زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا پسند کیا۔

اس پر باپ نے کہا:

"تیرا برا ہو زید... تو آزادی کے مقابلے میں غلامی کو پسند کر رہا ہے۔"

جواب میں حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا

"ہاں! ان سے تعلق ہے جس میں کسی اور کو ہرگز نہیں چن سکتا۔"

آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو آپ فوراً حجر اسود کے پاس لے گئے اور اعلان فرمایا:

"آج سے زید میرا بیٹا ہے۔"

ان کے والد اور چچا مایوس ہو گئے۔ تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ جب چاہیں زید سے ملنے کے لیے آ سکتے ہیں، چنانچہ وہ ملنے کے لیے آتے رہے۔

تو یہ تھے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضرت زید وہ واحد صحابی ہیں جن کا قرآن کریم میں نام لے کر ذکر کیا گیا ہے۔

☆☆☆

"تم وہی ہو"

مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے ہی دوست تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کے گھر آتے اور ان سے باتیں کیا کرتے تھے۔

آپ ایک دن حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کی ایک باندی وہاں آئی اور کہنے لگی:

"آج آپ کی پھوپھی خدیجہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کے شوہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام تھے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جونہی حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کی باندی کی یہ بات سنی، چپکے سے وہاں سے اٹھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے اور آپ سے اس بارے میں پوچھا۔ اس پر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وحی آنے کا پورا واقعہ سنایا اور بتایا کہ آپ کو تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ بالکل سچ کہتے ہیں، آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔"

آپ کے اس طرح فوراً تصدیق کرنے کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو

صدیق کا لقب عطا فرمایا۔ اس بارے میں دوسری روایت یہ ہے کہ صدیق کا لقب آپ نے انہیں اس وقت دیا تھا جب آپ معراج کے سفر سے واپس تشریف لائے تھے اور مکہ کے مشرکین نے آپ کو جھٹلایا تھا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واقعہ سنتے ہی فوری طور پر آپ کی تصدیق کی تھی اور آپ نے انہیں صدیق کا لقب عطا فرمایا تھا۔

غرض ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی نبوت کی تصدیق فوری طور پر کر دی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا، اس لیے کہ اس سے پہلے ان کا نام عبدالکعبہ تھا۔ اس لحاظ سے ابوبکر صدیق وہ پہلے آدمی ہیں جن کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یوں بھی بہت خوب صورت تھے، اس مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لقب عتیق رکھا تھا۔ عتیق کا مطلب ہے، خوب صورت۔ اس کا ایک مطلب آزاد بھی ہے۔ یہ لقب دینے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا:

"یہ جہنم کی آگ سے آزاد ہیں۔"

غرض اسلام میں یہ پہلا لقب ہے جو کسی کو ملا۔ قریش میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپ بہت خوش اخلاق تھے۔ قریش کے سرداروں میں سے ایک تھے۔ شریف، سخی اور دولت مند تھے۔ روپیہ پیسہ بہت فراخ دلی سے خرچ کرتے تھے۔ ان کی قوم کے لوگ انہیں بہت چاہتے تھے۔ لوگ ان کی مجلس میں بیٹھنا بہت پسند کرتے تھے۔ اپنے زمانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خواب کی تعبیر بتانے میں بہت ماہر اور مشہور تھے۔ چنانچہ علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس امت میں سب سے بہترین تعبیر بتانے والے عالم ہیں۔"

علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ خود خواب کی تعبیر بتانے میں بہت ماہر تھے اور اس سلسلے میں ان کی کتاب بھی موجود ہے۔ اس کتاب میں خوابوں کی حیرت انگیز تعبیریں درج ہیں۔ ان

کی بتائی ہوئی تعبیریں بالکل درست ثابت ہوتی رہیں۔ مطلب یہ کہ اس میدان کے ماہر اس بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر تعبیر بتانے والے فرماتے ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نسب نامہ بیان کرنے میں بھی بہت ماہر تھے بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس علم کے سب سے بڑے عالم تھے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بھی اس علم کے ماہر تھے، وہ فرماتے ہیں:

''میں نے نسب ناموں کا فن اور علم اور خاص طور پر قریش کے نسب ناموں کا علم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہی حاصل کیا ہے، اس لیے کہ وہ قریش کے نسب ناموں کے سب سے بڑے عالم تھے۔

قریش کے لوگوں کو کوئی مشکل پیش آتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رابطہ کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی، اس نے کچھ نہ کچھ سوچ بچار اور کسی قدر وقفے کے بعد اسلام قبول کیا، سوائے ابوبکر کے، وہ بغیر ہچکچاہٹ کے فوراً مسلمان ہو گئے، ابوبکر سب سے بہتر رائے دینے والے ہیں۔ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے، اپنے معاملات میں ابوبکر سے مشورہ کیا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وزیر کے درجے میں تھے۔ آپ ہر معاملے میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے میری مدد کے لیے چار وزیر مقرر فرمائے ہیں، ان میں سے دو آسمان والوں میں سے ہیں یعنی جبرائیل اور میکائیل (علیہما السلام) اور دو زمین والوں میں سے ہیں، ایک ابوبکر اور دوسرے عمر (رضی اللہ عنہما)۔''

اسلام لانے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا تھا، خواب میں آپ نے دیکھا کہ چاند مکہ میں اتر آیا ہے اور اس کا ایک ایک حصہ مکہ کے ہر گھر میں داخل ہوگیا۔ پھر وہ سارے کا سارا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں آ گیا۔ آپ نے یہ خواب ایک عیسائی عالم کو سنایا۔ اس نے اس خواب کی تعبیر یہ بیان کی کہ تم اپنے پیغمبر کی پیروی کرو گے جس کا دنیا انتظار کر رہی ہے اور جس کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے اور یہ کہ تم اس کے پیروکاروں میں سب سے زیادہ خوش قسمت انسان ہو گے۔

ایک روایت کے مطابق عیسائی عالم نے کہا تھا:

''اگر تم اپنا خواب بیان کرنے میں سچے ہو تو بہت جلد تمہاری قوم میں سے ایک نبی ظاہر ہوں گے، تم اس نبی کی زندگی میں اس کے وزیر ہو گے اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہو گے۔''

کچھ عرصہ بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یمن جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ یمن میں یہ ایک بوڑھے عالم کے گھر ٹھہرے۔ اس نے آسمانی کتابیں پڑھ رکھی تھیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اس نے کہا:

''میرا خیال ہے، تم حرم کے رہنے والے ہو اور میرا خیال ہے، تم قریشی ہو اور تیمی خاندان سے ہو۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''ہاں! تم نے بالکل ٹھیک کہا۔''

اب اس نے کہا:

''میں تم سے ایک بات اور کہتا ہوں.... تم ذرا اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا کر دکھاؤ۔''

حضرت ابوبکر صدیق اس کی بات سن کر حیران ہوئے اور بولے:

''ایسا میں اس وقت تک نہیں کروں گا، جب تک کہ تم اس کی وجہ نہیں بتا دو گے۔''

اس پر اس نے کہا:

دین نہیں چھوڑوں گا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”جب میں یمن میں اپنی خریداری اور تجارتی کام کر چکا تو رخصت ہونے کے وقت اس کے پاس آیا۔ اس وقت اس نے مجھ سے کہا:

”میری طرف سے چند شعر سن لو، جو میں نے اس نبی کی شان میں کہے ہیں۔“

اس پر میں نے کہا:

”اچھی بات ہے، سناؤ۔“

تب اس نے مجھے وہ شعر سنائے۔ اس کے بعد جب میں مکہ معظمہ پہنچا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت کا اعلان کر چکے تھے۔ فوراً ہی میرے پاس قریش کے بڑے بڑے سردار آئے۔ ان میں [illegible] عقبہ بن ابی معیط، شیبہ، ربیعہ، ابوجہل اور ابوالبختری تھے۔ ان لوگوں نے مجھ سے کہا:

”اے ابوبکر! ابوطالب کے یتیم نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی ہیں۔ اگر آپ کا انتظار نہ ہوتا تو ہم اس وقت تک صبر نہ کرتے۔ اب جب کہ آپ آ گئے ہیں، ان سے نمٹنا آپ ہی کا کام ہے۔“

اور یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی دوست تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اچھے انداز سے ان لوگوں کو ٹال دیا اور خود آپ کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔ آپ باہر تشریف لائے۔ مجھے دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا:

" اے ابوبکر! میں تمہاری اور تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ۔"

آپ کی بات سن کر میں نے کہا:

" آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے۔"

آپ نے میری بات سن کر ارشاد فرمایا

" اس بوڑھے نے وہ شعر یمن میں آپ کو سنائے تھے۔"

یہ سن کر میں حیران رہ گیا اور بولا:

" میرے دوست! آپ کو ان کے بارے میں کس نے بتایا؟"

آپ نے ارشاد فرمایا:

" اس عظیم فرشتے نے جو مجھ سے پہلے بھی تمام نبیوں کے پاس آتا رہا ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

" اپنا ہاتھ لائیے! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

آپ میرے ایمان لانے پر بہت خوش ہوئے، مجھے سینے سے لگایا۔ پھر کلمہ پڑھ کر میں آپ کے پاس سے واپس آ گیا۔

مسلمان ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے جو سب سے پہلا کام کیا، وہ تھا اسلام کی تبلیغ۔ انہوں نے اپنے جاننے والوں کو اسلام کا پیغام دیا۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا۔ چنانچہ ان کی تبلیغ کے نتیجے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی خبر ان کے چچا حکم کو ملی تو اس نے

انہیں پکڑ لیا اور کہا:

''تو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمد کا دین قبول کرتا ہے، اللہ کی قسم! میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تو اس دین کو نہیں چھوڑے گا۔''

اس کی بات سن کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔''

ان کے چچا نے جب ان کی پختگی اور ثابت قدمی دیکھی تو انہیں دھوئیں میں کھڑا کر کے تکالیف پہنچائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں ہر نبی کا ایک رفیق یعنی ساتھی ہوتا ہے اور میرے ساتھی وہاں عثمان ابن عفان ہوں گے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تبلیغ جاری رکھی۔ آپ کی کوششوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوشش سے مسلمان ہوئے۔ جاہلیت کے زمانے میں ان کا نام عبدالکعبہ تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ یہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''امیہ ابن خلف میرا دوست تھا، ایک روز اس نے مجھ سے کہا تم نے اس نام کو چھوڑ دیا جو تمہارے باپ نے رکھا تھا۔''

جواب میں میں نے کہا:

''ہاں! چھوڑ دیا۔''

یہ سن کر وہ بولا:

''میں رحمٰن کو نہیں جانتا، اس لیے میں تمہارا نام عبدالالٰہ رکھتا ہوں۔''

چنانچہ مشرک اس روز سے مجھے عبدالالٰہ کہہ کر پکارنے لگے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''میں اکثر یمن جایا کرتا تھا۔ جب بھی وہاں جاتا، عسکلان ابن عواکف حمیری کے مکان پر ٹھہرا کرتا تھا اور جب بھی میں اس کے ہاں جاتا، وہ مجھ سے پوچھا کرتا تھا، کیا وہ شخص تم لوگوں میں ظاہر ہو گیا ہے جس کی شہرت اور چرچے ہیں، کیا تمہارے دین کے معاملے میں کسی نے مخالفت کا اعلان کیا ہے۔ میں ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ نہیں، ایسا کوئی شخص ظاہر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ وہ سال آ گیا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ میں اس سال یمن گیا تو اسی کے ہاں ٹھہرا۔ اس نے یہی سوال پوچھا تب میں نے اسے بتایا:

''ہاں! ان کا ظہور ہو گیا ہے۔ ان کی مخالفت بھی ہو رہی ہے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم زمین والوں میں بھی امانت دار ہو اور آسمان والوں میں بھی۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے کوئی ہچکچاہٹ ظاہر نہ کی، فوراً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے، آپ سے آپ کے پیغام کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے انہیں بتایا تو یہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر 19 سال تھی۔ یہ بنی زہرہ کے خاندان سے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ بھی اسی خاندان سے تھیں۔ اسی لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کہلاتے تھے۔ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بار فرمایا:

''یہ میرے ماموں ہیں، ہے کوئی جس کے ایسے ماموں ہوں۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے اور ان کی والدہ کو ان کے

مسلمان ہونے کا پتا چلا تو یہ بات انھیں بہت ناگوار گزری۔ ادھر یہ اپنی والدہ کے بہت فرماں بردار تھے۔ والدہ نے ان سے کہا:

''کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے بڑوں کی خاطرداری اور ماں باپ کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''ہاں! بالکل ایسا ہی ہے۔''

یہ جواب سن کر والدہ نے کہا:

''بس تو خدا کی قسم میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گی جب تک تم محمد کے لائے ہوئے پیغام کو کفر نہیں کہو گے اور اساف اور نائلہ بتوں کو جا کر چھوؤ گے نہیں۔''

اس وقت کے مشرکوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ان بتوں کے کھلے منہ میں کھانا اور شراب ڈالا کرتے تھے۔

اب والدہ نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے کہا:

''خدا کی قسم ماں! تمھیں نہیں معلوم، اگر تمہارے پاس ایک ہزار زندگیاں ہوتیں اور وہ سب ایک ایک کر کے اس وجہ سے ختم ہوتیں، تب بھی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو ہرگز نہ چھوڑتا۔ اس لیے اب یہ تمہاری مرضی ہے، کھاؤ یا نہ کھاؤ۔''

جب ماں نے ان کی یہ مضبوطی دیکھی تو کھانا شروع کر دیا، تاہم اس نے اب ایک اور کام کیا، دروازے پر آ گئی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی:

''کیا مجھے ایسے مددگار نہیں مل سکتے جو سعد کے معاملے میں میری مدد کریں تاکہ میں اسے گھر میں قید کر دوں اور قید کی حالت میں یہ مر جائے یا اپنے نئے دین کو چھوڑ دے۔''

حضرت سعد فرماتے ہیں، میں نے یہ الفاظ سنے تو ماں سے کہا:

''میں تمہارے گھر کا رخ بھی نہیں کروں گا۔''

اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کچھ دن تک گھر نہ گئے۔ والدہ تنگ آ گئی اور اس

نے پیغام بھیجا:

"تم گھر آ جاؤ دوسروں کے بہکاوے میں آ کر شرمندہ نہ کرو۔"

چنانچہ یہ گھر چلے آئے۔ اب گھر والوں نے پیار و محبت سے سمجھانا شروع کیا۔ وہ ان کے بھائی عامر کی مثال دے کر کہتی:

"دیکھو عامر کتنا اچھا ہے اس نے اپنے باپ دادا کا دین نہیں چھوڑا۔"

لیکن پھر ان کے بھائی عامر بھی مسلمان ہو گئے۔ اب تو والدہ کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔

☆☆☆

ذکر چند جاں نثاروں کا

ماں نے دونوں بھائیوں کو بہت تکالیف پہنچائیں۔ آخر عامر رضی اللہ عنہ تنگ آ کر حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ عامر رضی اللہ عنہ کے حبشہ ہجرت کر جانے سے پہلے ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ گھر آئے تو دیکھا ماں اور عامر رضی اللہ عنہ کے چاروں طرف بہت سے لوگ جمع ہیں۔ میں نے پوچھا:

''لوگ کیوں جمع ہیں؟''

لوگوں نے بتایا:

''یہ دیکھو! تمہاری ماں نے تمہارے بھائی کو پکڑ رکھا ہے اور اللہ سے عہد کر رہی ہے کہ جب تک عامر بے دینی نہیں چھوڑے گا، اس وقت تک یہ نہ تو کھجور کے سائے میں بیٹھے گی اور نہ کھانا کھائے گی اور نہ پانی پیے گی۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا:

''اللہ کی قسم ماں! تم اس وقت تک کھجور کے سائے میں نہ بیٹھو اور اس وقت تک کچھ نہ کھاؤ پیو، جب تک کہ تم جہنم کا ایندھن نہ بن جاؤ۔''

غرض انہوں نے ماں کی کوئی پروا نہ کی اور دین پر ڈٹے رہے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے حضرت طلحہ بن عبداللہ تیمی رضی اللہ عنہ بھی اسلام لے

آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور یہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کا کھل کر اعلان کر دیا۔ ان کا اعلان سن کر نوفل ابن عدویہ نے انہیں پکڑ لیا۔ اس شخص کو قریش کا شیر کہا جاتا تھا۔ اس نے دونوں کو ایک ہی رسی سے باندھ دیا۔ اس بات پر ان کے قبیلے بنو تیم نے بھی انہیں نہ بچایا۔ اب چونکہ نوفل نے دونوں کو ایک ہی رسی سے باندھا تھا اور دونوں کے جسم آپس میں بالکل ملے ہوئے تھے، اس لیے انہیں قرینین کہا جانے لگا، یعنی ملے ہوئے۔

نوفل بن عدویہ کے ظلم کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے

''اے اللہ! ابن عدویہ کے شر سے ہمیں بچا۔''

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے اسلام قبول کر لینے کا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں:

''میں ایک مرتبہ بصریٰ کے بازار میں گیا۔ میں نے وہاں ایک راہب کو دیکھا، وہ اپنی خانقاہ میں کھڑا تھا اور لوگوں سے کہہ رہا تھا:

''اس مرتبہ حج سے آنے والوں سے پوچھو، کیا ان میں کوئی حرم کا باشندہ بھی ہے؟''

میں نے آگے بڑھ کر کہا:

''میں ہوں حرم کا رہنے والا۔''

میرا جملہ سن کر اس نے کہا:

''کیا احمد کا ظہور ہو گیا ہے؟''

میں نے پوچھا:

''احمد کون؟''

تب اس راہب نے کہا:

''احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ یہ اس کا مہینہ ہے، وہ اس مہینے میں ظاہر ہوگا، وہ آخری نبی ہے۔ اس کے ظاہر ہونے کی جگہ حرم ہے اور اس کی ہجرت کی جگہ وہ علاقہ ہے

جہاں باغات ہیں، سبزہ زار ہیں، اس لیے تم پر ضروری ہے کہ تم اس نبی کی طرف بڑھنے میں پہل کرو۔''

اس راہب کی کہی ہوئی بات میرے دل میں نقش ہوگئی۔ میں تیزی کے ساتھ وہاں سے واپس روانہ ہوا اور مکہ پہنچا۔ یہاں پہنچ کر میں نے لوگوں سے پوچھا:

''کیا کوئی نیا واقعہ بھی پیش آیا ہے؟''

لوگوں نے بتایا:

''ہاں! محمد ابن عبداللہ امین نے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا شروع کی ہے اور ابو بکر نے ان کی پیروی قبول کر لی ہے۔''

میں یہ سنتے ہی گھر سے نکلا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے انہیں راہب کی ساری بات سنا دی۔ ساری بات سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور آپ کو یہ پورا واقعہ سنایا۔ آپ سن کر بہت خوش ہوئے۔ اسی وقت میں بھی مسلمان ہوگیا۔''

یہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ یعنی جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی، ان میں سے ایک ہیں۔

اس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کلمہ پڑھا، ان میں سے پانچ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ وہ یہ ہیں، حضرت زبیر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم۔ بعض نے ان میں چھٹے صحابی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ وہ ہیں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ۔

ان حضرات میں حضرت ابو بکر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کپڑے کے تاجر تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جانور ذبح کرتے تھے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ تیر بنانے کا کام کرتے تھے۔

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایمان لائے، وہ اپنے اسلام لانے کا

واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

''میں ایک دن عقبہ بن ابی معیط کے خاندان کی بکریاں چرا رہا تھا، اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آ گئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے پوچھا:

''کیا تمہارے پاس دودھ ہے؟''

میں نے کہا:

''جی ہاں، لیکن میں تو امین ہوں۔'' (یعنی یہ دودھ تو امانت ہے)۔

آپ نے فرمایا:

''کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے ابھی کوئی بچہ نہ دیا ہو؟''

میں نے کہا:

''جی ہاں، ایک ایسی بکری ہے۔''

میں اس بکری کو آپ کے قریب لے آیا۔ اس کے ابھی تھن بھی پوری طرح نہیں نکلے تھے۔ آپ نے اس کے تھنوں کی جگہ پر ہاتھ پھیرا۔ اسی وقت اس بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔''

یہ واقعہ دوسری روایت میں یوں بیان ہوا ہے کہ اس بکری کے تھن سوکھ چکے تھے۔ آپ نے ان پر ہاتھ پھیرا تو وہ دودھ سے بھر گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ آپ کو ایک صاف پتھر تک لے آئے۔ وہاں بیٹھ کر آپ نے بکری کا دودھ دوہا۔ آپ نے وہ دودھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پلایا۔ پھر مجھے پلایا اور آخر میں آپ نے خود پیا۔ پھر آپ نے بکری کے تھن سے فرمایا:

''سمٹ جا۔''

چنانچہ تھن فوراً ہی پھر ویسے ہو گئے، جیسے پہلے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ دیکھا تو آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے اس کی حقیقت بتائیے۔''

آپ نے یہ سن کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

''اللہ تم پر رحم فرمائے، تم تو جان کار ہو۔''

یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باپ کی بجائے، ماں کی طرف سے زیادہ مشہور تھے۔ ان کی ماں کا نام ام عبد تھا۔ ان کا قد بہت چھوٹا تھا۔ نہایت دبلے پتلے تھے۔ ایک مرتبہ صحابہ ان پر ہنسنے لگے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''عبداللہ اپنے مرتبے کے لحاظ سے ترازو میں سب سے بھاری ہیں۔''

انہی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''اپنی امت کے لیے میں بھی اسی چیز پر راضی ہو گیا جس پر ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود راضی ہو گئے۔ اور جس چیز کو عبداللہ بن مسعود نے امت کے لیے ناگوار سمجھا، میں نے بھی اس کو ناگوار سمجھا۔'' آپ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ انہیں اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے، ان سے کسی کو چھپایا نہیں کرتے تھے، اسی لیے یہ آپ کے گھر میں آتے جاتے تھے۔ یہ نبی کریم کے آگے آگے یا ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے۔ جب آپ غسل فرماتے تو یہی پردے کے لیے چادر تان کر کھڑے ہوتے تھے۔ جب آپ سو جاتے تو یہی آپ کو وقت پر جگایا کرتے تھے۔ اسی طرح جب آپ کہیں جانے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کو جوتے پہناتے تھے۔ پھر جب آپ کہیں پہنچ کر بیٹھ جاتے تو یہ آپ کے جوتے اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے۔ ان کی انہی باتوں کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے والوں میں سے ہیں۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔

پانچواں آدمی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے بھی تین سال پہلے سے میں اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھا کرتا تھا اور جس طرف اللہ تعالیٰ میرا رخ کر دیتے، میں اسی طرف چل پڑتا تھا۔ اسی زمانے میں ہمیں معلوم ہوا کہ مکہ معظمہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے۔ یہ سن کر میں نے اپنے بھائی انیس سے کہا:

"تم اس شخص کے پاس جاؤ، ان سے بات چیت کرو اور آ کر مجھے اس بات چیت کے بارے میں بتاؤ۔"

چنانچہ انیس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، جب وہ واپس آئے تو میں نے ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا:

"اللہ کی قسم! میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو اچھائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے تمہیں اسی شخص کے دین پر پایا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ نیکی اور بلند اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔"

میں نے پوچھا

میں نے جواب میں کہا:
''جی میں غفار قبیلے کا ہوں۔''

آپ نے پوچھا:
''یہاں کب سے آئے ہوئے ہو؟''

میں نے عرض کیا:
''تیس دن اور تیس راتوں سے یہاں ہوں۔''

آپ نے پوچھا:
''تمہیں کھانا کون کھلاتا ہے؟''

میں نے عرض کیا:
''میرے پاس سوائے زمزم کے کوئی کھانا نہیں، اس کو پی پی کر میں موٹا ہو گیا ہوں، یہاں تک کہ میرے پیٹ کی سلوٹیں تک ختم ہو گئی ہیں اور مجھے بھوک کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔''

آپ نے فرمایا:
''مبارک ہو، یہ زمزم بہترین کھانا اور ہر بیماری کی دوا ہے۔''

زمزم کے بارے میں احادیث میں آتا ہے، اگر تم آب زمزم کو اس نیت سے پیو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعے بیماریوں سے شفا عطا فرمائے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتا ہے اور اگر اس نیت سے پیا جائے کہ اس کے ذریعے پیٹ بھر جائے اور بھوک نہ رہے تو آدمی شکم سیر ہو جاتا ہے اور اگر اس نیت سے پیا جائے کہ پیاس کا اثر باقی نہ رہے تو پیاس ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو سیراب کیا تھا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جی بھر کر زمزم کا پانی پینا اپنے آپ کو نفاق سے دور کرنا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ہم میں اور منافقوں میں یہ فرق ہے کہ وہ لوگ زمزم سے سیرابی حاصل نہیں کرتے۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی... کہا جاتا ہے، ابوذر غفاری

اسلام میں پہلے آدمی ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی سلام کے الفاظ کے مطابق سلام کیا۔ ان سے پہلے کسی نے آپ کو ان الفاظ میں سلام نہیں کیا تھا۔

اب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس بات پر بیعت کی کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں گھبرائیں گے اور یہ کہ ہمیشہ حق اور سچی بات کہیں گے، چاہے حق سننے والے کے لیے کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو۔

یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ملک شام کے علاقے میں ہجرت کر گئے تھے۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انہیں شام سے واپس بلالیا گیا اور پھر یہ ربذہ کے مقام پر آکر رہنے لگے تھے۔ ربذہ کے مقام پر ہی ان کی وفات ہوئی تھی۔

ان کے ایمان لانے کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ جب یہ مکہ معظمہ آئے تو ان کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملوایا تھا۔

ابوذر کہتے ہیں:

"بیعت کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ساتھ لے گئے۔ ایک جگہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دروازہ کھولا، ہم اندر داخل ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں انگور پیش کیے۔ اس طرح یہ پہلا کھانا تھا جو میں نے مکہ میں آنے کے بعد کھایا۔"

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اے ابوذر! اس معاملے کو ابھی چھپائے رکھنا، اب تم اپنی قوم میں واپس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ وہ لوگ میرے پاس آئیں، پھر جب تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے خود اپنے معاملے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا ہے تو اس وقت تم میرے پاس چلے آنا۔"

آپ کی بات سن کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بولے۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو سچائی دے کر بھیجا، میں ان لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر پکار پکار کر اعلان کروں گا۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "میں ایمان لانے والے دیہاتی لوگوں میں سے پانچواں آدمی تھا۔" غرض جس وقت قریش کے لوگ حرم میں جمع ہوئے، انہوں نے بلند آواز میں چلا کر کہا:

"میں گواہی دیتا ہوں، سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

بلند آواز میں یہ اعلان سن کر قریشیوں نے کہا:

"اس بے دین کو پکڑ لو۔"

انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور بے انتہا مارا۔ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں، وہ لوگ ان پر چڑھ دوڑے۔ پوری قوت سے انہیں مارنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ درمیان میں آ گئے۔ وہ ان پر جھک گئے اور قریشیوں سے کہا:

"تمہارا برا ہو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ شخص قبیلہ غفار سے ہے، ان کا علاقہ تمہاری تجارت کا راستہ ہے۔"

ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ قبیلہ غفار کے لوگ تمہارا راستہ بند کر دیں گے۔ اس پر ان لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا۔

ابوذر فرماتے ہیں، اس کے بعد میں زمزم کے کنویں کے پاس آیا، اپنے بدن سے خون دھویا۔ اگلے دن میں نے پھر اعلان کیا:

"میں گواہی دیتا ہوں، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

انہوں نے پھر مجھے مارا، اس روز بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے مجھے ان سے

چھڑایا۔ پھر تمیں وہاں سے واپس روانہ ہوا اور اپنے بھائی تمیں کے پاس آیا...

☆☆☆

خواب سچا ہے

انیس نے مجھ سے کہا:

"تم کیا کرتے ہو؟"

میں نے جواب دیا:

"مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر دی ہے۔"

اس پر انیس نے کہا:

"میں بھی بتوں سے بے زار ہوں اور اسلام قبول کر چکا ہوں۔"

اس کے بعد ہم دونوں اپنی والدہ کے پاس آئے تو وہ بولیں:

"مجھے پچھلے دین سے کوئی دلچسپی نہیں رہی، میں بھی اسلام قبول کر چکی ہوں، اللہ کے رسول کی تصدیق کر چکی ہوں۔"

اس کے بعد ہم اپنی قوم غفار کے پاس آئے۔ ان سے بات کی، ان میں سے آدھے تو اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ باقی لوگوں نے کہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، ہم اس وقت مسلمان ہوں گے، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو قبیلہ غفار کے باقی لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔

ان حضرات نے جو یہ کہا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، ہم

اس وقت مسلمان ہوں گے تو ان کے یہ مسلمان ہونے کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا

" میں نخلستان یعنی کھجوروں کے باغ کی سرزمین میں جاؤں گا، جو یثرب کے سوا کوئی نہیں ہے، تو کیا تم اپنی قوم کو یہ خبر پہنچا دو گے۔ ممکن ہے، اس طرح تمہارے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور تمہیں ان کی وجہ سے اجر ملے۔"

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ اسلم کے لوگ آئے۔ انہوں نے آپ سے عرض کیا

" اے اللہ کے رسول! ہم بھی اسی بات پر مسلمان ہوتے ہیں جس پر ہمارے بھائی قبیلہ غفار کے لوگ مسلمان ہوتے ہیں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

" اللہ تعالیٰ غفار کے لوگوں کی مغفرت فرمائے اور قبیلہ اسلم کو اللہ سلامت رکھے۔"

یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حج کے لیے مکے گئے۔ طواف کے دوران کعبے کے پاس ٹھہر گئے۔ لوگ ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے لوگوں سے کہا:

" بھلا بتاؤ تو! تم میں سے کوئی سفر میں جانے کا ارادہ کرتا ہے تو کیا وہ سفر کا سامان ساتھ نہیں لیتا؟"

لوگوں نے کہا:

" بے شک! ساتھ لیتا ہے۔"

تب آپ نے فرمایا:

" تو پھر یاد رکھو! قیامت کا سفر دنیا کے ہر سفر سے کہیں زیادہ لمبا ہے اور جس کا تم یہاں ارادہ کرتے ہو، اسی لیے اپنے ساتھ اس سفر کا وہ سامان لے لو جو تمہیں فائدہ پہنچائے۔"

لوگوں نے پوچھا:

''انہیں پانچ نمازیں بچا سکتی ہیں؟''

حضرت ابوذر غفاری بولے:

''بلند مقصد کے لیے حج کرو، قیامت کے دن کا خیال کر کے ایسے دنوں میں روزے رکھو جو سخت گرمی کے دن ہوں گے اور قبر کی وحشت اور اندھیرے کا خیال کرتے ہوئے رات کی تاریکی میں اٹھ کر نمازیں پڑھو۔''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ کہا جاتا ہے، یہ بات کہ لوگوں میں سے مسلمان ہونے والوں میں یہ تیسرے یا چوتھے آدمی تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ پانچویں تھے۔ یہ اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔

ان کے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہے کہ انہوں نے خواب میں جہنم کو دیکھا۔ اس کی آگ بہت خوفناک انداز میں بھڑک رہی تھی۔ یہ خود جہنم کے کنارے کھڑے تھے۔ خواب میں انہوں نے دیکھا کہ ان کا باپ انہیں جہنم میں دھکیلنا چاہتا ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دامن پکڑ کر انہیں دوزخ میں گرنے سے روک رہے ہیں۔ اسی وقت گھبراہٹ کے عالم میں ان کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے فوراً کہا:

''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خواب سچا ہے۔''

ساتھ ہی انہیں یقین ہو گیا کہ جہنم سے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بچا سکتے ہیں۔ فوراً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہیں اپنا خواب سنایا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس خواب میں تمہاری بھلائی اور خیر پوشیدہ ہے۔ اللہ کے رسول موجود ہیں، ان کی پیروی کرو۔''

چنانچہ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ فوراً ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا:

"اے محمد! آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"میں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، کوئی اس کے برابر کا نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور تم جو پتھروں کی عبادت کرتے ہو، اس کو چھوڑ دو، یہ پتھر نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے والد کا نام سعید بن عاص تھا۔ اسے بیٹے کے اسلام قبول کرنے کا پتا چلا تو آگ بگولا ہو گیا۔ بیٹے کو کوڑے سے مارنا شروع کیا، یہاں تک کہ اسے کوڑے مارتے مارتے کوڑا ٹوٹ گیا۔ پھر اس نے کہا:

"تو نے محمد کی پیروی کی، حالانکہ تو جانتا ہے، وہ پوری قوم کے خلاف جا رہا ہے اور اپنی قوم کے معبودوں کو برا کہتا ہے۔"

یہ سن کر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ بولے:

"اللہ کی قسم! وہ جو پیغام لے کر آئے ہیں، میں نے اس کو قبول کر لیا ہے۔"

اس جواب پر وہ اور غضب ناک ہوا اور بولا:

"خدا کی قسم! میں تیرا کھانا پینا بند کر دوں گا۔"

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"اگر آپ میرا کھانا پینا بند کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ مجھے روزی دینے والا ہے۔"

تنگ آکر سعید نے بیٹے کو گھر سے نکال دیا، ساتھ ہی اپنے باقی بیٹوں سے کہا:

"اگر تم میں سے کسی نے بھی اس سے بات چیت کی تو میں اس کا بھی یہی حشر کروں گا۔"

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ گھر سے نکل کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے۔ اس کے بعد وہ آپ کے ساتھ ہی رہنے لگے۔ باپ سے بالکل بے تعلق ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں نے کافروں کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی

طرف ہجرت کی تو یہ ہجرت کرنے والوں میں سے پہلے آدمی تھے۔

ایک مرتبہ ان کا باپ بیمار ہوا۔ اس وقت اس نے قسم کھائی: "اگر خدا نے مجھے اس بیماری سے صحت دے دی تو مکہ میں کبھی محمد کے خدا کی عبادت نہیں ہونے دوں گا۔"

باپ کی یہ بات حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے کہا:

"اے اللہ! اسے اس مرض سے کبھی نجات نہ دینا۔"

چنانچہ ان کا باپ اسی مرض میں مر گیا... خالد بن سعید رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں، جنہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی۔

ان کے بعد ان کے بھائی عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے مسلمان ہونے کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے خواب میں ایک نور دیکھا... نور زمزم کے پاس سے نکلا، اور اس سے مدینے کے باغ تک روشن ہو گئے اور اتنے روشن ہوئے کہ ان میں تازہ کھجوریں نظر آنے لگیں۔ انہوں نے یہ خواب لوگوں سے بیان کیا تو ان سے کہا گیا، زمزم عبدالمطلب کے خاندان کا کنواں ہے اور یہ نور بھی انہی میں سے ظاہر ہوگا۔ پھر جب ان کے بھائی خالد رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تو انہیں خواب کی حقیقت نظر آنے لگی، چنانچہ یہ بھی مسلمان ہو گئے۔ ان کے علاوہ سعید کی اولاد میں سے ابان اور حکم بھی مسلمان ہوئے۔ حکم کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا۔

اسی طرح ابتدائی دنوں میں مسلمان ہونے والوں میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کا باپ ایران کے بادشاہ کسریٰ کا گورنر تھا۔ ایک مرتبہ قیصر کی فوجوں نے اس کے علاقے پر حملہ کیا۔ اس لڑائی میں صہیب رضی اللہ عنہ گرفتار ہو گئے۔ انہیں غلام بنا لیا گیا۔ اس وقت یہ بچے تھے۔ چنانچہ یہ غلامی کی حالت میں ہی روم میں پل بڑھ کر وہیں جوان ہوئے۔ پھر عرب کے کچھ لوگوں نے انہیں خرید لیا اور فروخت کرنے کے لیے مکہ کے قریب عکاظ کے بازار میں لے آئے۔ اس بازار میں میلہ لگتا تھا۔ اس میلے میں غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ میلے سے انہیں ایک شخص عبداللہ بن جدعان نے خرید لیا۔ اس

طرح یہ مکہ میں تنہائی کی زندگی گزار رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو گیا۔ ان کے دل میں آئی کہ چل کر ان کی بات تو سنوں۔ یہ سوچ کر گھر سے نکلے۔ راستے میں ان کی ملاقات عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ انہوں نے ان سے پوچھا:

"صہیب کہاں جا رہے ہو؟"

یہ فوراً بولے:

"میں محمد کے پاس جا رہا ہوں تاکہ ان کی بات سنوں اور دیکھوں۔ وہ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں۔"

یہ سن کر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بولے:

"میں بھی اسی ارادے سے گھر سے نکلا ہوں۔"

یہ سن کر صہیب رضی اللہ عنہ بولے:

"تب پھر اکٹھے ہی چلتے ہیں۔"

اب دونوں ایک ساتھ قدم اٹھانے لگے۔

☆☆☆☆☆

اسلام کا پہلا مرکز

حضرت صہیب اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دونوں کو اپنے پاس بٹھایا۔ جب یہ بیٹھ گئے تو آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پاک کی جو آیات آپ پر اس وقت تک نازل ہو چکی تھیں، وہ پڑھ کر سنائیں۔ ان دونوں نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ اس روز شام تک یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے۔ شام کو دونوں چپکے سے چلے آئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر پہنچے تو ان کے والدین نے ان سے پوچھا کہ دن بھر کہاں رہے۔ انہوں نے فوراً بتا دیا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے ان کے سامنے بھی اسلام پیش کیا اور اس دن انہوں نے قرآن پاک کا جو حصہ یاد کیا تھا، وہ ان کے سامنے تلاوت کیا۔ ان دونوں کو یہ کلام بے حد پسند آیا۔ وہ دونوں فوراً ہی بیٹے کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ اسی بنیاد پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو الطیب المطیب کہا کرتے تھے یعنی پاک باز، پاک کرنے والے۔

اسی طرح حضرت عمران رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو کچھ عرصے بعد ان کے والد حضرت حصین رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کی تفصیل یوں ہے:

ایک مرتبہ قریش کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے آئے۔ ان

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''انہیں ان کے گھر تک پہنچا کر آئیں۔''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب دروازے سے باہر نکلے تو وہاں قریش کے لوگ موجود تھے۔ انہیں دیکھتے ہی بولے:

''لو یہ بھی بے دین ہو گیا۔''

اس کے بعد وہ سب لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور صحابہ کرام نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر تک پہنچایا۔

اسی طرح تین سال تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طور پر تبلیغ کرتے رہے۔ اس دوران جو شخص بھی مسلمان ہوتا تھا، وہ مکہ کی گھاٹیوں میں چھپ کر نمازیں ادا کرتا تھا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کچھ دوسرے صحابہ کے ساتھ مکہ کی ایک گھاٹی میں تھے کہ اچانک وہاں قریش کی ایک جماعت پہنچ گئی۔ اس وقت یہ صحابہ نماز پڑھ رہے تھے۔ مشرکوں کو یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا، وہ ان پر چڑھ دوڑے، ساتھ میں برا بھلا بھی کہہ رہے تھے، ایسے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک کو پکڑ لیا اور اس کو ایک ضرب لگائی۔ اس سے اس کی کھال پھٹ گئی، خون بہہ نکلا۔ یہ پہلا خون ہے جو اسلام کے نام پر بہایا گیا۔

اب قریش دشمنی پر اتر آئے۔ اس بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف لے آئے تاکہ دشمنوں سے بچاؤ رہے۔ اس طرح حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا یہ مکان اسلام کا پہلا مرکز بنا۔ اس مکان کو دار ارقم کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں تشریف لانے سے پہلے لوگوں کی ایک جماعت مسلمان ہو چکی تھی۔ اب نماز دار ارقم میں ادا ہونے لگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہیں نماز پڑھاتے، وہیں بیٹھ کر عبادت کرتے اور مسلمانوں کو دین کی تعلیم دیتے۔ اس طرح تین سال گزر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلانیہ تبلیغ کا حکم فرمایا۔ اعلانیہ تبلیغ کی

آپ نے اس کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی اور حاضرین کو اللہ کا پیغام سنایا۔ آپ نے فرمایا:

"اے قریش! کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔"

آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا:

"اے قریش! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔"

اس طرف آپ کے رشتے دار ہی نہیں تھے بلکہ قریش کے دوسرے قبیلے بھی موجود تھے۔ اس لیے آپ نے ان سب قبیلوں کے نام لے لے کر انہیں مخاطب فرمایا۔ یعنی آپ نے یہ الفاظ فرمائے:

"اے بنی ہاشم! اپنی جانوں کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ اے بنی عبدشمس! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنی عبد مناف! اے بنی زہرہ! اے کعب بن لوی! اے بنی مرہ بن کعب! اپنی جانوں کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ اے فاطمہ! محمد کی بیٹی! تم بھی اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔"

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ الفاظ بھی فرمائے:

"نہ میں دنیا میں تمہیں فائدہ پہنچا سکتا ہوں نہ آخرت میں کوئی فائدہ پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں۔ سوائے اس صورت کے کہ تم کہو لا الہ الا اللہ۔ چونکہ تمہاری مجھ سے رشتے داری ہے، اس لیے اس کے بھروسے پر کفر اور شرک کے اندھیروں میں گم نہ رہو۔"

اس پر ابولہب آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے تلملا کر کہا:

"تو ہلاک ہو جائے، کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا۔"

پھر سب لوگ چلے گئے۔

☆☆☆☆☆

اسلام کی تبلیغ

اس کے بعد چند دن تک آپ خاموش رہے۔ پھر آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ انہوں نے آپ کو اللہ کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو ہر طرف پھیلا دینے کا حکم سنایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ لوگوں کو جمع فرمایا، ان کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں خاص طور پر تمہاری طرف اور عام طور پر سارے انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اللہ کی قسم تم جس طرح جاگتے ہو اسی طرح ایک دن حساب کتاب کے لیے دوبارہ جگائے جاؤ گے۔ پھر تم جو کچھ کر رہے ہو اس کا حساب تم سے لیا جائے گا۔ اچھے اور نیک اعمال کے بدلے میں تمہیں اچھا بدلہ ملے گا اور برائی کا بدلہ برا ملے گا۔ وہاں یا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت ہے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے۔ اللہ کی قسم اے بنی عبدالمطلب! میرے علم میں ایسا کوئی نوجوان نہیں جو اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور اعلیٰ کوئی چیز لے کر آیا ہو۔ میں تمہارے واسطے دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبے کو سن کر ابولہب نے سخت ترین انداز میں کہا:

"اے بنی عبدالمطلب! اللہ کی قسم! یہ ایک فتنہ ہے، اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا اس پر

ہاتھ ڈالنے کا نتیجہ یہ ہے کہ تم ہی اس پر قابو پالو۔ یہ معاملہ ایسا ہے کہ اگر تم ان کی بات سن کر مسلمان ہو جاتے ہو تو یہ تمہارے لیے ذلت و رسوائی کی بات ہوگی۔ اگر تم انہیں دوسرے دشمنوں سے بچانے کی کوشش کرو گے تو تم خود قتل ہو جاؤ گے۔"

ان کے جواب میں ان کی بہن یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"بھائی! کیا اپنے بھتیجے کو اس طرح رسوا کرنا تمہارے لیے مناسب ہے اور پھر اللہ کی قسم! بڑے بڑے عالم یہ خبر دیتے آرہے ہیں کہ عبدالمطلب کے خاندان میں سے ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں، لہٰذا میں تو کہتی ہوں، یہی وہ نبی ہیں۔"

ابولہب کو یہ سن کر غصہ آیا، بولا:

"اللہ کی قسم! یہ بالکل بکواس اور گھروں میں بیٹھنے والی عورت کی باتیں ہیں۔ جب قریش کے خاندان ہم پر چڑھائی کر کے آئیں گے اور سارے عرب ان کا ساتھ دیں گے تو ان کے مقابلے میں ہماری کیا چلے گی۔ خدا کی قسم ان کے لیے ہم ایک تر نوالے کی حیثیت ہوں گے۔"

اس پر ابوطالب بول اٹھے:

"اللہ کی قسم! جب تک ہماری جان میں جان ہے، ہم ان کی حفاظت کریں گے۔"

اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور تمام قریش کو اسلام کی دعوت دی۔ ان سب سے فرمایا:

"اے قریش! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آرہا ہے اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم مجھے جھوٹا خیال کرو گے؟"

سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

"نہیں! اس لیے کہ ہم نے آپ کو آج تک جھوٹ بولتے ہوئے نہیں سنا۔"

اب آپ نے فرمایا:

''اے گروہ قریش! اپنی جانوں کو جہنم سے بچاؤ، اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا، میں تمہیں اس زبردست عذاب سے صاف ڈرا رہا ہوں جو سامنے ہے، میں تم لوگوں کو دو کلمے کہنے کی دعوت دیتا ہوں، جو زبان سے کہنے میں بہت ہلکے ہیں، لیکن ترازو میں بے حد وزن والے ہیں، ایک اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، دوسرے یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اب تم میں سے کون ہے جو میری اس بات کو قبول کرتا ہے۔''

آپ کے خاموش ہونے پر ان سب میں سے کوئی نہ بولا تو آپ نے اپنی بات پھر دہرائی، پھر آپ نے تیسری بار اپنی بات دہرائی مگر اس بار بھی سب خاموش کھڑے رہے۔ اتنا ہوا کہ سب نے آپ کی بات خاموشی سے سن لی اور واپس چلے گئے۔

ایک دن قریش کے لوگ مسجد حرام میں جمع تھے، بتوں کو سجدے کر رہے تھے، آپ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

''اے گروہ قریش! اللہ کی قسم! تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے راستے سے ہٹ گئے ہو۔''

آپ کی بات کے جواب میں قریش بولے:

''ہم اللہ تعالیٰ کی محبت ہی میں بتوں کو پوجتے ہیں تاکہ اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہو سکیں۔''

(افسوس! آج کل ان گنت لوگ بھی قبروں کو سجدہ بالکل اسی خیال سے کرتے ہیں اور خود کو مسلمان کہتے ہیں)

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کے جواب میں وحی نازل فرمائی:

ترجمہ: آپ فرما دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ (سورۃ آل عمران: آیت 31)

قریش کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ انہوں نے ابوطالب سے شکایت کی:

''ابوطالب! تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو بُرا کہا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالے ہیں، ہمیں بے عقل ٹھہرایا ہے، اس نے ہمارے باپ دادا تک کو گمراہ کہا ہے، اس لیے یا تو ہماری طرف سے آپ اس سے نبٹیے یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیے، کیونکہ خود آپ بھی اسی دین پر چلتے ہیں جو ہمارا ہے اور اس کے دین کے آپ بھی خلاف ہیں۔''

ابوطالب نے انہیں نرم الفاظ میں یہ جواب دے کر واپس بھیج دیا کہ

اچھا میں انہیں سمجھاؤں گا۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت جبرئیل نہایت حسین شکل و صورت میں بہترین خوشبو لگائے ظاہر ہوئے اور بولے:

''اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ آپ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اس لیے انہیں کلمہ لا الہ الا اللہ کی طرف بلائیے۔

یہ حکم ملتے ہی آپ نے قریش کو براہ راست تبلیغ شروع کر دی اور حالت اس وقت یہ تھی کہ کافروں کے پاس پوری طاقت تھی اور وہ آپ کی پیروی کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھے، کفر اور شرک ان کے دلوں میں بسا ہوا تھا۔ بتوں کی محبت ان کے اندر سرایت کر چکی تھی۔ ان کے دل اس شرک اور گمراہی کے سوا کوئی چیز بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ شرک کی یہ بیماری لوگوں میں پوری طرح سما چکی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا یہ سلسلہ جب بہت بڑھ گیا تو قریش کے درمیان ہر وقت آپ ہی کا ذکر ہونے لگا۔ وہ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر آپ سے دشمنی پر اتر آئے۔ آپ کے قتل کے منصوبے بنانے لگے۔ یہاں تک سوچنے لگے کہ آپ کا معاشرتی بائیکاٹ کر دیا جائے، لیکن یہ لوگ پہلے ایک بار پھر ابوطالب کے پاس گئے اور ان

سے بولے۔

"ابو طالب! ہمارے درمیان آپ بڑے قابلِ عزت اور بلند مرتبہ آدمی ہیں۔ ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو روک دیں، مگر آپ نے کچھ نہیں کیا۔ ہم لوگ یہ بات برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے معبودوں کو اور باپ دادا کو برا کہا جائے۔ ہمیں بے عقل کہا جائے۔ آپ انہیں سمجھالیں ورنہ ہم آپ سے اور ان سے اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک کہ دونوں فریقوں میں سے ایک ختم نہ ہو جائے۔

قتل کی کوشش

قریش تو یہ کہہ کر چلے گئے۔ ابو طالب پریشان ہو گئے۔ وہ اپنی قوم کے غصے سے اچھی طرح واقف تھے۔ دوسری طرف وہ اس بات کو پسند نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی شخص بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسوا کرنے کی کوشش کرے۔ اس لیے انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے، انہوں نے مجھ سے یہ یہ کہا ہے۔ اس لیے اپنے اوپر اور مجھ پر رحم کرو اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں۔"

ابو طالب کی اس گفتگو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا کہ اب چچا ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں، وہ بھی اب آپ کی مدد نہیں کرنا چاہتے، آپ کی حفاظت سے ہاتھ اٹھا رہے ہیں، اس لیے آپ نے فرمایا:

"چچا جان! اللہ کی قسم، اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور یہ کہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں، تو بھی میں ہرگز اسے نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ ہی اس کو ظاہر فرما دیں۔"

یہ کہتے ہوئے آپ کی آواز بھرا گئی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر آپ اٹھ کر جانے لگے، لیکن اسی وقت ابو طالب نے آپ کو پکارا۔

بعد میں یہ شخص یعنی عمارہ بن ولید حبشہ میں کفر کی حالت میں مرا۔ اس پر جادو کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ وحشت زدہ ہو کر جنگلوں اور گھاٹیوں میں مارا مارا پھرا کرتا تھا۔ اسی طرح دوسرا شخص مطعم بن عدی بھی کفر کی حالت میں مرا۔

غرض جب ابو طالب نے قریش کی یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی تو معاملہ حد درجے سنگین ہو گیا۔ دوسری طرف ابو طالب نے قریش کے خطرناک ارادوں کو بھانپ لیا۔ انہوں نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بلایا۔ ان سے درخواست کی کہ سب مل کر آپ کی حفاظت کریں، آپ کا بچاؤ کریں۔ ان کی بات سن کر سوائے ابولہب کے سب تیار ہو گئے۔ ابو لہب نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ یہ بد بخت مخالفت کرنے اور آپ کے خلاف آواز اٹھانے سے باز نہ آیا۔ اسی طرح جو لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے، ان کی مخالفت میں بھی ابولہب ہی سب سے پیش پیش تھا۔ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تکالیف پہنچانے میں کئی قریشی سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔

آپ کو تکالیف پہنچانے کے سلسلے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں، ایک روز میں مسجد حرام میں تھا کہ ابوجہل وہاں آیا اور بولا:

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، اگر میں محمد کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ لوں تو میں ان کی گردن مار دوں۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ یہ سن کر میں فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیا اور آپ کو بتایا کہ ابوجہل کیا کہہ رہا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر غصے کی حالت میں باہر نکلے اور تیز تیز چلتے مسجد الحرام میں داخل ہو گئے، یہاں تک کہ گزرتے وقت آپ کو دیوار کی رگڑ لگ گئی۔ اس وقت آپ سورۃ العلق کی آیات تلاوت فرما رہے تھے:

"ترجمہ: اے پیغمبر آپ اپنے رب کا نام لے کر (قرآن) پڑھا کیجیے، جس نے مخلوقات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔"

یہ سن کر قریش نے کہا

"اللہ کی قسم! ہم تمہیں کسی قیمت پر تنہا نہیں چھوڑیں گے، اس لیے جو تم کرنا چاہتے ہو، اطمینان سے کرو۔"

دوسرے دن ابوجہل اپنے پروگرام کے مطابق ایک بہت بھاری پتھر اٹھا لایا اور لگا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے۔ ادھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عادت کے مطابق صبح کی نماز کے بعد وہاں تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ آپ نماز کے لیے رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے ہوا کرتے تھے، کعبے کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان کر لیا کرتے تھے۔ آپ نے آتے ہی نماز کی نیت باندھ لی۔ ادھر قریش کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں آج کیا ہوتا ہے۔ ابوجہل اپنے پروگرام میں کامیاب ہوتا ہے یا نہیں۔

پھر جونہی آپ سجدے میں گئے، ابوجہل نے پتھر اٹھایا اور آپ کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی وہ آپ کے نزدیک ہوا، ایک دم اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ گھبراہٹ کے عالم میں وہاں سے پیچھے ہٹ آیا۔ ادھر پتھر پر اس کے ہاتھ اس طرح جم گئے کہ اس نے چاہا، ہاتھ اس پر سے ہٹا لے، لیکن نہ ہٹا سکا۔ قریش کے لوگ فوراً اس کے گرد جمع ہو گئے اور بولے:

"ابوالحکم! کیا ہوا؟"

اس نے جواب دیا:

"میں نے رات کو تم سے جو کہا تھا، اس کو پورا کرنے کے لیے میں محمد کی طرف بڑھا مگر جیسے ہی ان کے قریب پہنچا، ایک جوان اونٹ میرے راستے میں آ گیا۔ میں نے اس جیسا زبردست اونٹ آج تک نہیں دیکھا۔ وہ ایک دم میری طرف بڑھا جیسے مجھے کھا جائے گا۔"

جب اس واقعے کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، اگر وہ میرے نزدیک آتا تو وہ ضرور اسے پکڑ لیتے۔"

اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۂ دخان کی آیت ۴۹ نازل فرمائی

ترجمہ: چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے۔

آیت کا یہ جملہ دوزخ کے فرشتے ابوجہل کو دوزخ میں ڈالتے وقت اسے پھٹکارتے ہوئے کہیں گے۔

ابولہب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں پیش پیش تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں رکاوٹیں ڈالتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتا تھا۔ اس کی بیوی ام جمیل بھی اس کے ساتھ شامل تھی، وہ جنگل سے کانٹے دار لکڑیاں کاٹ کر لاتی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں بچھاتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ لہب نازل فرمائی۔ اس میں ابولہب کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی عذاب کی خبر دی گئی۔ وہ غصے میں آگ بگولا ہو گئی، پتھر ہاتھ میں لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ابولہب کی بیوی کو آتے دیکھا تو فرمایا:

"اللہ کے رسول! یہ عورت بہت زبان دراز ہے، اگر آپ یہاں سے اٹھ جائیں تو اس کی بد زبانی سے آپ کو تکلیف پہنچے گی۔"

ان کی بات سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابوبکر! فکر نہ کرو، وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔"

اتنے میں ام جمیل نزدیک پہنچ گئی۔ اسے وہاں صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نظر آئے۔ وہ آتے ہی بولی:

"ابوبکر! تمہارے دوست نے مجھے ذلیل کیا ہے، کہاں ہے تمہارا دوست جو شعر پڑھتا ہے۔"

ابوبکر بولے:

"کیا تمہیں میرے ساتھ کوئی نظر آ رہا ہے؟"

"کیوں کیا بات ہے، مجھے تو تمہارے ساتھ کوئی نظر نہیں آ رہا۔"

انہوں نے پوچھا:

"تم ان کے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہو؟"

جواب میں اس نے کہا:

"میں یہ پتھر اس کے منہ پر مارنا چاہتی ہوں، اس نے میری شان میں نازیبا شعر کہے ہیں۔" وہ سورۃ اللہب کی آیات کو شعر سمجھ رہی تھی۔

اس پر انہوں نے کہا

"نہیں! اللہ کی قسم وہ شاعر نہیں ہیں۔ وہ تو شعر کہنا جانتے ہی نہیں، نہ انہوں نے تمہیں دیکھا ہے۔"

یہ سن کر وہ واپس لوٹ گئی۔ بعد میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

"اے اللہ کے رسول! وہ آپ کو دیکھ کیوں نہیں سکی۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"ایک فرشتے نے مجھے اپنے پروں میں چھپا لیا تھا۔"

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ جواب ارشاد فرمایا تھا:

"میرے اور اس کے درمیان ایک آڑ پیدا کر دی گئی تھی۔"

ابولہب کے ایک بیٹے کا نام عتبہ تھا اور دوسرے کا نام عتیبہ تھا۔ اعلانِ نبوت سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح ابولہب کے ان دونوں بیٹوں سے کر دیا تھا۔ یہ صرف نکاح ہوا تھا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اسلام کا آغاز ہوا اور سورۃ لہب نازل ہوئی تو ابولہب نے غصے میں آ کر اپنے بیٹوں سے کہا

"اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو میں تمہارا چہرہ نہیں دیکھوں گا۔"

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، یعنی انہوں نے اپنے چاروں طرف اپنے اونٹوں کو بھی بٹھا دیا۔ اس طرح حنیہ ان سب کے عین درمیان میں آ گیا۔ اب وہ سب اس کی پاسبانی کرنے لگے۔ ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ نصف رات کے قریب ایک شیر وہاں آیا اور سوئے ہوئے لوگوں کو سونگھنے لگا۔ ایک ایک کو سونگھتے ہوئے وہ آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ وہ بھی چھلانگ لگا کر حنیہ تک پہنچ گیا۔ بس پھر کیا تھا، اس نے اسے چیر پھاڑ کر ہلاک کر ڈالا۔

تکالیف پہنچانے کا ایک اور واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریب ہی کچھ جانور ذبح کیے گئے تھے۔ وہ لوگ اپنے بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے۔ ان جانوروں کی ایک اوجھڑی ابھی تک وہیں پڑی تھی۔ ایسے میں ابوجہل نے کہا:

''کیا کوئی شخص ایسا ہے جو اس اوجھڑی کو محمد کے اوپر ڈال دے۔''

ایک روایت کے مطابق کسی نے کہا:

''کیا تم یہ منظر نہیں دیکھ رہے ہو، تم میں سے کون ہے جو وہاں جائے جہاں فلاں قبیلے نے جانور ذبح کیے ہیں، ان کا گوبر، لید، خون اور اوجھڑی وہاں پڑے ہیں۔ کوئی شخص وہاں جا کر گندگی اٹھا لائے اور محمد کے سجدے میں جانے کا انتظار کرے۔ پھر جونہی وہ سجدے میں جائیں، وہ شخص گندگی ان کے کندھوں کے درمیان رکھ دے۔''

تب مشرکوں میں سے ایک شخص اٹھا۔ اس کا نام عقبہ بن ابی معیط تھا۔ یہ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بد بخت تھا۔ یہ گیا اور اوجھڑی اٹھا لایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے تو اوجھڑی آپ پر رکھ دی۔

اس پر مشرکین زور زور سے ہنسنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ ہنسی سے بے حال ہو گئے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ ایسے میں کسی نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتا دی۔ وہ روتی ہوئی حرم میں آئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح سجدے میں تھے

اور اوجھڑی آپ کے کندھوں پر تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اوجھڑی کو آپ پر سے ہٹایا۔ اس کے بعد آپ سجدے سے اٹھے اور نماز کی حالت میں کھڑے ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے حق میں بددعا فرمائی:

"اے اللہ! تو قریش کو ضرور سزا دے، اے اللہ! تو قریش کو ضرور سزا دے، اے اللہ! تو قریش کو ضرور سزا دے۔"

قریش جو مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے، یہ بددعا سنتے ہی ان کی ہنسی کافور ہو گئی۔ اس بددعا کی وجہ سے وہ دہشت زدہ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے نام لے لے کر بھی بددعا فرمائی:

"اے اللہ! تو عمرو بن ہشام کو سزا دے (یعنی ابوجہل کو)، عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف کو سزا دے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن قریشیوں کا نام لیا تھا، میں نے انہیں غزوۂ بدر میں خاک و خون میں لتھڑا ہوا دیکھا اور پھر ان کی لاشوں کو ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا۔"

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

"ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرما رہے تھے، اس وقت آپ کا ہاتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ حجر اسود کے پاس تین آدمی بیٹھے تھے۔ جب آپ حجر اسود کے پاس سے گزرے اور ان کے قریب پہنچے تو ان تینوں نے آپ کی ذات بابرکات پر چند جملے کسے۔ ان جملوں کو سن کر آپ کو تکلیف پہنچی۔ تکلیف کے آثار آپ کے چہرے سے ظاہر ہوئے۔ دوسرے پھیرے میں ابوجہل نے کہا:

"تم ہمیں ان معبودوں کی عبادت کرنے سے روکتے ہو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں، لیکن ہم تم سے صلح نہیں کر سکتے۔"

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"میرا ابھی یہی حال ہے۔"

پھر آپ آگے بڑھ گئے۔ تیسرے پھیرے میں بھی انہوں نے ایسا ہی کہا۔ پھر چوتھے پھیرے میں یہ تینوں یکدم آپ کی طرف جھپٹے۔

☆☆☆☆☆

قربانیاں ہی قربانیاں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ابوجہل نے ایک دم آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی۔ بس میں نے آگے بڑھ کر ایک گھونسا اس کے سینے پر مارا، اس سے وہ زمین پر گر پڑا۔ دوسری طرف سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف کو دھکیلا، تیسری طرف خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط کو دھکیلا۔ آخر یہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ کی قسم! تم لوگ اس وقت تک نہیں مرو گے، جب تک اللہ کی طرف سے اس کی سزا نہیں بھگت لو گے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یہ الفاظ سن کر ان تینوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو خوف کی وجہ سے کانپنے نہ لگا ہو۔"

پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

"تم لوگ اپنے نبی کے لیے بہت برے ثابت ہوئے۔"

یہ فرمانے کے بعد آپ اپنے گھر کی طرف لوٹ گئے۔ ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلے۔

جب آپ اپنے دروازے پر پہنچے تو پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا:

"تم لوگ سن لو، اللہ تعالیٰ خود اپنے دین کو پھیلانے والا ہے۔ اپنے کلمے کو پورا کرنے والا اور اپنے نبی کی مدد کرنے والا ہے۔ ان لوگوں کو اللہ بہت جلد تمہارے ہاتھوں ذبح کرائے گا۔"

اس کے بعد ہم بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور پھر اللہ کی قسم غزوہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہمارے ہاتھوں ذبح کرایا۔

ایک روز ایسا ہوا کہ آپ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ ایسے میں عقبہ بن ابی معیط وہاں آ گیا۔ اس نے اپنی چادر اتار کر آپ کی گردن میں ڈالی اور اس کو بل دینے لگا۔ اس طرح آپ کا دم گھٹنے لگا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑ کر آئے اور اسے کندھوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے فرمایا:

"کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے... اور جو تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے۔"

بخاری کی ایک حدیث کے مطابق حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

"مجھے بتائیے! مشرکین کی طرف سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ بدترین اور سخت ترین سلوک کس نے کیا تھا؟"

جواب میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا۔ اس نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اس سے پوری قوت سے آپ کا گلا گھونٹا۔ اسی وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے دھکیل کر ہٹایا۔"

یہ قول حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا ہے۔ انہوں نے یہی سب سے سخت برتاؤ دیکھا ہوگا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ سخت برتاؤ کیا گیا۔

پھر جب مسلمانوں کی تعداد 38 ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ

سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مسجد الحرام میں تشریف لے چلیے تاکہ ہم وہاں نماز ادا کر سکیں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ابوبکر! ابھی ہماری تعداد تھوڑی ہے۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر اسی خواہش کا اظہار کیا۔ آخر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام صحابہ کے ساتھ مسجد الحرام میں پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ لوگوں کو کلمہ پڑھ لینے کی دعوت دی۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں، جنہوں نے مجمعے میں کھڑے ہو کر اس طرح تبلیغ فرمائی۔

اس خطبے کے جواب میں مشرکین مکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں مارنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو انہوں نے سب سے زیادہ مارا پیٹا، مار پیٹ کی انتہا کر دی گئی۔ عتبہ نے تو انہیں اپنے جوتوں سے مار رہا تھا۔ اس میں دوہرا تلا لگا ہوا تھا۔ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ان جوتوں سے اتنی ضربیں لگائیں کہ چہرہ لہولہان ہو گیا۔ ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو تیم کے لوگ وہاں پہنچ گئے۔ انہیں دیکھتے ہی مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ ان لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے پر لٹایا اور بے ہوشی کی حالت میں گھر لے آئے۔ ان سب کو یقین ہو چکا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آج زندہ نہیں بچیں گے۔ اس کے بعد بنو تیم کے لوگ واپس حرم آئے۔ انہوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! اگر ابوبکر مر گئے تو ہم عتبہ کو قتل کر دیں گے۔''

یہ لوگ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہوں نے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد نے ان سے بار بار بات کرنے کی کوشش کی، لیکن آپ بالکل بے ہوش

تھے۔ پھر شام کے وقت کہیں جا کر آپ کو ہوش آیا اور بولنے کے قابل ہوئے۔ انھوں نے سب سے پہلے یہ پوچھا:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟''

گھر میں موجود افراد نے ان کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار اپنا سوال دہرا رہے تھے۔ آخر ان کی والدہ نے کہا:

''اللہ کی قسم! ہمیں تمہارے دوست کے بارے میں کچھ علم نہیں۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اچھا تو پھر ام جمیل بنت خطاب کے پاس جائیں، ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کر کے مجھے بتائیں۔''

ام جمیل رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ اسلام قبول کر چکی تھیں لیکن ابھی تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ان کے پاس پہنچیں۔ انہوں نے ام جمیل رضی اللہ عنہا سے کہا:

''ابوبکر محمد بن عبداللہ کی خیریت پوچھتے ہیں۔''

ام جمیل رضی اللہ عنہا چونکہ اپنے بھائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈرتی تھیں، وہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے۔ اس لیے انہوں نے کہا:

''میں نہیں جانتی۔''

ساتھ ہی وہ بولیں:

''کیا آپ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ نے فوراً کہا:

''ہاں!''

اب یہ دونوں وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ ام جمیل رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زخموں سے چور دیکھا تو چیخ پڑیں:

''جن لوگوں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے، وہ یقیناً فاسق اور بدترین لوگ ہیں، مجھے یقین ہے، اللہ تعالیٰ ان سے آپ کا بدلہ لے گا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟''

ام جمیل رضی اللہ عنہا اپنے لوگوں کے سامنے بات کرتے ہوئے ڈرتی تھیں جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے، چنانچہ بولیں:

''یہاں آپ کی والدہ موجود ہیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

''ان کی طرف سے بے فکر رہیں، یہ آپ کا راز ظاہر نہیں کریں گی۔''

اب ام جمیل رضی اللہ عنہا نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کہاں ہیں؟''

ام جمیل نے فرمایا:

''دارِ ارقم میں ہیں۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

''اللہ کی قسم! میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل نہ لوں۔''

ان دونوں نے کچھ دیر انتظار کیا تاکہ باہر سکون ہو جائے... آخر یہ دونوں انہیں سہارا دے کر لے چلیں اور دارِ ارقم پہنچ گئیں۔ جونہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت دیکھی تو آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔ آپ نے آگے بڑھ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گلے سے لگا لیا۔ انہیں بوسہ دیا۔ باقی مسلمانوں نے بھی انہیں گلے سے

حقیقت روشن ہوگئی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات سن کر صحابہ نے کہا:

"ہمیں قریش کی طرف سے آپ کے بارے میں خطرہ ہے، ہم تو کوئی ایسا آدمی چاہتے ہیں جس کا خاندان قریش سے اس کی حفاظت کرتا رہے۔"

اس کے جواب میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم میری پروا نہ کرو، اللہ تعالیٰ خود میری حفاظت فرمائیں گے۔"

دوپہر کے بعد حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیت اللہ میں پہنچ گئے۔ آپ مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اس وقت قریش اپنے اپنے گھروں میں تھے۔ اب انہوں نے بلند آواز سے قرآن پڑھنا شروع کیا۔

قریش نے یہ آواز سنی تو کہنے لگے:

"اس غلام زادے کو کیا ہوا؟"

کوئی اور بولا:

"محمد جو کلام لے کر آئے ہیں۔ یہ وہی پڑھ رہا ہے۔"

یہ سنتے ہی مشرکین ان کی طرف دوڑ پڑے اور لگے انہیں مارنے پیٹنے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چوٹیں کھاتے جاتے تھے اور قرآن پڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ

انہوں نے سورۃ غور سے پوری تلاوت کر ڈالی۔ اس کے بعد وہاں سے اپنے ساتھیوں کے پاس آ گئے۔ ان کا چہرہ اس وقت تک لہولہان ہو چکا تھا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر مسلمان بول اُٹھے:

"ہمیں تمہاری طرف سے اسی بات کا خطرہ تھا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! اللہ کے دشمنوں کو میں نے کبھی آج سے زیادہ ہلکا اور کمزور کبھی نہیں پایا۔ اگر تم لوگ کہو تو میں کل پھر ان کے سامنے جا کر قرآن پڑھ سکتا ہوں۔"

اس پر مسلمان بولے:

"نہیں، وہ لوگ جس چیز کو ناپسند کرتے ہیں، آپ انہیں وہ کافی سنا آئے ہیں۔"

کفار کا یہ ظلم و ستم جاری رہا۔ ایسے میں ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی کے پاس موجود تھے۔ ابوجہل آپ کے پاس سے گزرا۔ اس نے آپ کو دیکھ لیا اور گالیاں دیتے، اس نے آپ کے سر پر مٹی بھی پھینکی۔ عبداللہ بن جدعان کی باندی نے یہ منظر دیکھا۔ پھر ابوجہل آپ کے پاس سے چل کر حرم میں داخل ہوا۔ وہاں مشرکین جمع تھے۔ وہ ان کے سامنے اپنا کارنامہ بیان کرنے لگا۔ اسی وقت آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حرم میں داخل ہوئے۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ تلوار ان کی کمر سے لٹک رہی تھی۔ وہ اس وقت شکار سے واپس آئے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ جب شکار سے لوٹتے تو پہلے حرم جا کر طواف کرتے تھے، پھر گھر جاتے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حرم میں داخل ہونے سے پہلے عبداللہ بن جدعان کی باندی کے پاس سے گزرے۔ اس نے سارا منظر خاموشی سے دیکھا اور سنا تھا۔ اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے حمزہ! کچھ خبر بھی ہے۔ ابھی ابھی یہاں ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) نے تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ وہ یہاں بیٹھے تھے، ابوجہل نے انہیں دیکھ لیا، انہیں تکلیف پہنچائی، گالیاں دیں اور بہت بری طرح پیش آیا۔ آپ کے بھتیجے نے جواب میں

اسے جو کچھ بھی کہا۔

ساری بات سن کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا

"تم جو کچھ بیان کر رہی ہو، کیا یہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

اس نے فوراً کہا

"ہاں! میں نے خود دیکھا ہے۔"

یہ سنتے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جوش میں آ گئے۔ چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ فوراً حرم میں داخل ہوئے۔ وہاں ابوجہل موجود تھا۔ وہ قریشیوں کے درمیان میں بیٹھا تھا۔ یہ سیدھے اس تک جا پہنچے۔ ہاتھ میں کمان تھی، اسی وقت کھینچ کر اس کے سر پر دے ماری۔ ابوجہل کا سر پھٹ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

"تو محمد کو گالیاں دیتا ہے، سن لے! میں بھی اس کا دین اختیار کرتا ہوں۔ جو کچھ وہ کہتا ہے، وہی میں بھی کہتا ہوں۔ اب اگر تجھ میں ہمت ہے تو مجھے جواب دے۔"

ابوجہل ان کی منت سماجت کرتے ہوئے بولا:

"دیکھیں یہ بے عقل بناتا ہے، ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے، ہمارے باپ دادا کے راستے کے خلاف چلتا ہے۔"

یہ سن کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بولے:

"اور خود تم سے زیادہ بے عقل اور بے وقوف کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر پتھر کے ٹکڑوں کو پوجتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔"

ان کے یہ الفاظ سن کر ابوجہل کے خاندان کے کچھ لوگ ایک دم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے اور انہوں نے کہا:

"اب تمہارے بارے میں بھی ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تم بھی بے دین ہو گئے ہو۔"

جواب میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اسی واقعے پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

ترجمہ: ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اسے ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اسے لیے ہوئے چلتا پھرتا ہے۔ (سورۃ الانعام)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ خوشی ہوئی، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے سگے چچا تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ قریش میں سب سے زیادہ معزز فرد تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ قریش کے سب سے زیادہ بہادر، طاقت ور اور خوددار انسان تھے۔ اور اسی بنیاد پر جب قریش نے دیکھا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید قوت حاصل ہو گئی ہے تو انہوں نے آپ کو تکالیف پہنچانے کا سلسلہ بند کر دیا، لیکن اپنے تمام ظلم و ستم اب وہ کمزور مسلمانوں پر ڈھانے لگے۔ جس قبیلے کا بھی کوئی شخص مسلمان ہو جاتا، وہ اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے، ایسے لوگوں کو قید کر دیتے، بھوکا پیاسا رکھتے، تپتی ریت پر لٹاتے، یہاں تک کہ اس کا یہ حال ہو جاتا کہ سیدھا بیٹھنے کے قابل بھی نہ رہتا۔ اس ظلم اور زیادتی پر سب سے زیادہ ابوجہل لوگوں کو اکساتا تھا۔

ایسے ہی لوگوں میں سے ایک حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ کا پورا نام بلال بن رباح تھا۔ یہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکے ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ پہلے عبداللہ بن جدعان تیمی کے غلام تھے۔ عبداللہ بن جدعان کے سو غلام تھے، یہ ان میں سے ایک تھے۔ جب اسلام کا آغاز ہوا، اور اس کا نور پھیلا تو عبداللہ بن جدعان نے اپنے 99 غلاموں کو اس خوف سے مکے سے باہر بھجوا دیا کہ کہیں وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ بس اس نے حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ یہ اس کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اسلام کی روشنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ تک بھی پہنچی۔ یہ ایمان لے آئے مگر انہوں نے اپنے اسلام کو چھپائے

رکھا۔ ایک روز انہوں نے کعبہ کے چاروں طرف رکھے بتوں پر گندگی ڈال دی۔ ساتھ ہی وہ ان پر تھوکتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

''جس نے تمہاری عبادت کی، وہ تباہ ہو گیا۔''

یہ بات قریش کو معلوم ہوئی۔ وہ فوراً عبداللہ بن جدعان کے پاس آئے... اور اس سے بولے:

''تم بے دین ہو گئے ہو۔''

اس نے حیران ہو کر کہا:

''کیا میرے بارے میں بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے؟''

اس پر وہ بولے:

''تمہارے غلام بلال نے آج ایسا ایسا کیا ہے۔''

''کیا!!!''

وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

☆☆☆☆☆

گئی، پھر وہ آگ میری کمر پر رکھ دی گئی اور پھر اس کو اس وقت تک نہ ہٹایا گیا جب تک کہ وہ آگ میری کمر کی چربی سے بجھ نہ گئی۔

ایسے ہی لوگوں میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ان کے دین سے پھیرنے کے لیے مشرکوں نے طرح طرح کے ظلم کیے، آگ سے جلا جلا کر عذاب دیے مگر وہ دین پر قائم رہے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو آگ سے جلا جلا کر تکالیف پہنچائی جا رہی تھیں۔ ان کی کمر پر جلنے کی وجہ سے کوڑھ جیسے سفید داغ پڑ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

''اے آگ! ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا، جیسا کہ تو ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو گئی تھی۔''

اس دعا کے بعد انہیں آگ کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر، ان کے والد یاسر، ان کے بھائی عبداللہ اور ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم، ان سبھی کو اللہ کا نام لینے کی وجہ سے سخت ترین عذاب دیے گئے۔ ایک روز جب انہیں تکالیف پہنچائی جا رہی تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گزرے، آپ نے ان کی تکالیف کو دیکھ کر فرمایا:

''اے اللہ! آل یاسر کی مغفرت فرما۔''

ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل کے چچا حذیفہ بن ابن مغیرہ نے ابوجہل کے حوالے کر دیا۔ یہ اس کی باندی تھیں۔ ابوجہل نے انہیں نیزہ مارا۔ اس سے وہ شہید ہو گئیں۔ اس طرح اسلام انہیں سب سے پہلی شہید ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ آخر انہی مظالم کی وجہ سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد یاسر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گئے۔

اپنے ان مظالم اور بدترین حرکات کے ساتھ ساتھ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا مطالبہ بھی کرتے رہتے تھے۔

ایک روز ابوجہل دوسرے سرداروں کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا:

"اے محمد! اگر تم سچے ہو تو ہمیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھاؤ، وہ بھی اس طرح کہ ایک ٹکڑا ابوقبیس پہاڑ پر نظر آئے اور دوسرا قعیقعان پہاڑ پر نظر آئے۔"

مطالبہ یہ تھا کہ دونوں ٹکڑے کوئی فاصلے پر ہوں تاکہ اس کے دو ٹکڑے ہونے میں کوئی شک نہ رہ جائے۔

اس روز مہینے کی چودھویں تاریخ تھی۔ چاند پورا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا:

"اگر میں ایسا کر دکھاؤں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟"

انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

"ہاں! بالکل! ہم ایمان لے آئیں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ آپ کے ہاتھ سے ایسا ہو جائے۔ چنانچہ چاند فوراً دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کا ایک حصہ ابوقبیس کے پہاڑ کے اوپر نظر آیا، دوسرا قعیقعان پہاڑ پر۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لو اب گواہی دو۔"

ان کے دلوں پر تو قفل پڑے تھے، کہنے لگے:

"محمد نے ہم لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔"

کچھ نے کہا:

"محمد نے چاند پر جادو کر دیا ہے، مگر ان کے جادو کا اثر ساری دنیا کے لوگوں پر نہیں ہو سکتا۔"

مشرکین کے مطالبات

ایک مشرک کہنے لگا

"آپ اسی طرح کھانا کھاتے ہیں جس طرح ہم کھاتے ہیں، اسی طرح بازاروں میں چلتے ہیں جس طرح ہم چلتے ہیں، ہماری طرح ہی زندگی کی ضروریات پوری کرتے ہیں، لہٰذا آپ کو یہ حق نہیں کہ نبی ہونے کا دعویٰ کریں اور یہ کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آتا جو آپ کی تصدیق کرتا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان کی آیت ۷ نازل فرمائی:

"ترجمہ: اور یہ کافر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈرایا کرتا۔ اس کے پاس غیب سے کوئی خزانہ آپڑتا یا اس کے پاس کوئی (غیبی) باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا اور ایمان والوں سے یہ ظالم لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم تو ایک بے عقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔"

پھر جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ہم میں سے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس کی آیت ۲ نازل فرمائی

''ترجمہ: کیا ان مکہ کے لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو اللہ کے احکامات کے خلاف چلنے پر ڈرائیں اور جو ایمان لے آئے، انہیں خوش خبری سنا دیں کہ انہیں اپنے رب کے پاس پہنچ کر پورا رتبہ ملے گا۔''

اس کے بعد ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''ہم پر آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارا رب جو چاہے کر سکتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم جس رحمٰن کا ذکر کرتے ہو وہ رحمٰن یمامہ کا ایک شخص ہے، وہ تمہیں یہ باتیں سکھاتا ہے، ہم لوگ اللہ کی قسم کبھی رحمٰن پر ایمان نہیں لائیں گے۔''

یہاں رحمٰن سے ان لوگوں کی مراد یمامہ کے ایک یہودی کاہن سے تھی۔ اس بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد کی آیت 30 نازل فرمائی:

''ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ وہی میرا مربی اور نگہبان ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور اسی کے پاس مجھے جانا ہے۔''

اس وقت آپ پر رنج اور غم کی کیفیت طاری تھی۔ آپ کی یہی خواہش تھی کہ وہ لوگ ایمان قبول کر لیں، لیکن ایسا نہ ہو سکا، اس لیے غمگین تھے، اسی حالت میں آپ وہاں سے اٹھ گئے۔

مشرکین نے اس قسم کی اور بھی فرمائشیں کیں۔ کبھی وہ کہتے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا کر دکھائیں، کبھی کہتے سیڑھی کے ذریعے آسمان پر چڑھ کر دکھائیں اور فرشتوں کے ساتھ واپس آئیں۔ ان کی تمام باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے آکر کہا:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیا جائے۔ اسی طرح ان کے جو مطالبات ہیں، ان کو بھی پورا کر دیا جائے، لیکن اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو پھر سابقہ قوموں کی

طرح ان پر ٹوٹتا کہ عذاب نازل ہوگا، ایسا عذاب کہ آج تک کسی قوم پر نازل نہیں ہوا ہوگا اور اگر آپ ایسا نہیں چاہتے تو میں ان پر رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں گا۔"

یہ سن کر آپ نے عرض کیا

"باری تعالیٰ! آپ اپنی رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھیں۔"

دراصل آپ جانتے تھے کہ قریش کے یہ مطالبات جہالت کی بنیاد پر ہیں، کیونکہ یہ لوگ رسولوں کو بھیجنے کی حکمت کو نہیں جانتے تھے... رسولوں کا بھیجا جانا تو دراصل مخلوق کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ رسولوں کی تصدیق کریں اور رب تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اگر اللہ تعالیٰ درمیان سے سارے پردے ہٹا دے اور سب لوگ آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیں تو پھر تو انبیا اور رسولوں کو بھیجنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور غیب پر ایمان لانے کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا۔

مکہ کے مشرکین نے دو یہودی عالموں کے پاس دو آدمی بھیجے۔ یہ یہودی عالم مدینے میں رہتے تھے۔ دونوں قاصدوں نے یہودی عالموں سے ملاقات کی اور ان سے کہا

"ہم آپ کے پاس اپنا ایک معاملہ لے کر آئے ہیں، ہم لوگوں میں ایک یتیم لڑکا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

یہ سن کر یہودی عالم بولے:

"ہمیں اس کا حلیہ بتاؤ۔"

قاصدوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بتا دیا، تب انہوں نے پوچھا:

"تم لوگوں میں سے کن لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"کم درجے کے لوگوں نے۔"

اب انہوں نے کہا:

"تم جا کر ان سے تین سوال کرو، اگر انہوں نے ان تین سوالات کے جوابات دے

تین سوال

پہلے ان سے ان نوجوانوں کے بارے میں سوال کرو جو پچھلے زمانے میں کہیں نکل گئے تھے۔ یعنی اصحاب کہف کے بارے میں پوچھو کہ ان کا کیا واقعہ تھا۔ اس لیے کہ ان کا واقعہ نہایت عجیب و غریب ہے، ہماری پرانی کتابوں کے علاوہ اس واقعے کا ذکر کہیں نہیں ملے گا۔ اگر وہ نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر پاکر ان کے بارے میں بتا دیں گے۔ ورنہ نہیں بتا سکیں گے۔

پھر ان سے یہ پوچھنا کہ سکندر ذوالقرنین کون تھا، اس کا کیا قصہ ہے۔ پھر ان سے روح کے بارے میں پوچھنا کہ وہ کیا چیز ہے۔ اگر انہوں نے پہلے دونوں سوالوں کا جواب دے دیا اور ان کا واقعہ بتا دیا اور تیسرے سوال یعنی روح کے بارے میں بتا دیا تو تم لوگ سمجھ لینا کہ وہ سچے نبی ہیں، اس صورت میں تم ان کی پیروی کرنا۔"

یہ لوگ یہ تین سوالات لے کر واپس مکہ آئے اور قریش سے کہا:

"ہم ایسی چیز لے کر آئے ہیں کہ اس سے ہمارے اور محمد کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔"

اس کے بعد انہوں نے ان سب کو تفصیل سنائی۔ اب یہ مشرکین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ انہوں نے آپ سے کہا:

"اے محمد! اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو ہمارے تین سوالات کے جوابات

گیا ہے... بالکل اسی قسم کا واقعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا تھا جب آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور میں پناہ لی تھی لیکن مشرکین غار کے منہ تک پہنچ جانے کے باوجود آپ کو نہیں دیکھ سکے تھے۔

اس واقعے میں بھی بعض روایات میں تفصیل اس طرح ہے کہ بادشاہ نے آدمیوں سے ان کا تعاقب کیا تھا، وہ غار تک پہنچ گئے تھے لیکن غار میں وہ ان لوگوں کو نظر نہیں آسکے تھے۔ قرآن کریم کا بیان ہے کہ اس غار میں صبح و شام دھوپ آتی جاتی ہے۔

یہ غار کس شہر کے کس پہاڑ میں ہے، یہ یقینی طور پر کسی کو معلوم نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹیں بدلواتے رہے۔ ان کا کتا بھی غار میں ان کے ساتھ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی قدرت کاملہ سے انہیں سلا دیا تھا، اسی طرح انہیں جگا دیا۔ وہ تین سو نو سال تک سوتے رہے تھے۔ اب تین سو نو سال بعد جاگے تو بالکل ایسے تھے جیسے ابھی کل ہی سوئے تھے۔

☆☆☆

نہ پڑ جائے۔ سو بہرحال ہمیں وقت بھی ہوشیاری سے کام لے کر ان کی نظروں میں نہ آئے۔ اگر انہیں ہمارے بارے میں معلوم ہو گیا تو پھر ہماری خیر نہیں۔ دقیانوس کے آدمی ابھی تک ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔"

چنانچہ ان میں سے ایک غار سے باہر نکلا۔ اسے سارا نقشہ ہی بدلا نظر آیا۔ اب اسے کیا معلوم تھا کہ وہ تین سو نو سال تک سوتے رہے ہیں۔ اس نے دیکھا کوئی چیز اپنے پہلے حال پر نہیں تھی۔ شہر میں کوئی بھی اسے جانا پہچانا نظر نہ آیا۔ یہ حیران تھا، پریشان تھا اور ڈرتے ڈرتے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کل شام تو ہم اس شہر کو چھوڑ کر گئے ہیں، پھر یہ اچانک کیا ہو گیا ہے۔ جب زیادہ پریشان ہوا تو اس نے اپنے دل میں فیصلہ کیا۔ مجھے جلد از جلد سودا لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔

آخر وہ ایک دکان پر پہنچا۔ دکاندار کو پیسے دیے اور کھانے پینے کا سامان طلب کیا۔ دکاندار اس سکے کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے وہ سکہ ساتھ والے دکاندار کو دکھایا اور بولا:

"بھائی ذرا دیکھنا، یہ سکہ کس زمانے کا ہے؟"

اس نے دوسرے کو دیا۔ اس طرح سکہ کئی ہاتھوں میں گھوم گیا۔ کئی آدمی وہاں جمع ہو گئے۔ آخر انہوں نے اس سے پوچھا:

"تم یہ سکہ کہاں سے لائے ہو... تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟"

جواب میں اس نے کہا:

"میں تو اسی شہر کا رہنے والا ہوں۔ کل شام ہی کو تو یہاں سے گیا ہوں، یہاں کا بادشاہ دقیانوس ہے۔"

وہ سب اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور بولے:

"یہ تو کوئی پاگل ہے، اسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے چلو۔"

آخر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہاں اس سے سوالات ہوئے۔ اس نے تمام

حال کہہ سنایا۔

بادشاہ اور سب لوگ ان کی زبانی سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ آخر نوجوانوں نے کہا:

"اچھا ٹھیک ہے... تم ہمیں اپنے ساتھیوں کے پاس لے چلو... وہ غار میں ابھی رکے ہوئے ہیں۔"

چنانچہ سب لوگ ان کے ساتھ غار کی طرف روانہ ہوئے۔ ان نوجوانوں نے ساتھیوں سے مل کر انہیں بتایا کہ دقیانوس کی بادشاہت ختم ہوئے تین صدیاں بیت چکی ہیں اور اب یہاں اللہ کے نیک بندوں کی حکومت ہے۔ بہرحال ان نوجوانوں نے اپنی بقیہ زندگی اسی غار میں گزاری اور وہیں وفات پائی۔ بعد میں لوگوں نے ان کے اعزاز کے طور پر پہاڑ کی بلندی پر ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب شہر جانے والا نوجوان دوسروں کو لے کر غار کے قریب پہنچا تو اس نے کہا:

"تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں جا کر انہیں خبر کر دوں۔"

اب وہ ان سے الگ ہو کر غار میں داخل ہو گیا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان پر پھر نیند طاری کر دی... بادشاہ اور اس کے ساتھی انہیں تلاش کرتے رہ گئے... نہ وہ غار ملا، نہ وہ نوجوان انہیں نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نظروں سے غار کو اور ان سب کو چھپا دیا۔

ان کے بارے میں لوگ خیال ظاہر کرتے رہے کہ وہ سات تھے، آٹھواں ان کا کتا تھا، یا وہ نو تھے، دسواں ان کا کتا تھا۔ بہرحال ان کی گنتی کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

"ان کے بارے میں زیادہ بحث نہ کریں اور نہ ان کے بارے میں کسی سے دریافت کریں (کیونکہ ان کے بارے میں لوگ اپنی طرف سے باتیں کرتے ہیں۔ کوئی صحیح دلیل ان کے پاس نہیں)۔"

مشرکین کا دوسرا سوال تھا، ذوالقرنین کون تھا۔ ذوالقرنین کے بارے میں تفصیلات یوں ملتی ہیں:

ذوالقرنین ایک نیک دل، رحمدل اور زبردست بادشاہ تھے۔ انھوں نے تین بڑی مہمات سر کیں۔ پہلی مہم میں وہ اس مقام تک پہنچے، جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔ یہاں انہیں ایک الٹی قوم ملی جس کے بارے میں اللہ نے انہیں اختیار دیا کہ چاہیں تو اس قوم کو سزا دیں، چاہیں تو ان کے ساتھ نیک سلوک کریں۔

ذوالقرنین نے کہا کہ

"جو شخص ظالم ہے، ہم اسے سزا دیں گے اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بھی اسے سزا دیں گے، البتہ مومن بندوں کو نیک بدلہ ملے گا۔"

دوسری مہم میں وہ اس مقام تک پہنچے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔ وہاں انہیں ایسے لوگ ملے جن کے مکانات کی کوئی چھت وغیرہ نہیں تھی۔ تیسری مہم میں وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے، یہاں کے لوگ ان کی بات نہیں سمجھتے تھے۔ انھوں نے اشاروں میں یا ترجمان کے ذریعے یاجوج ماجوج کی تباہ کاریوں کا شکوہ کرتے ہوئے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے اور یاجوج ماجوج کے درمیان ایک بند بنا دیں۔ ذوالقرنین نے لوہے کی چادریں منگوائیں۔ پھر ان سے ایک دیوار بنا دی۔ اس میں تانبا پگھلا کر ڈالا گیا۔ اس کام کے ہونے پر ذوالقرنین نے کہا:

"یہ اللہ کا فضل ہے کہ مجھ سے اتنا بڑا کام ہو گیا۔"

قیامت کے قریب یاجوج ماجوج اس دیوار کو توڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ذوالقرنین کے بارے میں مختلف وضاحتیں کتابوں میں ملتی ہیں۔ قرنین کے معنی دو سینگوں کے ہیں۔ ذوالقرنین دنیا کے دو کناروں تک پہنچے تھے اس لیے انہیں ذوالقرنین کہا گیا۔

بعض نے قرن کے معنی سینگ کے لیے ہیں یعنی دو سینگوں والے۔ ان کا نام سکندر تھا لیکن یہ یونان کے سکندر نہیں ہیں جسے سکندر اعظم کہا جاتا ہے۔ یونانی سکندر کافر تھا جبکہ یہ مسلمان اور ولی اللہ تھے۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام ان کی فوج کا جھنڈا اٹھانے والے تھے۔

تیسرے سوال یعنی روح کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے قائم ہے، یعنی روح کی حقیقت اسی کے علم میں ہے۔ اس کے سوا اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔"

روح کے بارے میں یہودیوں کی کتابوں میں بھی بالکل یہی بات درج تھی کہ روح اللہ کے حکم سے قائم ہے۔ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور اس نے اپنے سوا کسی کو نہیں دیا۔ یہودیوں نے مشرکوں سے پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ اگر انہوں نے روح کے متعلق کچھ بتایا تو سمجھ لینا، وہ نبی نہیں ہیں اور اگر صرف یہ کہا کہ روح اللہ کے حکم سے قائم ہے تو سمجھ لینا کہ وہ سچے نبی ہیں۔ آپ نے بالکل یہی جواب ارشاد فرمایا۔

لگے ہاتھوں یہاں ایک واقعہ بھی سن لیں، جب مسلمانوں نے ہندوستان فتح کیا تو ہندو مذہب کا ایک عالم مسلمان عالموں سے مناظرہ کرنے کے لیے آیا۔ اس نے مطالبہ کیا، میرے مقابلے میں کسی عالم کو بھیجو۔ اس پر لوگوں نے امام رکن الدین کی طرف اشارہ کیا۔

حق دلوادیا

اب اس ہندو عالم نے ان سے پوچھا

"تم کس کی عبادت کرتے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا:

"ہم اس اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو سامنے نہیں ہے۔"

اس پر اس ہندو عالم نے پوچھا:

"تمہیں اس کی خبر کس نے دی؟"

امام برکت اللہ بولے۔

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے۔"

اس پر اس ہندو نے کہا:

"تمہارے پیغمبر نے روح کے بارے میں کیا کہا ہے؟"

امام بولے

"یہ کہ روح میرے رب کے حکم سے قائم ہے۔"

اس پر اس ہندو عالم نے کہا

"تم سچ کہتے ہو۔"

اونٹ واقعی بہت عمدہ تھے۔ آپ نے اس سے ان کا بھاؤ کیا اور آخر خوش دلی سے سودا طے ہوگیا۔ آپ نے وہ اونٹ اس سے خرید لیے۔ پھر آپ نے ان میں سے دو زیادہ عمدہ اونٹ فروخت کر دیے اور ان کی قیمت بیوہ عورتوں میں تقسیم فرما دی۔ وہیں بازار میں ابوجہل بیٹھا تھا۔ اس نے یہ سودا ہوتے دیکھا، لیکن ایک لفظ نہ بول سکا۔ آپ اس کے پاس آئے اور فرمایا:

''خبردار عمرو! (ابوجہل کا نام) اگر تم نے آئندہ ایسی حرکت کی تو بہت سختی سے پیش آؤں گا۔''

یہ سنتے ہی وہ خوف زدہ انداز میں بولا:

''محمد! میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا..... میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔''

اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے لوٹ آئے۔ ادھر راستے میں امیہ بن خلف ابوجہل سے ملا۔ اس کے ساتھ دوسرے ساتھی بھی تھے۔ ان لوگوں نے ابوجہل سے پوچھا:

''تم تو محمد کے ہاتھوں بہت رسوا ہو کر آ رہے ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو تم ان کی پیروی کرنا چاہتے ہو یا تم ان سے خوف زدہ ہو گئے ہو۔''

اس پر ابوجہل نے کہا:

''میں ہرگز محمد کی پیروی نہیں کر سکتا، میری جو کمزوری تم نے دیکھی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا تو ان کے دائیں بائیں بہت سارے آدمی نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے اور بھالے تھے اور وہ ان کو میری طرف لہرا رہے تھے۔ اگر میں اس وقت ان کی بات نہ مانتا تو وہ سب لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑتے۔''

ابوجہل ایک یتیم کا سرپرست بنا، پھر اس کا سارا مال غصب کر کے اسے نکال باہر کیا۔ وہ یتیم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوجہل کے خلاف فریاد لے کر آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس یتیم کو لیے ابوجہل کے پاس پہنچے۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''اس یتیم کا مال واپس کر دو۔''

ابوجہل نے فوراً مال اس لڑکے کے حوالے کر دیا۔ مشرکین کو یہ بات معلوم ہوئی تو بہت حیران ہوئے۔ انھوں نے ابوجہل سے کہا:

''کیا بات ہے، تم اس قدر بزدل کب سے ہو گئے کہ فوراً ہی مال اس لڑکے کے حوالے کر دیا۔''

اس پر اس نے کہا:

''تمہیں نہیں معلوم، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں مجھے بہت خوفناک ہتھیار نظر آ رہے تھے۔ میں ان سے ڈر گیا۔ اگر میں اس یتیم کا مال نہ لوٹاتا تو وہ ان ہتھیاروں سے مجھے مار ڈالتے۔''

قبیلہ خثعم کی ایک شاخ اراش تھی۔ اس کے ایک شخص سے ابوجہل نے کچھ اونٹ خریدے، لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس نے قریش کے لوگوں سے فریاد کی۔ ان لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کا پروگرام بنالیا۔ انھوں نے اس اراشی سے کہا:

''تم محمد کے پاس جا کر فریاد کرو۔''

ایسا انھوں نے اس لیے کہا تھا کہ ان کا خیال تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

اراشی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ نے فوراً اسے ساتھ لیا اور ابوجہل کے مکان پر پہنچ گئے۔ اس کے دروازے پر دستک دی۔ ابوجہل نے اندر سے پوچھا:

''کون ہے؟''

آپ نے فرمایا

''محمد!''

ابوجہل فوراً باہر نکل آیا۔ آپ کا نام سنتے ہی اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

"اس شخص کا حق فوراً ادا کر دو۔"

اس نے کہا

"بہت اچھا! ابھی لیجیے۔"

اس نے اسی وقت اس کا حق ادا کر دیا۔ اب وہ شخص واپس اسی قریش کی مجلس میں آیا اور ان سے بولا۔

"اللہ تعالیٰ ان (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو جزائے خیر دے۔ اللہ کی قسم! انہوں نے میرا حق مجھے دلوا دیا۔"

مشرک لوگوں نے بھی اپنا ایک آدمی ان کے پیچھے بھیجا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ دیکھتا رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ واپس آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا

"ہاں! تم نے کیا دیکھا؟"

جواب میں اس نے کہا۔

"میں نے ایک بہت ہی عجیب اور حیرت ناک بات دیکھی ہے۔"

☆☆☆

مشرکین کی گستاخیاں

"اللہ کی قسم! محمد نے جیسے ہی اس کے دروازے پر دستک دی تو وہ فوراً اس حالت میں باہر نکل آیا کہ اس کا چہرہ بالکل بے جان ہو رہا تھا۔ محمد نے اس سے کہا کہ اس کا حق ادا کر دو، وہ بولا: بہت اچھا۔ یہ کہہ کر وہ اندر گیا اور اسی وقت اس کا حق لا کر دے دیا۔"

قریشی سردار یہ سارا واقعہ سن کر بہت حیران ہوئے۔ اب انہوں نے ابوجہل سے کہا:

"تمہیں شرم نہیں آتی، جو حرکت تم نے کی، ایسی تو ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔"

جواب میں اس نے کہا:

"تمہیں کیا پتہ، جونہی محمد نے میرے دروازے پر دستک دی اور میں نے ان کی آواز سنی تو میرا دل خوف اور دہشت سے بھر گیا۔ پھر میں باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت قد آور اونٹ میرے سر پر کھڑا ہے۔ میں نے آج تک اتنا بڑا اونٹ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اگر میں ان کی بات ماننے سے انکار کر دیتا تو وہ اونٹ مجھے کھا جاتا۔"

جو مشرک ایسے تھے جو مستقل طور پر آپ کا مذاق اڑایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: یہ لوگ جو آپ پر ہنستے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود قرار دیتے ہیں، ان سے آپ کے لیے ہم کافی ہیں۔ (سورۃ الحجر: آیت ۹۵)۔

ان مذاق اڑانے والوں میں ابوجہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط، حکم ابن عاص بن امیہ

(جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچا تھا) اور عاص بن وائل شامل تھے۔

ابولہب کی حرکات میں سے ایک حرکت یہ بھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر گندگی پھینک جایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ یہی حرکت کر کے جا رہا تھا کہ اسے اس کے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے وہ گندگی اٹھا کر فوراً ابولہب کے سر پر ڈال دی۔

اسی طرح عقبہ بن ابی معیط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر گندگی ڈال جایا کرتا تھا۔ عقبہ نے ایک روز آپ کے چہرہ مبارک کی طرف تھوکا، وہ تھوک لوٹ کر اسی کے چہرے پر آ پڑا۔ جس حصے پر وہ تھوک گرا، وہاں کوڑھ جیسا نشان بن گیا۔

ایک مرتبہ عقبہ بن ابی معیط سفر سے واپس آیا تو اس نے ایک بڑی دعوت دی۔ تمام قریشی سرداروں کو کھانے پر بلایا۔ اس موقعے پر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلایا مگر جب کھانا مہمانوں کے سامنے چنا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک کہ تم یہ نہ کہو، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

چوں کہ مہمان نوازی عرب کے لوگوں کی خاص علامت تھی اور وہ مہمان کو کسی قیمت پر ناراض نہیں ہونے دیتے تھے اس لیے عقبہ نے کہہ دیا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا لیا۔ کھانے کے بعد سب لوگ اپنے گھر چلے گئے۔ عقبہ بن ابی معیط، ابی بن خلف کا دوست تھا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ عقبہ نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ ابی بن خلف اس کے پاس آیا اور بولا:

''عقبہ! کیا تم بے دین ہو گئے ہو؟''

جواب میں اس نے کہا:

"خدا کی قسم! میں بے دین نہیں ہوا (یعنی مسلمان نہیں ہوا ہوں)۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ایک معزز آدمی میرے گھر آیا اور اس نے یہ عہد کیا کہ میں جب تک اس کے کہنے کے مطابق توحید کی گواہی نہیں دوں گا، وہ میرے ہاں کھانا نہیں کھائے گا۔ مجھے اس بات سے شرم آئی کہ ایک شخص میرے گھر آئے اور کھانا کھائے بغیر چلا جائے۔ اس لئے میں نے وہ الفاظ کہہ دیے اور اس نے کھانا کھایا، لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں نے وہ کلمہ دل سے نہیں کہا تھا۔"

یہ بات سن کر ابی بن خلف کا اطمینان نہ ہوا، اس نے کہا:

"میں اس وقت تک نہ راضی ہوں گا، نہ تمہارے پاس آؤں گا، نہ تمہاری شکل دیکھوں گا جب تک کہ تم محمد کا منہ نہ چڑاؤ، ان کے منہ پر تھوکو اور ان کے منہ پر تھپڑ مارو۔"

یہ سن کر عقبہ نے کہا:

"یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

اس کے بعد جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بدبخت کے سامنے آئے، اس نے آپ کا منہ چڑایا، آپ کے چہرہ مبارک پر تھوکا، لیکن اس کا تھوک آپ کے چہرہ مبارک تک نہ پہنچا بلکہ خود اس کے منہ پر آ کر گرا۔ اس نے محسوس کیا، گویا آگ کا کوئی انگارہ اس کے چہرے پر آ گیا ہے۔ اس کے چہرے پر جلنے کا نشان باقی رہ گیا اور مرتے دم تک رہا۔

اسی عقبہ بن معیط کے بارے میں سورۂ فرقان کی آیت 37 نازل ہوئی:

ترجمہ: جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا، کیا ہی اچھا ہوتا، میں رسول کے ساتھ دین کی راہ پر لگ جاتا۔

اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

"جس روز ظالم آدمی جہنم میں کہنی تک اپنا ایک ہاتھ دانتوں سے کاٹے گا، پھر دوسرے ہاتھ کو کاٹ کر کھانے لگے گا، جب دوسرا کھا چکے گا تو پہلا پھر اگ آئے گا اور وہ اس کو کاٹے

کہ ہم بے عزتی اسی طرح گنہگار ہے جاتے۔"

اسی طرح حکم بن عاص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیاں کرتا تھا۔ ایک روز آپ کہیں جا رہے تھے، یہ آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ کا مذاق اڑانے لگا۔ منہ اور ناک سے طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگا۔ آپ چلتے چلتے اس کی طرف مڑے اور فرمایا:

"تو ایسا ہی ہو جا۔"

چنانچہ اس کے بعد یہ ایسا ہو گیا کہ اس کے منہ اور ناک سے ایسی ہی آوازیں نکلتی رہتی تھیں۔ ایک ماہ تک بے ہوشی کی حالت میں رہا۔ اس کے بعد مرتے دم تک اس کے منہ اور ناک سے ایسی ہی آوازیں نکلتی رہیں۔

اسی طرح عاص بن وائل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا:

"محمد اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو (نعوذ باللہ) یہ کہہ کر دھوکا دے رہے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، خدا کی قسم ہماری موت صرف زمانے کی گردش اور وقت کے گزرنے کی وجہ سے آتی ہے۔"

اسی عاص بن وائل کا ایک واقعہ یہ ہے۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ مکہ میں لوہار کا کام کرتے تھے، تلواریں بناتے تھے۔ انہوں نے عاص بن وائل کو کچھ تلواریں فروخت کی تھیں، ان کی اس نے ابھی قیمت ادا نہیں کی تھی۔ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اس سے قیمت کا تقاضا کرنے کے لیے گئے تو اس نے کہا:

"خباب! محمد جس دین پر چلتے ہیں کیا اس میں یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ جنت والوں کو سونا، چاندی جتنی چاہیں گے، خدمت گار اور اولاد جس قدر چاہیں گے ملیں گی؟"

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بولے:

"ہاں! ایسی بات ہے۔"

اب خانم نے ان سے کہا

''میں اس وقت تک تمہارا قرض نہیں دوں گا جب تک کہ تم محمد کے دین کا انکار نہیں کر دو گے۔''

☆☆☆

اڑانے والوں میں شامل تھا۔

ان میں سے ہر ایک ہجرت سے پہلے ہی مختلف آفتوں اور بلاؤں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گئے۔

ان مذاق اڑانے والوں میں سے ایک حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ بھی تھا۔ یہ بہت مال دار تھا۔ قریش کے دولت مندوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ حج کے زمانے میں تمام حاجیوں کو کھانا کھلاتا تھا، کسی کو چولہا جلانے نہیں دیتا تھا، لوگ اس کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ اس پر قصیدے پڑھتے تھے۔ اس کے بہت سے باغات تھے۔ ایک باغ تو ایسا تھا جس میں تمام سال پھل لگتا تھا لیکن اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر تکلیف پہنچائیں کہ آپ نے اس کے لیے بد دعا فرمائی۔ اس کے بعد اس کا تمام مال، کھیتیاں، باغات تباہ ہو گئے، یہاں تک کہ دنیا میں اس کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہا۔

ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اس وقت آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو مذاق اڑانے والوں سے نجات دلاؤں۔"

ایسے میں ولید بن مغیرہ اس طرف سے گزرا۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"آپ اسے کیسا سمجھتے ہیں؟"

آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا ایک برا بندہ ہے۔"

یہ سن کر حضرت جبرئیل نے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا اور بولے:

"میں نے اسے ابھی ٹھکانے لگا دیا ہے۔"

پھر عاص بن وائل سامنے سے گزرا تو جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا:

"اسے آپ کیسا آدمی پاتے ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ تو ایک برا بندہ ہے۔"

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا، پھر بولے:

"میں نے اسے انجام تک پہنچا دیا ہے۔"

اس کے بعد اسود وہاں سے گزرا۔ اس کے بارے میں بھی آپ نے یہی فرمایا کہ برا آدمی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا اور بولے "میں نے اسے انجام تک پہنچا دیا ہے۔" پھر حارث بن عیطلہ گزرا۔ حضرت جبرئیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "میں نے اسے انجام تک پہنچا دیا ہے۔"

اس واقعے کے بعد اسود بن عبد یغوث اپنے گھر سے نکلا تو اس کو لو کے تھپیڑوں نے جھلسا دیا۔ اس کا چہرہ جل کر بالکل سیاہ ہو گیا۔ جب یہ واپس اپنے گھر میں داخل ہوا تو گھر کے لوگ اسے پہچان نہ سکے۔ انہوں نے اسے گھر سے نکال دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ زبردست پیاس میں مبتلا ہو گیا۔ مسلسل پانی پیتا رہتا تھا، یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا۔

حارث بن عیطلہ کے ساتھ یہ ہوا کہ اس نے ایک نمکین مچھلی کھائی۔ اس کے بعد اسے شدید پیاس لگ گئی۔ یہ پانی پیتا رہا، یہاں تک کہ اس کا بھی پیٹ پھٹ گیا۔

ولید بن مغیرہ ایک روز ایک شخص کے پاس سے گزرا، وہ تیر بنا رہا تھا۔ اتفاق سے ایک تیر اس کے کپڑے میں الجھ گیا۔ ولید نے تکبر کی وجہ سے جھک کر اس کا تیر نکالنے کی کوشش نہ کی اور آگے بڑھنے لگا تو وہ تیر اس کی پنڈلی میں چبھ گیا۔ اس کی وجہ سے زہر پھیل گیا اور وہ مر گیا۔

عاص بن وائل کے تلوے میں ایک کانٹا چبھا۔ اس کی وجہ سے اس کے پیر پر اتنا ورم آ گیا کہ وہ چکی کے پاٹ کی طرح ہو گیا۔ اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق یہ لوگ ایک ہی رات میں ہلاک

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لاتے ہیں

اسی طرح حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت عامر ابن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیوی کے ساتھ ہجرت کی۔ جن حضرات نے تنہا ہجرت کی، ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف، حضرت عثمان ابن مظعون، حضرت سہیل بن بیضا، حضرت زبیر ابن عوام اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم۔

کفار کو جب ان کی ہجرت کا پتا چلا تو وہ تعاقب میں دوڑے، لیکن اس وقت تک یہ حضرات بحری جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ وہ جہاز تاجروں کے تھے۔ اس طرح یہ حضرات حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد ان لوگوں نے ایک غلط خبر سنی۔ وہ یہ تھی کہ تمام قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد حبشہ کے بہت سے مہاجرین مکہ روانہ ہوئے۔ نزدیک پہنچ کر پتا چلا کہ اطلاع غلط تھی۔ اب انہوں نے حبشہ جانا مناسب نہ سمجھا اور کسی نہ کسی کی پناہ حاصل کر کے مکہ میں داخل ہو گئے۔

پناہ حاصل کرنے والے ان مہاجرین نے جب سچے مسلمان بھائیوں پر اسی طرح بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ظلم و ستم ہوتے دیکھے تو انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ ہم پناہ کی وجہ سے اس ظلم سے محفوظ رہیں لہٰذا تو انہوں نے اپنی اپنی پناہ لوٹا دی اور کہا کہ ہم بھی اپنے بھائیوں کے

ساتھ ظلم و ستم کا نشانہ بنا دیتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک اسلام دشمنی پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ ایک روز وہ تلوار لیے ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ان کی ملاقات ایک قریشی شخص سے ہوئی۔ ان کا نام حضرت نعیم ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا۔ یہ اس وقت تک اپنی قوم کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ یہ پریشان ہو گئے، ان سے پوچھا: "کیا ارادے ہیں؟" وہ بولے:

"محمد کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔"

یہ سن کر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

"پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلال میں آ گئے۔ بہن کے گھر کا رخ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن کا نام فاطمہ تھا۔ ان کے شوہر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی بھی تھے۔ ادھر خود حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔

بہن کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے دستک دی۔ اندر سے پوچھا گیا: "کون ہے؟" انہوں نے اپنا نام بتایا تو اندر یک لخت خاموشی چھا گئی۔

اندر اس وقت حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ انہیں قرآن پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے فوراً قرآن کے اوراق چھپا دیے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

"اے اپنی جان کی دشمن! میں نے سنا ہے تو بے دین ہو گئی ہے۔"

ساتھ ہی انہوں نے انہیں مارا۔ ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔ خون دیکھ کر بولیں:

"عمر! تم چاہے کچھ کر لو، میں مسلمان ہو چکی ہوں۔"

نجاشی کے دربار میں

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں نے حرم کا طواف شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ مسلمانوں نے حرم کے گرد نماز ادا کی۔ سب نے بلند آواز سے قرآن کی تلاوت بھی کی۔ جب کہ اس سے پہلے مسلمان ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

اب تمام قریش نے مل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں سے کہا:

"تم ہم سے دوگنا خون بہا لے لو اور اس کی اجازت دے دو کہ قریش کا کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے تاکہ تمہیں سکون مل جائے اور ہمیں فائدہ پہنچ جائے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر قریش نے غصے میں آ کر یہ طے کیا کہ تمام بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے اور ساتھ ہی انہوں نے طے کیا کہ بنو ہاشم کو بازاروں میں نہ آنے دیا جائے تاکہ وہ کوئی چیز نہ خرید سکیں۔ ان سے شادی بیاہ نہ کیا جائے اور نہ ان کے لیے کوئی صلح قبول کی جائے۔ ان کے معاملے میں کوئی نرم دلی نہ دکھائی جائے۔ بعض ان پر کچھ بھی

ہمارے معبودوں سے جدا ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کا دین بھی اختیار نہیں کیا۔ یہ ایک ایسے دین میں داخل ہو گئے ہیں جس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ۔ اب ہمیں قریش کے بڑے سرداروں نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔"

یہ سن کر نجاشی نے کہا:

"وہ لوگ کہاں ہیں؟"

انہوں نے کہا:

"آپ ہی کے پاس ہیں۔"

نجاشی نے انہیں بلانے کے لیے فوراً آدمی بھیج دیے۔ ایسے میں ان پادریوں اور دوسرے سرداروں نے کہا:

"آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیں، اس لیے کہ ان کے بارے میں یہ زیادہ جانتے ہیں۔"

نجاشی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا:

"پہلے میں ان سے بات کروں گا کہ وہ کس دین پر ہیں۔"

اب مسلمان دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"نجاشی سے بات میں کروں گا۔"

ادھر نجاشی نے تمام عیسائی عالموں کو دربار میں طلب کر لیا تھا تا کہ مسلمانوں کی باتیں سن سکیں۔ وہ اپنی کتابیں بھی اٹھا لائے تھے۔

مسلمانوں نے دربار میں داخل ہوتے وقت اسلامی طریقے کے مطابق سلام کیا، بادشاہ کو سجدہ نہ کیا۔ اس پر نجاشی بولا:

"کیا بات ہے، تم نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

"ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ایک رسول بھیجے

یہ تو وہی کلام ہے

اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کے رسول نے ہمیں نماز کا حکم دیا ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔''

اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو بھڑکانے کے لیے اس سے کہا:

''یہ لوگ ابن مریم یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے مختلف عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ انہیں اللہ کا بیٹا نہیں مانتے۔''

اس پر نجاشی نے پوچھا:

''تم لوگ عیسیٰ ابن مریم اور مریم علیہا السلام کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ان کے بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یعنی کہ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔''

پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بادشاہ کے دربار میں یہ تقریر کی:

''اے بادشاہ! ہم ایک گمراہ قوم تھے، پتھروں کو پوجتے تھے، مردار جانوروں کا گوشت کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ رشتے داروں کے حقوق غصب کرتے تھے۔ پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے۔ ہمارا ہر طاقت ور آدمی، کمزور کو دبا لیتا تھا۔ یہ تھی

''ہمیں کچھ اور آیات سناؤ۔''

اس پر حضرت جعفر نے کچھ اور آیات سنائیں۔ تب نجاشی نے کہا:

''اللہ کی قسم! یہ تو وہی کلام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ خدا کی قسم میں ان لوگوں کو کبھی تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔''

اس طرح قریش وفد ناکام لوٹا۔ دوسری طرف مکہ کے مسلمان اسی طرح گھاٹی شعب ابی طالب میں مقیم تھے۔ وہ اس میں تین سال تک رہے۔ یہ تین سال بہت مصیبتوں کے تھے۔ اسی گھاٹی میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ یہ حالات دیکھ کر کچھ نرم دل قریشی لوگ بھی غمگین ہوتے تھے۔ ایسے لوگ کچھ کھانا پینا ان حضرات تک کسی نہ کسی طرح پہنچا دیا کرتے تھے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ قریش کے لکھے ہوئے معاہدے کو دیمک نے چاٹ لیا ہے۔

معاہدے کے الفاظ میں سے سوائے اللہ کے نام کے اور کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ابو طالب کو بتائی۔ ابو طالب فوراً گئے اور قریش کے لوگوں سے کہا:

''تمہارے عہد نامے کو دیمک نے چاٹ لیا ہے اور یہ خبر مجھے میرے بھتیجے نے دی ہے، اس معاہدے پر صرف اللہ تعالیٰ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ اگر بات اسی طرح ہے جیسا کہ میرے بھتیجے نے بتایا ہے تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے، لیکن اگر تم اب بھی باز نہ آئے تو پھر سن لو، اللہ کی قسم! جب تک ہم میں آخری آدمی بھی باقی ہے، اس وقت تک ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔''

یہ سن کر قریش نے کہا:

''ہمیں تمہاری بات منظور ہے... ہم معاہدے کو دیکھ لیتے ہیں۔''

اب انہوں نے معاہدہ منگوایا۔ اس کو واقعی دیمک چاٹ چکی تھی۔ صرف اللہ کا نام باقی تھا۔ اس طرح مشرک اس معاہدے سے باز آ گئے۔ یہ معاہدہ جس شخص نے لکھا تھا، اس کا

بائیکاٹ ختم ہو گیا تھا۔

معاہدہ کا یہ حال دیکھنے کے بعد قریشی لوگ شعب ابی طالب پہنچے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں سے کہا:

''آپ اپنے اپنے گھروں میں آ جائیں، وہ معاہدہ اب ختم ہو گیا ہے۔''

اس طرح تین سال بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی اپنے گھروں میں لوٹ آئے اور ظلم کا یہ باب بند ہوا۔

اس واقعے کے بعد نجران کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ عیسائی تھے۔ نجران ان کی بستی کا نام تھا۔ یہ بستی یمن اور مکے کے درمیان واقع تھی اور مکے سے قریباً سات منزل دور تھی۔ اس وفد میں بیس آدمی تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انہیں ان مہاجرین سے معلوم ہوا تھا جو مکے سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حرم میں تھے۔ یہ لوگ آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ ادھر قریشِ مکہ بھی آس پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنے کان آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس وفد کی بات چیت کی طرف لگا دیے۔

☆☆☆☆

غم کا سال

جب نجران کے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کر چکے تو آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ قرآن کریم کی کچھ آیات پڑھ کر سنائیں۔ آیات سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان کے دلوں نے اس کلام کی سچائی کی گواہی دے دی، چنانچہ فوراً ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ ان لوگوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور خبریں پڑھ رکھی تھیں، اس لیے آپ کو دیکھ کر پہچان گئے کہ آپ ہی نبی آخر الزماں ہیں۔

اس کے بعد یہ لوگ اٹھ کر جانے لگے تو ابوجہل اور چند دوسرے قریشی سرداروں نے انہیں روکا اور کہا:

''خدا تمہیں رسوا کرے، تمہیں بھیجا تو اس لیے گیا تھا کہ تم یہاں اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کر کے انہیں بتاؤ مگر تم اس کے پاس بیٹھ کر اپنا دین ہی چھوڑ بیٹھے... تم سے زیادہ احمق اور بے عقل قافلہ ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔''

اس پر نجران کے لوگوں نے کہا:

''تم لوگوں کو ہمارا سلام ہے... ہم سے تمہیں کیا واسطہ، تم اپنے کام سے کام رکھو، ہمیں اپنی مرضی سے کام کرنے دو۔''

اس طرح یہ صاحب جو آپ پر سے جنات کا اثر اتارنے کی نیت سے آئے تھے، خود مسلمان ہو گئے۔ ایسے اور بھی بہت سے واقعات پیش آئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو دس سال کا عرصہ گزر چکا تو آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انتقال کر گئیں۔ اس سے چند دن پہلے ابو طالب فوت ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حجون کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اترے۔ انتقال کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 65 سال تھی۔ اس وقت تک نماز جنازہ کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اس سال کو سیرت نگاروں نے عام الحزن یعنی غم کا سال قرار دیا۔ کیونکہ ہر موقع پر ساتھ دینے والی دو ہستیاں اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں۔ آپ ہر وقت غمگین رہنے لگے۔ گھر سے بھی کم نکلتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد پچیس سال تک آپ کے ساتھ رہیں، اتنی طویل مدت تک آپ کا اور ان کا ساتھ رہا تھا۔

ابو طالب جب بیمار ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنے کے لیے آئے۔ اس وقت قریش کے سردار بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے چچا سے فرمایا:

"چچا! آپ لا الہ الا اللہ پڑھ لیجیے تاکہ میں قیامت کے دن آپ کی شفاعت کر سکوں۔"

اس پر ابو طالب نے کہا:

"خدا کی قسم بھتیجے! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے بعد لوگ تمہیں اور تمہارے خاندان والوں کو شرم اور عار دلائیں گے اور قریش یہ کہیں گے کہ میں نے موت کے ڈر سے یہ کلمہ کہہ دیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر ضرور تمہارا دل ٹھنڈا کرتا۔ میں جانتا ہوں تمہاری یہ کتنی خواہش ہے کہ میں یہ کلمہ پڑھ لوں... مگر میں اپنے بزرگوں کے دین پر مرتا ہوں۔"

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"آپ جسے چاہیں، ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ جسے اللہ چاہے، ہدایت دیتا ہے اور

ہدایت پانے والوں کا خوب علم رکھتا ہے۔" (سورۃ القصص آیت 56)

اس طرح ابو طالب مرتے دم تک کافر ہی رہے۔ کفر پر ہی مرے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا" اے اللہ کے رسول! ابو طالب ہمیشہ آپ کی مدد اور حمایت کرتے رہے، کیا اس سے انہیں آخرت میں فائدہ پہنچے گا۔" جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! مجھے ان کی قیامت کے دن کی حالت دکھائی گئی ہے۔ میں نے انہیں جہنم کے اوپر والے حصے میں پایا، ورنہ وہ جہنم کے نچلے حصے میں ہوتے۔" (بخاری، مسلم)

ابو طالب کے مرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خدا کی قسم! میں اس وقت تک آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا، جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ اس سے نہ روک دیں۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں، اگرچہ وہ رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں، اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔" (سورۃ التوبہ آیت 113)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ ابو طالب ایمان پر نہیں مرے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال رمضان کے مہینے میں ہوا تھا۔ ان کی وفات کے چند ماہ بعد آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے شادی فرمائی۔ آپ سے پہلے ان کی شادی ان کے چچا کے بیٹے حضرت سکران رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ حضرت سکران رضی اللہ عنہ دوسری ہجرت کے موقع کے وقت ان کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ پھر مکہ واپس آگئے تھے۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عدت کا زمانہ پورا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرما لیا۔

اس نکاح سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے ایک عجیب خواب دیکھا تھا۔ انہوں

نے اپنے شوہر سکران رضی اللہ عنہ سے یہ خواب بیان کیا۔ خواب سن کر سکران رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اگر تم نے واقعی یہ خواب دیکھا ہے تو میں جلد ہی مر جاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے نکاح فرمائیں گے۔"

دوسری رات انہوں نے پھر خواب دیکھا کہ وہ لیٹی ہوئی ہیں، اچانک چاند آسمان سے ٹوٹ کر ان کے پاس آ گیا۔ انہوں نے یہ خواب بھی اپنے شوہر کو سنایا، وہ یہ خواب سن کر بولے:

"اب شاید میں بہت جلد فوت ہو جاؤں گا۔"

اور اسی دن حضرت سکران رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔ شوال کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

☆☆☆☆☆☆

طائف کا سفر

ابو طالب کے انتقال کے بعد قریش کھل کر سامنے آ گئے۔ ایک روز انہوں نے آپ کو پکڑ لیا۔ ہر شخص آپ کو اپنی طرف کھینچنے لگا... اور کہنے لگے

"یہ وہی تو ہے جس نے ہمارے اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے۔"

ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تڑپ کر ایک دم آگے آ گئے۔ اس بھیڑ میں گھس گئے۔ کسی کو انہوں نے مار کر ہٹایا، کسی کو دھکا دیا۔ وہ ان لوگوں کو آپ سے ہٹاتے جاتے اور کہتے جاتے تھے۔

"کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے۔" اس پر وہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور انہیں اتنا مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گئے۔ ہوش آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت معلوم کی، پتا چلا کہ خیریت سے ہیں تو اپنی تکلیف بھول گئے۔

شوال 10 نبوی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے۔ اس سفر میں صرف آپ کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ طائف میں ثقیف کا قبیلہ آباد تھا۔ آپ یہ اندازہ کرنے کے لیے طائف تشریف لے گئے کہ قبیلہ ثقیف کے دلوں میں بھی اسلام کے لیے کچھ گنجائش ہے یا نہیں۔ آپ یہ امید بھی لے کر گئے تھے کہ

ممکن ہے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور آپ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں۔

طائف پہنچ کر آپ نے سب سے پہلے اس قبیلے کے سرداروں کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ یہ تین بھائی تھے۔ ایک کا نام عبدیالیل تھا۔ دوسرے کا نام مسعود تھا، تیسرے کا نام حبیب تھا۔ ان تینوں کے بارے میں پوری طرح وضاحت نہیں ملتی کہ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے یا نہیں۔

بہر حال! آپ نے ان تینوں سے ملاقات کی۔ آپ نے آنے کا مقصد بتایا۔ اسلام کے بارے میں بتایا۔ انہیں اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ انہوں کے مقابلے میں ساتھ دینے کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک نے کہا:

"کیا وہ تم ہی ہو جسے خدا نے بھیجا ہے؟" ساتھ ہی دوسرے نے کہا:

"تمہارے علاوہ خدا کو رسول بنانے کے لیے اور کوئی نہیں ملا تھا؟" اس کے ساتھ ہی تیسرا بول اٹھا:

"خدا کی قسم! میں تم سے کوئی بات چیت نہیں کروں گا، کیونکہ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو تمہارے ساتھ بات چیت کرنا بہت خطرناک ہے (یہ اس نے اس لیے کہا تھا کہ وہ لوگ جانتے تھے، کسی نبی کے ساتھ بحث کرنا بہت خطرناک ہے) اور اگر تم نبی نہیں ہو تو تم جیسے آدمی سے بات کرنا زیب نہیں دیتا۔"

آپ ان سے مایوس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان تینوں نے اپنے یہاں کے اوباش لوگوں اور بے وقوف غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ راستے میں بھی دونوں طرف لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ جب آپ ان کے درمیان سے گزرے تو وہ بدبخت ترین لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ جو قدم بھی اٹھاتے، وہ اسی پر پتھر مارتے۔ آپ کے دونوں پاؤں لہولہان ہو گئے۔ آپ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ جب چاروں طرف سے پتھر برسے تو تکلیف کی شدت سے آپ بیٹھ گئے۔ ان بدبخت اوباشوں نے آپ کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر آپ کو کھڑے ہونے

پر مجبور کر دیا... جونہی آپ نے چلنے کے لیے قدم اٹھائے، وہ پھر پتھر برسانے لگے۔
ساتھ میں وہ ہنس رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ وہ آپ کو پتھروں سے بچانے کے لیے خود کو ان کے سامنے کر رہے تھے۔ اس طرح وہ بھی لہولہان ہو گئے، لیکن اس حالت میں بھی انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر تھی، اپنی کوئی پروا نہیں تھی۔ ان کے اتنے زخم آئے کہ سر پھٹ گیا۔

آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بستی سے نکل کر ایک باغ میں داخل ہو گئے۔ اس طرح ان بدبخت ترین لوگوں سے چھٹکارا ملا۔ آپ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک زخموں سے بالکل چور چور ہو چکے تھے اور بدن لہولہان تھے۔ آپ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اس وقت آپ نے اپنے اللہ سے دعا کی:

''اے اللہ! میں اپنی کمزوری، لاچاری اور بے بسی کی تجھ سے فریاد کرتا ہوں۔ یا ارحم الرحمین! تو کمزوروں کا ساتھی ہے اور تو ہی میرا رب ہے اور میں تجھ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں... اگر مجھ پر تیرا غضب اور غصہ نہیں ہے تو مجھے کسی کی پروا نہیں۔''

اسی وقت اچانک آپ نے دیکھا کہ وہاں باغ کے مالک عتبہ اور شیبہ بھی موجود ہیں۔ وہ بھی دیکھ چکے تھے کہ طائف کے بدمعاشوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ انہیں دیکھتے ہی آپ اٹھ کھڑے ہوئے، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ وہ دونوں اللہ کے دین کے دشمن ہیں۔ ادھر ان دونوں کو آپ کی حالت پر رحم آ گیا۔ انہوں نے فوراً اپنے نصرانی غلام کو پکارا۔ اس کا نام عداس تھا۔ عداس حاضر ہوا تو انہوں نے اسے حکم دیا:

''اس بیل سے انگور کا خوشہ توڑ دو اور ان کے سامنے رکھ دو۔''

عداس نے حکم کی تعمیل کی۔ انگور آپ کو پیش کیے۔ آپ نے جب انگور کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو فرمایا:

''بسم اللہ!''

عداس نے آپ کے منہ سے بسم اللہ سنا تو اس نے آپ سے کہا: "ان علاقوں کے لوگ تو ایسا نہیں کہتے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

"تم کس علاقے کے رہنے والے ہو تمہارا دین کیا ہے؟"

عداس نے بتایا کہ وہ نصرانی ہے اور نینویٰ کا رہنے والا ہے۔ اس کے منہ سے نینویٰ کا نام سن کر آپ نے فرمایا:

"تم تو یونس (علیہ السلام) کے ہم وطن ہو جو متی کے بیٹے تھے۔"

عداس بہت حیران ہوا، بولا،

"آپ کو یونس بن متی کے بارے میں کیسے معلوم ہوا، خدا کی قسم جب میں نینویٰ سے نکلا تھا تو وہاں دس آدمی بھی ایسے نہیں تھے جو یہ جانتے ہوں کہ یونس بن متی کون تھے۔ اس لیے آپ کو یونس بن متی کے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا؟"

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ میرے بھائی تھے، اللہ کے نبی تھے اور میں بھی اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے ان کے بارے میں بتایا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔"

آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنتے ہی عداس فوراً آپ کے نزدیک آ گیا اور آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسے دینے لگا۔

باغ کے مالک عتبہ اور شیبہ دور کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے عداس کو آپ کے قدم چومتے دیکھا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

"تمہارے اس غلام کو تو اس شخص نے گمراہ کر دیا۔"

پھر عداس ان کی طرف آیا تو ایک نے اس سے کہا:

"تیرا ناس ہو تجھے کیا ہو گیا تھا کہ تو اس کے ہاتھ اور پیر چومنے لگا تھا۔"

جنات سے ملاقات

پہاڑوں کے فرشتے کی بات کے جواب میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نہیں! مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں ضرور ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''

اس پر پہاڑوں کے فرشتے نے جواب دیا:

''اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ آپ کو نام دیا ہے، آپ حقیقت میں رؤف و رحیم ہیں یعنی بہت معاف کرنے والے اور بہت رحم کھانے والے ہیں۔''

طائف کے اسی سفر سے واپسی پر نو جنوں کا آپ کے پاس سے گزر ہوا۔ وہ نصیبین کے رہنے والے تھے۔ یہ شام کے ایک شہر کا نام ہے۔ آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ جنات نے آپ کی قرأت کی آواز سنی تو اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ پہلے وہ یہودی تھے۔

طائف سے واپسی پر آپ مکہ میں داخل ہوئے تو حرم میں آئے اور بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے۔

ادھر نو جن جب اپنی قوم میں پہنچے تو انہوں نے باقی جنوں کو آپ کے بارے میں بتایا، چنانچہ وہ سب کے سب مکہ پہنچے۔ انہوں نے حجون کے مقام پر قیام کیا اور ایک جن کو آپ

کچھ کلام ان کے کانوں میں پڑ جائے، چنانچہ انہوں نے ایک نہایت پاکیزہ اور خوب صورت کلام سنا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگے: "میں اچھے اور برے میں تمیز کر سکتا ہوں۔ اس لیے ان صاحب کی بات سن لینے میں حرج ہی کیا ہے۔ اگر یہ کوئی اچھی بات کہتے ہیں تو میں قبول کرلوں گا اور بری بات ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔"

کچھ دیر بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف چلے تو انہوں نے کہا

"اے محمد! آپ کی قوم نے مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے۔ اسی لیے میں نے آپ کی باتوں سے بچنے کے لیے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا تھا، مگر آپ اپنی بات میرے سامنے پیش کریں۔"

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا اور ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔ قرآن سن کر حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

"اللہ کی قسم! میں نے اس سے اچھا کلام کبھی نہیں سنا۔"

اس کے بعد انہوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ پھر انہوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے نبی! میں اپنی قوم میں اونچی حیثیت والا آدمی ہوں، وہ سب میری بات سنتے ہیں... مانتے ہیں، میں واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں گا۔ اس لیے آپ میرے لیے دعا فرمائیں۔"

اس پر آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

پھر وہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اپنی بستی کے قریب پہنچے تو وہاں انہیں پانی کے پاس قافلے کھڑے نظر آئے۔ عین اس وقت ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہو گیا اور ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے ہوا تھا۔ رات بھی اندھیری تھی۔ اس وقت انہوں نے دعا کی:

"اے اللہ! اس نور کو میرے چہرے کے علاوہ کسی اور چیز میں پیدا فرما دے۔ مجھے ڈر

ہے۔ میری قوم کے لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ دین بدلنے کی وجہ سے اس کی شکل بگڑ گئی ہے۔"

چنانچہ اسی وقت وہ نور ان کے چہرے سے ان کے کوڑے میں آ گیا۔ اب ان کا کوڑا کسی قندیل کی طرح روشن ہو گیا۔

اسی بنیاد پر حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کو ذی النور کہا جانے لگا... یعنی نور والے۔ وہ گھر پہنچے تو ان کے والد ان کے پاس آئے۔ انہوں نے ان سے کہا:

"آپ میرے پاس نہ آئیں، اب میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ آپ کا مجھ سے کوئی تعلق رہ گیا ہے۔"

یہ سن کر ان کے والد نے پوچھا:

"کیوں بیٹے! یہ کیا بات ہوئی؟"

انہوں نے جواب دیا:

"میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا ہے۔"

یہ سنتے ہی ان کے والد بول اٹھے:

"بیٹے! جو تمہارا دین ہے، وہی میرا دین ہے۔"

تب طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے انہیں غسل کرنے اور پاک کپڑے پہننے کے لیے کہا۔ جب وہ ایسا کر چکے تو ان پر اسلام پیش کیا۔ وہ اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر ان کی بیوی ان کے پاس آئیں۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

اب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں پر اسلام پیش کیا... وہ لوگ بگڑ گئے۔

☆☆☆

مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک

ان کا یہ سوال سن کر حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! قوم دوس مجھ پر غالب آ گئی ہے، آپ ان کے لیے دعا فرمائیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! قوم دوس کو ہدایت عطا فرما، انہیں میری طرف لے آ۔"

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ پھر اپنے لوگوں میں گئے۔ انہوں نے پھر دین اسلام کی تبلیغ شروع کی... وہ مسلسل انہیں تبلیغ کرتے رہے، یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ آخر وہ لوگ ایمان لے آئے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ انہیں ساتھ لے کر مدینہ آئے، اس وقت تک غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق ہو چکے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے مقام پر موجود تھے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی کے ساتھ ستر یا اسی گھرانوں کے لوگ تھے، ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ چونکہ یہ لوگ وہاں غزوہ خیبر کے بعد پہنچے تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کے ساتھ ان کا بھی حصہ نکالا، اگرچہ وہ

جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

طائف کے سفر کے بعد معراج کا واقعہ پیش آیا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام اور نبوت کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر رات کے وقت آرام فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو آپ کے پاس بھیجا وہ آپ کو مسجد الحرام لے گئے پھر وہاں سے براق پر سوار کر کے مسجد اقصیٰ لے گئے جہاں تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ کو ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ اس سفر کی کچھ اہم تفصیلات یہ ہیں:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچنے سے پہلے حضرت جبرئیل کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک سرسبز علاقے سے گزر ہوا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا:

''یہاں اتر کر دو رکعت نماز پڑھ لیجیے۔''

آپ نے براق سے اتر کر دو رکعتیں ادا کیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا، آپ کو معلوم ہے، یہ کون سا مقام ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ تب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

''یہ آپ نے طیبہ یعنی مدینہ منورہ میں نماز پڑھی ہے اور یہی آپ کی ہجرت گاہ ہے۔ (یعنی مکہ سے ہجرت کر کے آپ کو یہیں آنا ہے)۔

اس کے بعد براق پھر روانہ ہوا۔ اس کا ہر قدم جہاں تک نظر جاتی تھی، وہاں پڑتا تھا۔ ایک اور مقام پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ''آپ یہاں اتر کر نماز پڑھیے۔'' آپ نے وہاں بھی دو رکعت ادا کی۔ انہوں نے بتایا: ''آپ نے مدین میں نماز پڑھی ہے۔''

اس بستی کا نام مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کے نام پر رکھا گیا تھا۔

انھوں نے اسی مقام پر قیام کیا تھا۔ اس کے بعد وہاں آبادی ہوگئی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام اسی بستی میں مبعوث ہوئے تھے۔

اس کے بعد آپ پھر براق پر سوار ہوئے۔ ایک مقام پر پھر حضرت جبرئیل نے آپ سے کہا: "اب یہاں اتر کر نماز پڑھیے۔" آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا: "یہ بیت اللحم ہے۔"

بیت اللحم بیت المقدس کے پاس ایک بستی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔

اسی سفر میں آپ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا حال دیکھا۔ یعنی آپ کو آخرت کی مثالی شکل کے ذریعے مجاہدین کے حالات دکھائے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا:

"یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے لوگ ہیں، اللہ نے ان کی ہر نیکی کا ثواب سات سو گنا کر دیا ہے۔"

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا لائی گئی، دنیا ایک حسین اور جمیل عورت کی صورت میں دکھائی گئی۔ اس عورت نے آپ سے کہا:

"اے محمد! میری طرف دیکھیے، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا:

"یہ کون ہے؟"

انھوں نے بتایا:

"یہ دنیا ہے، اگر آپ اس طرف توجہ دیتے تو آپ کی امت آخرت کے مقابلے میں دنیا کو اختیار کر لیتی۔"

اس کے بعد آپ نے راستے میں ایک بڑھیا کو دیکھا، آپ نے پوچھا:

"یہ کون ہے؟"

جبرئیل علیہ السلام نے بتایا:

"یہ دنیا تھی۔ دنیا کی عمر کا اتنا حصہ ہی باقی رہ گیا ہے جتنا کہ اس بڑھیا کا ہو سکتا ہے۔"

اس کے بعد امانت میں خیانت کرنے والے، فرض نمازوں کو چھوڑنے والے، زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے، بدکاری کرنے والے، رہزنی کرنے والے، (راہ کاٹنے والے) وغیرہ کے حال بھی نبی اکرم ﷺ کو دکھائے گئے۔

امانت میں خیانت کرنے والے اپنے بوجھ میں اضافہ کیے جا رہے تھے اور وہ بوجھ ان سے اٹھایا نہیں جاتا تھا۔ فرض نمازوں کو چھوڑنے والوں کے سروں کو کچلا جا رہا تھا۔ ان کے سر کچل کر ریزہ ریزہ ہو جاتے تھے اور پھر اصل حالت میں آ جاتے تھے۔ کچلنے کا عمل پھر شروع ہو جاتا تھا۔ غرض انہیں ذرہ بھر مہلت نہیں دی جا رہی تھی۔

اسی طرح زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ ان کے آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ وہ اونٹوں اور بکریوں کی طرح چر رہے تھے اور زقوم درخت کے کڑوے پتے اور کانٹے کھا رہے تھے۔ زقوم درخت کے بارے میں آتا ہے کہ اس قدر کڑوا اور زہریلا ہے کہ اس کی کڑواہٹ کا مقابلہ دنیا کا کوئی درخت نہیں کر سکتا۔ اس کا ایک ذرہ اگر دنیا کے میٹھے دریاؤں میں ڈال دیا جائے تو تمام دریا کڑوے ہو جائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں مذاق اڑانے والوں کو بھی یہ درخت کھلا دیا جائے گا۔ اس درخت کے پتوں اور کانٹوں کے علاوہ وہ لوگ جہنم کے پتھر چباتے نظر آئے۔

بدکاروں کا نبی اکرم ﷺ نے یہ دیکھا کہ ان کے سامنے دسترخوان لگے ہوئے تھے۔ ان دسترخوانوں میں سے کچھ میں نہایت بہترین بھنا ہوا گوشت تھا، کچھ میں بالکل سڑا ہوا گوشت تھا۔ وہ اس بہترین گوشت کو چھوڑ کر سڑا ہوا بدبودار گوشت کھا رہے تھے اور بہترین گوشت نہیں کھا رہے تھے۔

ان کے بارے میں جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو بتایا:

"یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جن کے پاس پاک اور حلال عورتیں تھیں لیکن وہ ان کو چھوڑ کر بدکار عورتوں کے پاس جاتے تھے، یا یہ وہ عورتیں ہیں جن کے خاوند تھے لیکن وہ ان کو چھوڑ کر بدکار مردوں کے پاس جاتی تھیں۔

سود کھانے والوں کا انجام آپ کو یہ دکھایا گیا کہ وہ خون کے دریا میں تیر رہے تھے اور پتھر نگل رہے تھے۔

آپ کو ایسے عالموں کا انجام دکھایا گیا جو لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے اور خود بے عمل تھے۔ ان کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ اور جیسے ہی کٹ جاتے تھے فوراً پیدا ہو جاتے تھے اور پھر اسی طرح کاٹے جانے کا عمل شروع ہو جاتا تھا۔ یعنی انہیں ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں مل رہی تھی۔

چغل خوروں کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے تھے۔

مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی نماز میں امامت فرمانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی، جلیل القدر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرائی گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کا حال دکھایا گیا۔ آپ کا گزر جنت کی ایک وادی سے ہوا۔ اس سے نہایت بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی اور مشک سے زیادہ خوشبودار ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی اور ایک بہترین آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ آواز کہہ رہی تھی:

"میرے عشرت کدے میں ریشم، موتی، سونا، چاندی، موتی، شہد، دودھ اور شراب کے جام و کٹورے بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔"

اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

"ہر وہ مومن مرد اور عورت تجھ میں داخل ہوگا جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان رکھتا ہو، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہوگا... نہ مجھ سے بڑھ کر یا میرے برابر کسی کو مانتا ہوگا اور نیک عمل کرتا ہوگا۔ سن لے! جس کے دل میں میرا ڈر ہے، اس کا دل میرے خوف کی وجہ

سے گفتگو کرتا رہتا ہے۔ جو مجھ سے مانگتا ہے، میں اسے محروم نہیں رکھوں گا، جو مجھے قرض دیتا ہے یعنی نیک عمل کرتا ہے اور میری راہ میں خرچ کرتا ہے میں اسے بدلہ دوں گا، جو مجھ پر توکل اور بھروسا کرتا ہے اس کی جمع پونجی کو اس کی ضرورت کے لیے پورا کرتا رہوں گا۔ میں ہی سچا معبود ہوں، میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میرا وعدہ سچا ہے غلط نہیں ہوتا، مومن کی نجات یقینی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی برکت دینے والا ہے اور سب سے بہترین خالق یعنی پیدا کرنے والا ہے۔"

یہ سن کر میں نے کہا:

"بس اے میرے پروردگار میں خوش اور مطمئن ہوں۔"

☆☆☆

اللہ سے ہم کلامی

دوزخ کا حال آپ کو یہ دکھایا گیا کہ آپ ایک وادی میں پہنچے۔ وہاں آپ نے ایک بہت بڑا آواز سنی۔ آپ نے بدبو بھی محسوس کی۔ آپ نے پوچھا:

"جبرئیل! یہ کیا ہے؟"

انہوں نے بتایا:

یہ جہنم کی آواز ہے، یہ کہہ رہی ہے: "اے میرے پروردگار! مجھے وہ عذاب دے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ میری زنجیریں اور بیڑیاں، میری آگ، میرے شعلے، گرمی، گرم ہوا، پیپ اور عذاب کے دوسرے ہیبت ناک سامان بہت بڑھ گئے ہیں، میری گہرائی دور اس گہرائی میں آگ کی تپش تیز ہوگئی ہے، میرا پیٹ اور اس کی بھوک بہت زیادہ ہے، اس لیے مجھے میری وہ خوراک دے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے"۔

جہنم کی اس پکار کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ہر کافر، مشرک، بد طینت، بد معاش اور خبیث مرد اور عورت تیری خوراک ہیں"

یہ سن کر جہنم نے جواب دیا:

"بس! میں خوش ہوگئی"۔

اس سفر میں آپ کو دجال کی صورت دکھائی گئی۔ اس کی شکل عبدالعزیٰ ابن قطن جیسی تھی۔

یہ عبدالعزیٰ جاہلیت کے زمانے میں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے ہی مر گیا تھا۔

آپ کو وہاں کچھ لوگ دکھائے گئے۔ ان کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں جیسے تھے اور ان کے ہاتھوں میں پتھروں کی طرح کے بڑے بڑے انگارے تھے یعنی اتنے بڑے بڑے تھے کہ ایک ایک انگارے میں ان کا ہاتھ بھر گیا تھا۔ وہ لوگ انگاروں کو اپنے منہ میں ڈالتے تھے۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا:

''جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟'' جواب میں انہوں نے بتایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جو زبردستی اور ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے تھے۔''

اس کے بعد آپ نے کچھ لوگ دیکھے، ان کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے گھر میں کوٹھڑیاں ہوں، ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے۔ وہ باہر سے نظر آ رہے تھے۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: ''یہ کون لوگ ہیں۔'' انہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں۔

پھر آپ نے ایسے لوگ دیکھے، جن کے سامنے ایک طرف بہترین قسم کا گوشت رکھا تھا۔ دوسری طرف سڑا ہوا بدبودار گوشت تھا۔ وہ اچھا گوشت چھوڑ کر بدبودار گوشت کھا رہے تھے۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا:

''یہ کون لوگ ہیں۔''

انہوں نے بتایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پاک دامن عورتیں یعنی بیویاں دی تھیں مگر یہ انہیں چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پاس جاتے تھے۔ یا وہ ایسی عورتیں ہیں جو اپنے خاوند کو چھوڑ کر دوسرے مردوں کے پاس جاتی تھیں۔''

آپ نے وہاں ایسے لوگ دیکھے جو اپنے ہی جسم سے پہلوؤں کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ ان سے کہا جا رہا تھا:

"یہ بھی اسی طرح کھاتے جس طرح تم اپنے بھائی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔"

آپ نے دریافت فرمایا:

"یہ کون لوگ ہیں؟"

جبرئیل علیہ السلام نے بتایا:

"یہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے پر آوازے کسا کرتے تھے۔"

جہنم دیکھنے کے بعد آپ کو جنت دکھائی گئی۔ آپ نے وہاں موتیوں کے بنے ہوئے گنبد دیکھے۔ وہاں کی مٹی مشک کی تھی۔ آپ نے جنت میں انار دیکھے، وہ بڑے بڑے ڈولوں جتنے تھے اور جنت کے پرندے اونٹوں جتنے بڑے تھے۔ ساتوں آسمانوں کی سیر کے بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ تک لے جائے گئے۔ یہ بیری کا ایک درخت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں ایک چشمہ دیکھا۔ اس سے دو نہریں پھوٹ رہی تھیں۔ ایک کا نام کوثر ہے اور دوسری کا نام رحمت۔ آپ فرماتے ہیں، میں نے اس چشمے میں غسل کیا۔

ایک روایت کے مطابق سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے جنت کی چار نہریں نکل رہی ہیں۔ ان میں سے ایک نہر پانی کی، دوسری دودھ کی، تیسری شہد کی اور چوتھی نہر شراب کی ہے۔

اسی وقت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آپ نے جبرئیل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا یعنی جس شکل میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بنایا تھا۔ ان کے چھ سو پر ہیں اور ہر پر اتنا بڑا ہے کہ اس سے آسمان کا کنارہ چھپ جائے۔ ان پروں سے رنگا رنگ موتی اور یاقوت اتنی تعداد میں گر رہے تھے کہ ان کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے۔

پھر ایک بادل نے آپ کو آگھیر لیا۔ آپ کو اس بادل کے ذریعے اوپر اٹھا لیا گیا۔ جبرئیل وہیں رہ گئے۔ (بادل کی جگہ بعض روایات میں ایک سیڑھی کے ذریعے اٹھانے کا ذکر بھی آیا ہے)۔ یہاں آپ نے صریر الاقلام (یعنی لوح محفوظ پر لکھنے والے قلموں کی سرسراہٹ) کی آوازیں سنیں۔ یہ تقدیر کے قلم تھے اور فرشتے ان سے مخلوق کی تقدیریں لکھ رہے تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہیں گئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ عرش اعظم کے دائیں طرف ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ساتویں آسمان کے اوپر گئے۔ وہاں ایک نہر پر پہنچے۔ اس پر یاقوتوں، موتیوں اور زبرجد کے خیمے لگے تھے۔ اس نہر میں ایک سبز رنگ کا پرندہ تھا۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ اس جیسا پرندہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا:

''یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔''

آپ فرماتے ہیں، میں نے دیکھا، اس میں یاقوت اور زمرد کے تھالوں میں رکھے ہوئے سونے اور چاندی کے جام تیر رہے تھے۔ اس نہر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا، میں نے ایک جام اٹھایا۔ اس کو نہر سے بھر کر پیا تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبو دار تھا۔

آپ فرماتے ہیں، جبرئیل علیہ السلام مجھے لیے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ اس کے پاس حجاب اکبر ہے۔ حجاب اکبر کے پاس پہنچ کر انہوں نے کہا:

''میری پہنچ کا مقام یہاں ختم ہو گیا، اب آپ آگے تشریف لے جائیں۔''

آپ فرماتے ہیں، میں آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ میں سونے کے ایک تخت تک پہنچ گیا۔ اس پر جنت کا ریشمی قالین بچھا تھا۔ اسی وقت میں نے جبرئیل علیہ السلام کی آواز سنی... وہ کہہ رہے تھے:

''اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف فرما رہا ہے۔ آپ سنیے اور اطاعت کیجیے۔ آپ کلام الٰہی سے دہشت زدہ نہ ہوں۔''

چنانچہ اس وقت میں نے حق تعالیٰ کی تعریف بیان کی۔ اس کے بعد مجھے اللہ کا دیدار ہوا۔ میں فوراً سجدے میں گر گیا۔ پھر اللہ نے مجھ پر وحی اتاری، وہ یہ تھی:

''اے محمد! جب تک آپ جنت میں داخل نہیں ہو جائیں گے، اس وقت تک تمام

نماز کی ابتداء

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے دوران جہنم کے داروغہ مالک کو دیکھا۔ وہ انتہائی سخت طبیعت کا فرشتہ ہے۔ اس کے چہرے پر غصہ اور غضب رہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کیا۔ داروغہ نے سلام کا جواب دیا۔ خوش آمدید بھی کہا، لیکن مسکرایا نہیں۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا:

"یہ کیا بات ہے کہ میں آسمان والوں میں سے جس سے بھی ملا، اس نے مسکرا کر میرا استقبال کیا، مگر داروغہ جہنم نے مسکرا کر بات نہیں کی۔"

اس پر جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

"یہ جہنم کا داروغہ ہے، جب سے پیدا ہوا ہے، آج تک کبھی نہیں ہنسا، اگر یہ ہنس سکتا تو صرف آپ ہی کے لیے ہنستا۔"

یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جاگنے کی حالت میں جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوئی۔ بعض لوگ معراج کو صرف ایک خواب کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں، صرف روح گئی تھی، جسم ساتھ نہیں گیا تھا۔ اگر یہ دونوں باتیں ہوتیں تو پھر معراج کے واقعے کی کیا خصوصیت تھی۔ خواب میں تو عام آدمی بھی بہت کچھ دیکھ لیتا ہے۔ معراج کی اصل خصوصیت یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسم سمیت آسمانوں پر

تشریف لے گئے۔ البتہ تمام واقعات کے زبردست ثبوت موجود ہیں اور پھر یہ بات بھی ہے کہ اگر یہ صرف خواب ہوتا، یا معراج صرف روح کو ہوتی تو مشرکین مکہ مذاق نہ اڑاتے۔ جب کہ انہوں نے شدت سے انکار کیا اور مذاق بھی اڑایا۔ خواب میں دیکھنے کی باتوں پر کوئی کیوں مذاق اڑاتا۔

معراج کے بارے میں اس مسئلے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں۔ اس بارے میں دونوں طرح کی احادیث موجود ہیں۔ اس معاملے میں بہتر یہ ہے کہ ہم خاموشی اختیار کریں، کیونکہ یہ ہمارے اعتقاد کا مسئلہ نہیں ہے، نہ ہم سے قیامت کے دن یہ سوال پوچھا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے بعد آسمانوں سے واپس زمین پر تشریف لائے۔ جب اپنے بستر پر پہنچے تو وہ اسی طرح گرم تھا جس طرح چھوڑ کر گئے تھے۔ یعنی معراج کا یہ عجیب واقعہ اور اتنا طویل سفر صرف ایک لمحے میں پورا ہو گیا۔ یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دوران کائنات کے وقت کی رفتار کو روک دیا جس کے باعث یہ معجزہ نہایت تھوڑے وقت میں مکمل ہو گیا۔

معراج کی رات کے بعد جب صبح ہوئی اور سورج ڈھل گیا تو جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ انہوں نے امامت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھائی تاکہ آپ کو نمازوں کے اوقات اور نمازوں کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ معراج سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح شام دو دو رکعت نماز ادا کرتے تھے اور رات میں قیام کرتے تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ فرض نمازوں کی کیفیت اس وقت تک معلوم نہیں تھی۔

جبرئیل علیہ السلام کی آمد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ سب لوگ جمع ہو جائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی امامت میں نماز ادا کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔

یہ ظہر کی نماز تھی۔ اسی روز سے اس کا نام ظہر رکھا گیا۔ اس لیے کہ یہ پہلی نماز تھی جس کی

کیفیت ظاہر کی گئی تھی۔ چوں کہ دوپہر کو عربی میں ظہیرہ کہتے ہیں اس لیے یہ بھی ہو سکتا ہے یہ نام اس بنیاد پر رکھا گیا ہو، کیونکہ یہ نماز دوپہر کو پڑھی جاتی ہے۔ اس نماز میں آپ نے چار رکعت پڑھائیں اور قرآن کریم آواز سے نہیں پڑھا۔

اسی طرح عصر کا وقت ہوا تو عصر کی نماز ادا کی گئی۔ سورج غروب ہوا تو مغرب کی نماز پڑھی گئی۔ یہ تین رکعت کی نماز تھی، اس میں پہلی دو رکعتوں میں آواز سے قرأت کی گئی۔ آخری رکعت میں قرأت بلند آواز سے نہیں کی گئی۔ اس نماز میں بھی ظہر اور عصر کی طرح جبرئیل علیہ السلام آگے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی امامت میں نماز ادا کر رہے تھے اور صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں۔ اس کا مطلب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مقتدی بھی تھے اور امام بھی۔

رہا یہ سوال کہ یہ نمازیں کہاں پڑھی گئیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں پڑھی گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا، کیونکہ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظمہ میں رہے، اسی کی سمت منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔

جبرئیل علیہ السلام نے پہلے دن نمازوں کے اول وقت میں یہ نمازیں پڑھائیں اور دوسرے دن آخری وقت میں تاکہ معلوم ہو جائے، نمازوں کے اوقات کہاں سے کہاں تک ہیں۔

اس طرح یہ پانچ نمازیں فرض ہوئیں اور ان کے پڑھنے کا طریقہ بھی آسمان سے نازل ہوا۔ آج کچھ لوگ کہتے نظر آتے ہیں... نماز کا کوئی طریقہ قرآن سے ثابت نہیں، لہٰذا نماز کسی بھی طریقے سے پڑھی جا سکتی ہے... ہم تو بس قرآن کو مانتے ہیں... ایسے لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں... نماز کا طریقہ بھی آسمان سے ہی نازل ہوا اور ہمیں نمازیں اسی طرح پڑھنا ہوں گی جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پڑھتے رہے۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ فرض نمازیں پانچ ہیں، حدیث کے منکر پانچ نمازوں کا انکار کرتے ہیں وہ صرف تین فرض نمازوں کے قائل ہیں۔ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے وہ

کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف تین نمازوں کا ذکر آیا ہے۔ سو اول تو ان کی یہ بات ہی غلط ہے، دوسرے یہ کہ جب احادیث سے پانچ نمازیں ثابت ہیں تو کسی مسلمان کے لیے ان سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

پانچ نمازوں کی حکمت کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے پانچ حواس یعنی پانچ حسیں رکھی ہیں۔ انسان گناہ بھی انہی حسوں کے ذریعے کرتا ہے۔ یعنی آنکھ، کان، ناک، منہ، اعضاء و جوارح یعنی ہاتھ پاؤں، لہٰذا نمازیں بھی پانچ مقرر کی گئیں تاکہ انسان پانچوں حواس کے ذریعے دن اور رات میں جو گناہ انسان سے ہو جائیں، وہ ان پانچوں نمازوں کے ذریعے دھل جائیں۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار حکمتیں ہیں۔

یہ جو بیان ہوا یعنی معراج کے واقعے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر جانا ثابت کرتا ہے کہ آسمان حقیقت میں موجود ہیں۔

موجودہ دور کی جدید سائنس کا یہ نظریہ ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ کائنات ایک عظیم خلا ہے۔ انسانی نگاہ جہاں تک جا کر رک جاتی ہے، وہاں اس خلا کی مختلف روشنیوں کے ملنے سے نیلگوں رنگ نظر آتا ہے، اسی نیلگوں حد کو انسان آسمان کہتا ہے۔

لیکن اسلامی تعلیم نے ہمیں بتایا ہے کہ آسمان موجود ہیں اور آسمان ایک ترتیب سے موجود ہیں، جو قرآن اور حدیث نے بتائی ہے۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں آسمان کا ذکر ہے۔ بعض آیات میں ساتوں آسمانوں کا ذکر ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ایک اصل حقیقت ہیں، نہ کہ نظر کا دھوکہ۔

الحمدللہ معراج کا بیان مکمل ہو چکا۔ اس کے بعد سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بہ قدم میں ہم معراج کے بعد کے واقعات بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

☆☆☆

کامیابی کی ابتداء

حج کے دنوں میں مکہ میں دور دور سے لوگ حج کرنے آتے تھے۔ یہ حج اسلامی طریقے سے نہیں ہوتا تھا۔ اس میں کفر یا شرک کی باتیں شامل کر لی گئی تھیں۔ ان دنوں یہاں میلے بھی لگتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت دینے کے لیے ان میلوں میں بھی جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچ کر لوگوں سے فرماتے تھے:

"کیا کوئی شخص ہے جو اپنی قوم کی حمایت مجھے پیش کر سکتا ہے، کیونکہ قریش کے لوگ مجھے رب کا پیغام پہنچانے سے روک رہے ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کے میدان میں تشریف لے جاتے، لوگوں کے ٹھکانوں پر جاتے اور ان سے فرماتے:

"لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتے ہوئے ابولہب بھی وہاں تک پہنچ جاتا اور ان لوگوں سے بلند آواز میں کہتا:

"لوگو! یہ شخص چاہتا ہے تم اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالمجاز کے میلے میں تشریف لے جاتے اور لوگوں سے

فرماتے:

"لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہہ کر نجات کو حاصل کرو۔"

ابولہب یہاں بھی آ جاتا اور آپ کو پتھر مارتے ہوئے کہتا:

"لوگو! اس شخص کی بات مت سنو، یہ جھوٹا ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ کندہ اور قبیلہ کلب کے کچھ خاندانوں کے پاس گئے۔ ان لوگوں کو بنو عبداللہ کہا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو... فلاح پا جاؤ گے۔"

انہوں نے بھی اسلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو حنیفہ اور بنو عامر کے لوگوں کے پاس بھی گئے۔ ان میں سے ایک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیا:

"اگر ہم آپ کی بات مان لیں، آپ کی حمایت کریں اور آپ کی پیروی قبول کر لیں، پھر اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے مخالفوں پر فتح عطا فرما دے تو کیا آپ کے بعد یہ سرداری اور حکومت ہمارے ہاتھوں میں آ جائے گی۔"

یعنی انہوں نے یہ شرط رکھی کہ آپ کے بعد حکمرانی ان کی ہوگی۔ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سرداری اور حکومت اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے سونپ دیتا ہے۔"

اس کے بعد اس شخص نے کہا:

"تو کیا ہم آپ کی حمایت میں عربوں سے لڑیں، عربوں کے تیروں سے اپنے سینے چھلنی کرا لیں، اپنی گردنیں کٹوا لیں اور پھر جب آپ کامیاب ہو جائیں تو سرداری اور حکومت دوسروں کو ملے۔ نہیں، ہمیں آپ کی ایسی حکومت اور سرداری کی کوئی ضرورت نہیں۔"

اس طرح ان لوگوں نے بھی صاف انکار کر دیا۔ بنو عامر کے یہ لوگ پھر اپنے وطن لوٹ

گئے۔ وہاں ان کا ایک بہت بوڑھا شخص تھا۔ بوڑھا ہونے کی وجہ سے وہ اس قدر کمزور ہو چکا تھا کہ ان کے ساتھ حج کے لیے نہیں جا سکا تھا۔ جب اس نے ان لوگوں سے حج اور میلے کے حالات پوچھے تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا بھی ذکر کیا اور اپنا جواب بھی اسے بتایا۔

بوڑھا شخص یہ سنتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

"اے بنی عامر! تم سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔ کیا تمہاری اس غلطی کی کوئی تلافی ہو سکتی ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اسماعیل علیہ السلام کی قوم میں سے جو شخص نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے، جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ وہ بالکل سچا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی سچائی تمہاری عقل میں نہ آ سکے۔"

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبس، بنو سلیم، بنو غسان، بنو محارب، بنو فزارہ، بنو نضر، بنو مرہ، اور بنو عذرہ وغیرہ کئی قبیلوں سے بھی ملے۔ ان سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بھی برے جواب دیے اور کہنے لگے:

"آپ کا گھرانہ اور آپ کا خاندان آپ کو زیادہ جانتا ہے، اسی لیے انہوں نے آپ کی پیروی نہیں کی۔"

عرب قبیلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ تکلیف یمامہ کے بنو حنیفہ سے پہنچی۔ مسیلمہ کذاب بھی اسی بدبخت قوم کا تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی طرح بنو ثقیف کے قبیلے نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت برا جواب دیا۔

ان تمام ناکامیوں کے بعد آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو پھیلانے، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام کرنے اور اپنا وعدہ پورا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے دنوں میں گھر سے نکلے۔ وہ رجب کا مہینا تھا۔ عرب حج سے پہلے مختلف رسموں اور میلوں میں شریک ہونے کے لیے مکہ پہنچا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سال بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبیلوں سے ملنے کے لیے نکلے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ کے مقام پر پہنچے۔

اصل میں بات یہ تھی کہ جب بھی یہودیوں اور مدینہ کے لوگوں میں کوئی لڑائی جھگڑا ہوتا تو یہودی ان سے کہا کرتے تھے:

''بہت جلد ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے، ان کا زمانہ نزدیک آ چکا ہے۔ ہم اس نبی کی پیروی کریں گے اور ان کے جھنڈے تلے اس طرح تمہارا قتل عام کریں گے جیسے قوم عاد اور قوم ارم کا ہوا تھا۔''

ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم تمہیں نیست و نابود کر دیں گے۔ اسی بنیاد پر مدینہ کے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں معلوم تھا... اور اسی بنیاد پر انہوں نے فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گئے۔

پے در پے ناکامیوں کے بعد یہ بہت زبردست کامیابی تھی... اور پھر یہ کامیابی تاریخی اعتبار سے بھی بہت بڑی ثابت ہوئی۔ اس بیعت نے تاریخ کے دھارے کو موڑ کر رکھ دیا، گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے ایک زبردست خیر کا ارادہ فرمایا تھا۔ اسلام قبول کرتے ہی انہوں نے عرض کیا:

''ہم اپنی قوم اوس اور خزرج کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ ان کے درمیان زبردست جنگ جاری ہے، اس لیے اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے ان سب کو ایک کر دے تو یہ بہت ہی اچھی بات ہوگی۔''

اوس اور خزرج دو سگے بھائیوں کی اولاد تھے۔ پھر ان میں دشمنی ہو گئی۔ لڑائیوں نے اس قدر طول کھینچا کہ ایک سو بیس سال تک وہ نسل در نسل لڑتے رہے، قتل پر قتل ہوئے...

اس وقت انہوں نے اسی دشمنی کی طرف اشارہ کیا تھا، لہٰذا انہوں نے کہا:

''ہم اوس اور اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو بھی اسلام کی دعوت دیں گے۔ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے نام پر انہیں ایک کر دے۔ اگر آپ کی وجہ سے وہ ایک ہو گئے، ان کا کلمہ ایک ہو گیا تو پھر آپ سے زیادہ قابل عزت اور عزیز کون ہوگا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو پسند فرمایا۔ پھر یہ حضرات حج کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔

☆☆☆

ہجرت کا آغاز

اگلے سال قبیلہ خزرج کے دس اور قبیلہ اوس کے دو آدمی مکہ آئے۔ ان میں سے پانچ وہ تھے جو پچھلے سال عقبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر گئے تھے۔ ان لوگوں سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے سورۃ النساء کی آیات تلاوت فرمائیں۔

بیعت کے بعد جب یہ لوگ واپس مدینہ منورہ جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ نئے مسلمانوں کو دین سکھائیں، قرآن کی تعلیم دیں۔ انہیں قاری کہا جاتا تھا۔ یہ مسلمانوں میں سب سے پہلے آدمی ہیں جنہیں قاری کہا گیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے وہاں کے مسلمانوں کو نماز پڑھانا شروع کی۔ سب سے پہلا جمعہ بھی انہوں نے ہی پڑھایا۔ جمعہ کی نماز اگرچہ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی، لیکن وہاں مشرکین کی وجہ سے مسلمان جمعہ کی نماز ادا نہ کر سکے۔ سب سے پہلا جمعہ پڑھنے والوں کی تعداد چالیس تھی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں دین کی تبلیغ شروع کی تو

حضرت سعد بن معاذ اور ان کے چچا زاد بھائی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ان کے اسلام لانے کے بعد مدینہ میں اسلام اور زیادہ تیزی سے پھیلنے لگا۔

اس کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حج کے دنوں میں واپس مکہ پہنچے۔ مدینہ منورہ میں اسلام کی خبریں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ خوش ہوئے۔ مدینہ منورہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے، ان میں سے جو لوگ حج کے لیے آئے تھے، فارغ ہونے کے بعد انہوں نے منیٰ میں رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ جگہ اور وقت پہلے ہی سے طے کر لیا گیا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ مدینہ سے چونکہ مشرک لوگ بھی آئے تھے، اس لیے ان سے اس ملاقات کو پوشیدہ رکھنا تھا، اسی لیے یہ ملاقات رات کے وقت ہوئی۔ یہ حضرات کل ۷۳ مرد اور دو عورتیں تھیں۔ ملاقات کی جگہ عقبہ کی گھاٹی تھی۔ وہاں ایک ایک دو دو کر کے جمع ہو گئے۔ اس مجمع میں گیارہ آدمی قبیلہ اوس کے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ ان کے علاوہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم گویا اپنے چچا کے ساتھ آئے تھے تاکہ اس معاملے کو خود دیکھیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ساتھ آئے تھے۔ سب سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے تقریر کی۔ انہوں نے کہا:

"تم لوگ جو عہد و پیمان ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرو، اس کو ہر حال میں پورا کرنا، اگر پورا نہ کر سکو تو بہتر ہے کوئی عہد و پیمان نہ کرو۔"

اس پر ان حضرات نے وفاداری نبھانے کے وعدے کیے۔ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا

طرف روانہ ہونے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے درمیان بھائی چارہ فرمایا، انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ فرمایا، اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے درمیان، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے درمیان، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے درمیان، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خود اپنا بھائی بنایا۔

مسلمانوں میں سے جن صحابہ نے سب سے پہلے مدینے کی طرف ہجرت کی، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت ابوسلمہ عبداللہ ابن عبداللہ مخزومی رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے تنہا جانے کا ارادہ فرمایا۔ جب یہ حبشہ سے واپس مکے آئے تھے تو انہیں سخت تکالیف پہنچائی گئی تھیں۔ آخر انہوں نے واپس حبشہ جانے کا ارادہ کرلیا تھا مگر پھر انہیں مدینہ کے لوگوں کے مسلمان ہونے کا پتا چلا تو یہ رک گئے اور ہجرت کی اجازت ملنے پر مدینہ روانہ ہوئے۔ مکہ سے روانہ ہوتے وقت یہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے دودھ پیتے بچے کو بھی ساتھ سوار کرلیا۔ جب ان کے سسرال والوں کو پتا چلا تو وہ انہیں روکنے کے لیے دوڑے اور راستے میں جا پکڑا۔ ان کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے۔

☆☆☆

قتل کی سازش

انھوں نے ان کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور بولے:

"اے ابو سلمہ! تم اپنے بارے میں اپنی مرضی کے مختار ہو، مگر ام سلمہ ہماری بیٹی ہے، ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ تم اسے ساتھ لے جاؤ۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی نکیل کھینچ لی۔ اس وقت ابو سلمہ کے خاندان کے لوگ وہاں پہنچ گئے اور بولے:

"ابو سلمہ کا بیٹا ہمارے خاندان کا بچہ ہے، جب تم نے اپنی بیٹی کو اس کے قبضے سے چھڑا لی تو ہم بھی اپنے بچے کو اس کے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔"

چنانچہ انھوں نے بچے کو چھین لیا۔ اس طرح ان ظالموں نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی اور بچے سے جدا کر دیا۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ تنہا ہی مدینہ منورہ پہنچے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا شوہر اور بچے کی جدائی کے غم میں روزانہ صبح سویرے مکہ سے باہر مدینہ منورہ کی طرف جانے والے راستے میں جا کر بیٹھ جاتیں اور روتی رہتیں۔ ایک دن ان کا ایک رشتے دار ادھر سے گزرا۔ اس نے انھیں روتے دیکھا تو ترس آ گیا۔ وہ اپنی قوم کے لوگوں میں گیا اور ان سے بولا:

"تمھیں اس غریب پر رحم نہیں آتا، اسے اس کے شوہر اور بیٹے سے جدا کر دیا، کچھ تو

خیال کرو۔"

آخر ان سے دل پسیج گئے۔ انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جانے کی اجازت دے دی۔ یہ خبر سن کر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے رشتے داروں نے بچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا اور انہیں اجازت دے دی کہ بچے کو لے کر مدینہ چلی جائیں۔ اس طرح انہوں نے مدینہ کی طرف تنہا سفر شروع کیا۔ راستے میں انہیں حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ملے۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، کعبہ کے چابی بردار تھے۔ یہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔ یہ ان کی حفاظت کی غرض سے ان کے اونٹ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں قبا میں پہنچا دیا۔ پھر حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے:

"تمہارے شوہر یہاں موجود ہیں۔"

اس طرح ام سلمہ رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچیں۔ آپ پہلی مہاجر خاتون ہیں جو شوہر کے بغیر مدینہ آئیں۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ پہنچا کر جو عظیم احسان کیا تھا، اس کی بنیاد پر یہ کہا کرتی تھیں:

"میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ نیک اور شریف کسی کو نہیں پایا۔"

اس کے بعد مکہ سے مسلمانوں کی مدینہ آمد شروع ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک کے بعد ایک آتے رہے۔ انصاری مسلمان انہیں اپنے گھروں میں ٹھہراتے۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عیاش بن ابو ربیعہ رضی اللہ عنہ بیس آدمیوں کے ایک قافلے کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت کی خاص بات یہ ہے کہ مکہ سے چھپ کر نہیں نکلے بلکہ باقاعدہ اعلان کر کے نکلے۔ انہوں نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا، پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد مشرکین سے بولے:

"جو شخص اپنے بچوں کو یتیم کرنا چاہتا ہے، اپنی بیوی کو بیوہ کرنا چاہتا ہے یا اپنی ماں کی

تو وہ بیان کرنا چاہتا ہے... وہ مجھے جانے سے روک کر دکھائے۔"

ان کا اعلان سن کر سردارِ قریش کو سانپ سونگھ گیا۔ کسی نے ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہ کی۔ وہ بڑے وقار سے ان سب کے سامنے روانہ ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کی تیاری کر رہے تھے۔ ہجرت سے پہلے وہ ارادہ کیا کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کریں۔ وہ روانگی کی تیاری کر چکے تھے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"ابوبکر! جلدی نہ کرو، امید ہے۔ مجھے بھی اجازت ملنے والی ہے۔"

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رک گئے۔ انہوں نے ہجرت کے لیے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ انہوں نے ان دونوں کو آٹھ سو درہم میں خریدا تھا اور انہیں چار ماہ سے کھلا پلا رہے تھے۔

ادھر مشرکین نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان مدینہ ہجرت کرتے جا رہے ہیں اور مدینہ کے رہنے والے بڑے جنگجو ہیں... وہاں مسلمان روز بروز طاقت پکڑتے چلے جائیں گے تو انہیں خوف محسوس ہوا کہ اللہ کے رسول بھی کہیں مدینہ نہ چلے جائیں اور وہاں انصار کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جنگ کی تیاری نہ کرنے لگیں... تو وہ سب جمع ہوئے... اور سوچنے لگے کہ کیا قدم اٹھائیں۔

یہ قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے تھے۔ دارالندوہ ان کے مشورہ کرنے کی جگہ تھی۔ یہ پہلا پکا مکان تھا جو مکے میں تعمیر ہوا۔ قریش کے اس مشورے میں شیطان بھی شریک ہوا۔ وہ انسانی شکل میں آیا تھا اور ایک بوڑھے کے روپ میں تھا۔ سبز رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ وہ دروازے پر آ کر ٹھہر گیا۔ اسے دیکھ کر لوگوں نے پوچھا:

"آپ کون بزرگ ہیں؟"

اس نے کہا:

"میں نجد کا سردار ہوں۔ آپ لوگ جس غرض سے یہاں جمع ہوئے ہیں، میں بھی اسی

کے بارے میں بن کر آیا ہوں تاکہ آپ لوگوں کی باتیں سنوں اور ہو سکے تو کوئی مفید مشورہ بھی دوں۔"

اس پر قریشیوں نے اسے اندر بلا لیا۔ اب انہوں نے مشورہ شروع کیا۔ ان میں سے کوئی بولا

"اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ تم دیکھ ہی چکے ہو۔ اللہ کی قسم! اب یہ وقت اس بات کا خطرہ ہے کہ یہ اپنے نئے اور اجنبی مددگاروں کے ساتھ مل کر ہم پر حملہ کرے گا۔ لہذا مشورہ کر کے اس کے بارے میں کوئی ایک بات طے کر لو۔"

وہاں موجود ایک شخص ابوالبختری بن ہشام نے کہا

"اسے بیڑیاں پہنا کر ایک کوٹھری میں بند کر دو اور اس کے بعد کچھ عرصہ تک انتظار کرو، تاکہ اس کی بھی وہی حالت ہو جائے جو اس جیسے شاعروں کی ہو چکی ہے اور یہ بھی انہی کی طرح موت کا شکار ہو جائے۔"

اس پر شیطان نے کہا:

"ہرگز نہیں! یہ رائے بالکل غلط ہے، یہ خبر اس کے ساتھیوں تک پہنچ جائے گی، وہ تم پر حملہ کر دیں گے اور اپنے ساتھی کو نکال کر لے جائیں گے... اس وقت تمہیں پچھتانا پڑے گا، لہذا کوئی اور ترکیب سوچو۔"

اب ان میں بحث شروع ہو گئی۔ اسود بن ربیعہ نے کہا:

"ہم اسے یہاں سے نکال کر جلاوطن کر دیتے ہیں... پھر یہ ہماری طرف سے کہیں بھی چلا جائے۔"

اس پر نجدی یعنی شیطان کہنے لگا:

"یہ رائے بھی غلط ہے۔ تم دیکھتے نہیں، اس کی باتیں کس قدر خوب صورت ہیں، کتنی میٹھی ہیں، وہ اپنا کلام سنا کر لوگوں کے دلوں کو موہ لیتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے اسے جلاوطن کر دیا تو تمہیں امن نہیں ملے گا۔ یہ کہیں بھی جا کر لوگوں کے دلوں کو موہ لے گا۔ پھر تم پر

تسلط ہو جائے گا... اور تمہاری یہ ساری سرداری چھن جائے گی۔ لہٰذا کوئی اور بات سوچو۔

اس پر ابو جہل نے کہا

"میری ایک اور ہی رائے ہے اور اس سے بہتر رائے نہیں ہو سکتی۔"

سب نے کہا

"اور وہ کیا ہے؟"

ابو جہل کہنے لگا

"آپ لوگ ہر خاندان اور ہر قبیلے کا ایک ایک بہادر اور طاقت ور نوجوان لیں۔ پھر ایک ایک کو ایک ایک تلوار دیں۔ ان سب کو محمد پر حملہ کرنے کے لیے تیار کر کے بھیجیں۔ وہ سب ایک ساتھ اس پر اپنی تلواروں کا ایک بھرپور وار کریں... اس طرح اسے قتل کر دیں۔ اس سے ہوگا یہ کہ اس کے قتل میں سارے قبیلے شامل ہو جائیں گے۔ لہٰذا محمد کے خاندان والوں میں اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ وہ ان سب سے جنگ کریں... لہٰذا وہ خون بہا (یعنی فدیے کی رقم) لینے پر آمادہ ہو جائیں گے، وہ ہم انھیں دے دیں گے۔"

اس پر شیطان خوش ہو کر بولا:

"ہاں! یہ ہے اصل رائے... میرے خیال میں اس سے اچھی رائے کوئی اور نہیں ہو سکتی۔"

چنانچہ اس رائے کو سب نے منظور کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی جبرئیل علیہ السلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ انھوں نے عرض کیا:

"آپ روزانہ جس بستر پر سوتے ہیں، آج رات اس پر نہ سوئیں۔"

اس کے بعد انھوں نے مشرکین کی سازش کی خبر دی، چنانچہ سورۃ الانفال کی آیت ۳۰ میں آتا ہے:

ترجمہ: اور اس واقعے کا بھی ذکر کیجیے جب کافر لوگ آپ کی نسبت بری بری تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آیا آپ کو قید کر لیں، یا قتل کر ڈالیں، یا آپ کو جلا وطن کر دیں اور وہ اپنی

مکہ سے غارِ ثور تک

ادھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا

"تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری سبز چادر اوڑھ لو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"تمہارے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آئے گا۔"

مشرکوں کے جس گروہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو گھیر رکھا تھا، ان میں حکم بن ابوالعاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود اور ابوجہل بھی شامل تھے۔ ابوجہل اس وقت دبی آواز میں اپنے ان ساتھیوں سے کہہ رہا تھا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے، اگر تم اس کے دین کو قبول کر لو گے تو تمہیں عرب و عجم کی بادشاہت مل جائے گی اور مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندگی عطا کی جائے گی اور وہاں تمہارے لیے ایسی جنتیں ہوں گی، ایسے باغات ہوں گے جیسے اردن کے باغات ہیں، لیکن اگر تم اس کی پیروی نہیں کرو گے تو تم سب تباہ ہو جاؤ گے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے، تمہارے لیے جہنم کی آگ تیار ہوگی، اس میں تمہیں جلایا جائے گا۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے یہ الفاظ سن لیے۔ آپ یہ کہتے ہوئے گھر سے نکلے:

"ہاں! میں یقیناً یہ بات کہتا ہوں۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مٹھی میں مٹی اٹھائی اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

ترجمہ: یٰس۔ قسم ہے حکمت والے قرآن کی۔ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔ سیدھے راستے پر ہیں۔ یہ قرآن زبردست اللہ مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ (پہلے تو) ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے سو اسی سے یہ بے خبر ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک اڑ گئے ہیں جس سے ان کے سر اوپر کو اٹھ گئے ہیں اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی ہے اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی ہے جس سے ہم نے انہیں ہر طرف سے پردوں سے گھیر دیا ہے سو وہ دیکھ نہیں سکتے۔"

یہ سورۂ یٰسین کی آیات ۱ تا ۹ کا ترجمہ ہے۔ ان آیات کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے کفار کو وقتی طور پر اندھا کر دیا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے سے جاتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مٹی پھینکی تھی، وہ ان سب کے سروں پر گری۔ کوئی ایک بھی ایسا نہ بچا جس پر مٹی نہ گری ہو۔

جب قریش کو پتا چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سروں پر خاک ڈال کر تشریف لے جا چکے ہیں تو وہ سب گھر کے اندر داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ چادر اوڑھے سو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ بولے:

"خدا کی قسم! یہ تو اپنی چادر اوڑھے سو رہے ہیں" لیکن جب چادر الٹی گئی تو بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر آئے۔ یہ دیکھ کر قریش حیرت زدہ رہ گئے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

"تمہارے صاحب کہاں ہیں؟"

جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! تم میرے ساتھ جاؤ گے۔"

یہ سنتے ہی مارے خوشی کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے اپنے والد کو روتے دیکھا تو حیران ہوئی، اس لیے کہ میں اس وقت تک نہیں جانتی تھی کہ انسان خوشی کی وجہ سے بھی رو سکتا ہے۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ ان دونوں اونٹنیوں میں سے ایک لے لیں۔ میں نے انہیں اسی سفر کے لیے تیار کیا ہے۔"

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں یہ قیمت دے کر لے سکتا ہوں۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! میں اور میرا سب مال تو آپ ہی کا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹنی لے لی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی قیمت دی تھی۔ اس اونٹنی کا نام قصویٰ تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے پاس ہی رہی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس کی موت واقع ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر ہم نے ان دونوں اونٹنیوں کو جلدی جلدی سفر کے لیے تیار کیا۔ چمڑے کی ایک تھیلی میں کھانے پینے کا سامان رکھ دیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنی چادر پھاڑ کر اس کے ایک حصے سے ناشتے کی تھیلی بند دی۔ دوسرے حصے سے انہوں نے پانی کے برتن کا منہ بند کر دیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تمہاری اس اوڑھنی کے بدلے جنت میں دو اوڑھنیاں دے گا۔"

اوڑھنی کو چیر کر دو حصے کرنے کے عمل کی بنیاد پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین کا لقب ملا یعنی دو اوڑھنیوں والی۔ یاد رہے کہ نطاق اس دوپٹے کو کہا جاتا ہے جسے عرب عورتیں کام کے دوران کمر کے گرد باندھ لیتی تھیں۔

پھر رات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور پہاڑ ثور تک پہنچے۔ سفر کے دوران کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے چلتے تو کبھی پیچھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

"ابوبکر! ایسا کیوں کر رہے ہو۔"

جواب میں انہوں نے عرض کیا۔

"اللہ کے رسول! میں اس خیال سے پریشان ہوں کہ کہیں راستے میں کوئی آپ کی گھات میں نہ بیٹھا ہو۔"

اس پہاڑ میں ایک غار تھا۔ دونوں غار کے دہانے تک پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا

"قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ آپ ذرا ٹھہریے! پہلے میں غار میں داخل ہوں گا، اگر غار میں کوئی موذی کیڑا ہوا تو کہیں وہ آپ کو نقصان نہ پہنچا دے..."

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے۔ انہوں نے غار کو ہاتھوں سے ٹٹول کر دیکھنا شروع کیا۔ جہاں کوئی سوراخ ملتا، اپنی چادر سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اس کو بند کر دیتے۔

☆☆☆

آپ کو تکلیف نہ پہنچا ئیں۔''

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ابوبکر! غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل کو سکون بخش دیا۔ ان حالات میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیاس محسوس ہوئی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کا ذکر کیا... تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''اس غار کے درمیان میں جاؤ اور پانی پی لو۔''

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اٹھ کر غار کے درمیان میں پہنچے۔ وہاں انہیں اتنا بہترین پانی ملا کہ شہد سے زیادہ میٹھا، دودھ سے زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبو والا تھا۔ انہوں نے اس میں سے پانی پیا، جب وہ واپس آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جنت کی نہروں کے نگران فرشتے کو حکم فرمایا کہ اس غار کے درمیان میں جنت الفردوس سے ایک چشمہ جاری کر دیں تاکہ تم اس میں سے پانی پی سکو۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حیران ہوئے اور عرض کیا:

''کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرا اتنا مقام ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! بلکہ اے ابوبکر! اس سے بھی زیادہ ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے پیغام کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے، وہ شخص جو تم سے بغض رکھے، جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

غرض قریش مایوس ہو کر غار ثور سے ہٹ آئے اور ساحلی علاقوں کی طرف چلے گئے۔

ساتھ ہی انہوں نے اعلان کر دیا:

''جو شخص محمد یا ابوبکر کو گرفتار کرے یا قتل کرے، اسے سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس غار میں تین دن تک رہے۔ اس

دوران ان کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی آتے جاتے رہے۔ یہ اس وقت کم عمر تھے مگر معاملات کو سمجھتے تھے۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد یہ غار میں آجاتے اور منہ اندھیرے فجر کے وقت وہاں سے واپس آجاتے۔ اس سے قریش یہ خیال کرتے کہ انہوں نے رات اپنے گھر میں گزاری ہے۔ اس طرح قریش کے درمیان دن بھر جو باتیں ہوتیں، یہ ان کو سنتے اور شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر بتا دیتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ پہلے طفیل نامی ایک شخص کے غلام تھے۔ جب یہ اسلام لے آئے تو طفیل نے ان پر ظلم ڈھانا شروع کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

یہ بھی ان دنوں غار تک آتے جاتے رہے۔ شام کے وقت اپنی بکریاں لے کر وہاں پہنچ جاتے اور رات کو وہیں رہتے۔ صبح منہ اندھیرے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد یہ بھی وہاں سے اپنی بکریاں اسی راستے سے واپس لاتے تاکہ ان کے قدموں کے نشانات مٹ جائیں۔ ان تین راتوں تک ان کا برابر یہی معمول رہا۔ یہ ایسا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی یہ حکم دیا تھا کہ وہ دن بھر قریش کی باتیں سنا کریں اور شام کو انہیں بتایا کریں۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہ ہدایت تھی کہ دن بھر بکریاں چرایا کریں اور شام کو غار میں ان کا دودھ پہنچایا کریں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا بھی شام کے وقت ان کے لیے کھانا پہنچاتی تھیں۔

ان تین کے علاوہ اس غار کا پتا کسی کو نہیں تھا۔ تین دن اور تین رات گزرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"اب تم علی کے پاس جاؤ، انہیں غار کے بارے میں بتاؤ اور ان سے کہو وہ کسی رہبر کا انتظام کر دیں، آج رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد وہ رہبر یہاں آ جائے۔"

چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سیدھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً اجرت پر ایک رہبر کا انتظام کیا۔ اس کا نام اریقط ابن عبداللہ لیثی تھا۔ یہ رہبر رات کے وقت وہاں پہنچا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی اونٹ کے بلبلانے کی آواز سنی، آپ فوراً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار سے نکل آئے۔ اور رہبر کو پہچان لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اونٹوں پر سوار ہو گئے۔

اس سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے اپنے گھر سے وہ رقم بھی منگوالی تھی جو وہاں موجود تھی... یہ رقم چار یا پانچ ہزار درہم تھی۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تھے تو ان کے پاس چالیس پچاس ہزار درہم موجود تھے۔ گویا یہ تمام دولت انہوں نے اللہ کے راستے میں خرچ کر دی تھی۔ جاتے وقت بھی گھر میں جو کچھ تھا، منگوا لیا۔ ان کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان کی بینائی ختم ہو گئی تھی۔ وہ گھر آئے تو اپنی پوتی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے:

"میرا خیال ہے، ابوبکر اپنی اور اپنے مال کی وجہ سے تمہیں مصیبت میں ڈال گئے ہیں (مطلب یہ تھا کہ جاتے ہوئے سارے پیسے لے گئے ہیں)۔"

یہ سن کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا:

"نہیں بابا! وہ ہمارے لیے بڑی خیر و برکت چھوڑ گئے ہیں۔"

حضرت اسماء کہتی ہیں: "اس کے بعد میں نے کچھ کنکر ایک تھیلی میں ڈالے اور ان کو طاق میں رکھ دیا۔ اسی میں میرے والد اپنے پیسے رکھتے تھے۔ پھر اس تھیلی پر کپڑا ڈال دیا اور اپنے دادا کا ہاتھ ان پر رکھتے ہوئے میں نے کہا

سو اونٹنیوں کا انعام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر جانے کی خبر ایک صحابی حضرت حمزہ بن جندب رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو کہنے لگے

"اب میرے مکہ میں رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔"

پھر انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ یہ گھر سے مدینہ منورہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے ابھی تنعیم کے مقام تک پہنچا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔

اس واقعے پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں یہ آیت نازل فرمائی:

"اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہوا کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرے گا۔ پھر اسے موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہو گیا اور اللہ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں، بڑے رحمت کرنے والے ہیں۔" (آیت 100)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا

"حسان! کیا تم نے ابوبکر کے بارے میں بھی کوئی شعر کہا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا

"جی ہاں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سناؤ! میں سننا چاہتا ہوں۔"

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بہت بڑے شاعر تھے۔ ان کو "شاعر رسول" کا خطاب بھی ملا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش پر انہوں نے جو دو شعر سنائے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:

"حضرت ابوبکر صدیق جو دو میں کے دوسرے تھے، اس بلند و بالا غار میں تھے اور جب وہ پہاڑ پر پہنچ گئے تو دشمن نے ان کے گرد آکر چکر لگائے۔

یہ آنحضرت کے عاشق زار تھے جیسا کہ ایک دنیا جانتی ہے اور اس عشق رسول میں ان کا کوئی ثانی یا برابر نہیں تھا۔"

یہ شعر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دئیے۔ یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک نظر آنے لگے۔ پھر ارشاد فرمایا:

"تم نے سچ کہا حسان! وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے کہا، وہ غار والے کے نزدیک (یعنی میرے نزدیک) سب سے زیادہ پیارے ہیں کوئی دوسرا شخص ان کی برابری نہیں کر سکتا۔"

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے چلتے دیکھا تو ارشاد فرمایا:

"اے ابودرداء! کیا تم اس شخص سے آگے چلتے ہو جو دنیا اور آخرت میں تم سے زیادہ افضل ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے انبیاء اور مرسلین کے بعد ابوبکر سے زیادہ افضل آدمی پر نہ کبھی سورج طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا۔"

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"میرے پاس جبرئیل آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ ابوبکر سے

مشورہ کیا کیجیے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میری امت پر ابوبکر کی محبت واجب ہے۔"

یہ چند احادیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں اس لیے نقل کر دی گئیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے ساتھی تھے اور یہ عظیم اعزاز ہے۔

ہاں تو بات تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اونٹنیوں پر سوار ہوئے اور راہبر کے ساتھ سفر شروع کیا۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسی اونٹ پر سوار تھے۔

غرض یہ مختصر سا قافلہ روانہ ہوا۔ راہبر انہیں ساحل سمندر کے راستے سے لے کر چلا تھا۔ راستے میں کوئی ملتا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھتا:

"یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟"

تو آپ اس کے جواب میں فرماتے:

"میرے ساتھ میرے راہبر ہیں۔"

یعنی میرے ساتھ مجھے راستہ دکھانے والے ہیں۔ ان کا مطلب تھا کہ یہ دین کا راستہ دکھانے والے ہیں، مگر پوچھنے والے اس گول مول جواب سے یوں سمجھتے کہ یہ کوئی راہبر (گائیڈ) ہیں جو ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس طرح جواب دینے کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت دی تھی کہ لوگوں کو میرے پاس سے ٹالتے رہنا۔ یعنی اگر کوئی میرے بارے میں پوچھے تو تم ایسا ہی ذو معنی (گول مول) جواب دینا، کیونکہ نبی کے لیے کسی صورت میں جھوٹ بولنا مناسب نہیں... چاہے کسی بھی لحاظ سے ہو۔ چنانچہ جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کرتا رہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی جواب دیتے رہے۔ دراصل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان راستوں سے اکثر تجارت کے لیے

جو کہ اس وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے اور پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے، البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مڑ مڑ کر بار بار دیکھ رہے تھے۔

اسی وقت میری گھوڑی کی اگلی دونوں ٹانگیں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئیں، حالانکہ وہاں زمین سخت اور پتھریلی تھی۔ میں گھوڑی سے اُترا... اسے ڈانٹا... وہ کھڑی ہوگئی، لیکن اس کی ٹانگیں ابھی تک زمین میں دھنسی ہوئی تھیں، وہ زمین سے نہ نکلیں۔

میں نے پھر فال نکالی۔ انکار والا تیر ہی نکلا۔ آخر میں پکارا تھا:

''میری طرف دیکھیے! میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا اور نہ میری طرف سے آپ کو کوئی ناگوار بات پیش آئے گی... میں سراقہ بن مالک ہوں، آپ کا ہمدرد ہوں... آپ کو نقصان پہنچانے والا نہیں ہوں... مجھے معلوم نہیں کہ میری بستی کے لوگ بھی آپ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں یا نہیں۔''

یہ کہنے سے میرا مطلب تھا، اگر کچھ اور لوگ اس طرف آ رہے ہوں گے تو میں انہیں روک دوں گا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اس سے پوچھو... یہ کیا چاہتا ہے۔''

اب میں نے انہیں اپنے بارے میں بتایا... اپنے ارادے کے بارے میں بتا دیا اور بولا:

''بس آپ دعا کر دیجیے کہ میری گھوڑی کی ٹانگیں زمین سے نکل آئیں... میں وعدہ کرتا ہوں، اب آپ کا پیچھا نہیں کروں گا۔''

☆☆☆

حضرت اُمِّ معبدؓ کے خیمے پر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ آپ کے دعا فرماتے ہی حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی گھوڑی کے پاؤں زمین سے نکل آئے۔

گھوڑی کے پاؤں جونہی باہر آئے، سراقہ رضی اللہ عنہ پھر اس پر سوار ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! ہمیں اس سے باز رکھ۔"

اس دعا کے ساتھ ہی گھوڑی پیٹ تک زمین میں دھنس گئی۔ اب انہوں نے کہا:

"اے محمد! میں قسم کھا کر کہتا ہوں... مجھے اس مصیبت سے نجات دلا دیں... میں آپ کا ہمدرد ثابت ہوں گا۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے زمین! اسے چھوڑ دے۔"

یہ فرمانا تھا کہ ان کی گھوڑی زمین سے نکل آئی... بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ سراقہ رضی اللہ عنہ نے سات مرتبہ وعدہ خلافی کی، ہر بار ایسا ہی ہوا... بعض روایات میں ہے کہ ایسا تین بار ہوا... آخر حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ سکتے... چنانچہ انہوں نے کہا:

''میں اب آپ کا پیچھا نہیں کروں گا... آپ میرے سامان میں سے کچھ لینا چاہیں تو لے لیں... سفر میں آپ کے کام آئے گا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''تم بس اپنے آپ کو روکے رکھو اور کسی کو ہم تک نہ آنے دو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا:

''اے سراقہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہیں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔''

سراقہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر حیران ہوئے اور بولے:

''آپ نے کیا فرمایا... کسریٰ بادشاہ کے کنگن مجھے پہنائے جائیں گے۔''

ارشاد فرمایا:

''ہاں! ایسا ہی ہوگا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حیرت انگیز ترین پیش گوئی تھی... کیونکہ اس وقت ایسا ہونے کا قطعاً کوئی امکان دور دور تک نہیں تھا، لیکن پھر ایک وقت آیا کہ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب مسلمانوں کو فتوحات پر فتوحات ہوئیں اور ایران کے بادشاہ کسریٰ کو شکست فاش ہوئی تو اس مال غنیمت میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے۔ یہ کنگن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سراقہ رضی اللہ عنہ کو پہنائے، اور اس وقت سراقہ رضی اللہ عنہ کو یاد آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت ارشاد فرمایا تھا:

''اے سراقہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب تمہیں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔''

اپنے ایمان لانے کی تفصیل سراقہ رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں:

''جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حنین اور طائف کے معرکوں سے فارغ ہو چکے تو میں ان سے ملنے کے لیے روانہ ہوا۔ ان سے میری ملاقات جعرانہ کے مقام پر ہوئی۔ میں

انصاری سواروں کے درمیان سے لشکر کے اس حصے کی طرف روانہ ہوا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر تشریف فرما تھے۔ میں نے نزدیک پہنچ کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں سراقہ ہوں۔"

ارشاد فرمایا:

"قریب آ جاؤ۔"

میں نزدیک چلا آیا اور پھر ایمان لے آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے کنگن مجھے پہناتے ہوئے فرمایا تھا:

"تمام تعریفیں اس ذات باری تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے یہ چیزیں شاہ ایران کسریٰ بن ہرمز سے چھین لیں جو یہ کہا کرتا تھا، میں انسانوں کا پروردگار ہوں۔"

یہ سراقہ ہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی ملنے کے بعد واپس چلے اور راستے میں جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں آتا ہوا انہیں ملا، یہ سے یہ کہہ کر لوٹاتے رہے:

"میں اس طرف ہی سے ہو کر آ رہا ہوں... ادھر مجھے کوئی نہیں ملا... اور آپ لوگ جانتے ہی ہیں کہ مجھے راستوں کی کتنی پہچان ہے۔"

غرض اس روز یہ قافلہ تمام رات چلتا رہا... یہاں تک کہ چلتے چلتے اگلے دن دوپہر کا وقت ہو گیا۔ اب دور دور تک کوئی آتا جاتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسے میں سامنے ایک چٹان ابھری ہوئی نظر آئی۔ اس کا سایہ کافی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ پڑاؤ ڈالنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سواری سے اترے اور اپنے ہاتھوں سے جگہ کو صاف کرنے لگے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹان کے سائے میں سو سکیں۔ جگہ صاف کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی پوستین وہاں بچھا دی اور عرض کیا:

"اللہ کے رسول! یہاں سو جائیے... میں پہرہ دوں گا..."

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

ایک چرواہے کو چٹان کی طرف آتے دیکھا... شاید وہ بھی سائے میں آرام کرنا چاہتا تھا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً اس طرف مڑے اور اس سے بولے:

''تم کون ہو؟''

اس نے بتایا:

''میں مکہ کا رہنے والا ایک چرواہا ہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

''کیا تمہاری بکریوں میں کوئی دودھ والی بکری ہے؟''

جواب میں اس نے کہا: ''ہاں ہے'' پھر وہ ایک بکری سامنے لایا۔ اپنے ایک برتن میں اس کا دودھ دوہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا۔ وہ دودھ کا برتن اٹھائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جو کہ اس وقت سو رہے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جگانا مناسب نہ سمجھا، دودھ کا برتن لیے اس وقت تک کھڑے رہے، جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ نہیں گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دودھ میں پانی کی دھار ڈالی تاکہ وہ ٹھنڈا ہو جائے، پھر خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا:

''یہ دودھ پی لیجیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا، پھر پوچھا:

''کیا روانگی کا وقت ہو گیا ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''جی ہاں! ہو گیا ہے۔''

اب یہ قافلہ پھر روانہ ہوا... ابھی کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ایک خیمہ نظر آیا۔ خیمے کے باہر ایک عورت بیٹھی تھی۔ یہ اُم معبد رضی اللہ عنہا تھیں جو اس وقت تک اسلام کی دعوت سے محروم تھیں۔ ان کا نام عاتکہ تھا۔ یہ ایک بہادر اور شریف خاتون تھیں۔

انہوں نے بھی آنے والوں کو دیکھ لیا۔ اس وقت اُم معبد رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم نہیں تھا

کہ چھوٹا سا یہ قافلہ ان بستیوں کا ہے... نزدیک آنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمِ معبد رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بکری کھڑی نظر آئی... وہ بہت ہی کمزور اور دبلی پتلی سی بکری تھی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمِ معبد رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا:

"کیا اس کے تھنوں میں دودھ ہے؟"

اُمِ معبد رضی اللہ عنہا بولیں:

"اس کمزور اور دبلی بکری کے تھنوں میں دودھ کہاں سے آئے گا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کیا تم مجھے اس کو دوہنے کی اجازت دو گی۔"

اس پر اُمِ معبد رضی اللہ عنہا بولیں:

"لیکن یہ تو ابھی پہلے بھی دودھ دینے والی نہیں ہوئی... آپ خود سوچیں یہ دودھ کس طرح دے سکتی ہے... میری طرف سے اجازت ہے، اگر اس سے آپ دودھ نکال سکتے ہیں تو نکال لیجیے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بکری کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کمر اور تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی:

"اے اللہ! اس بکری میں ہمارے لیے برکت عطا فرما۔"

جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی... بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے اور ان سے دودھ ٹپکنے لگا۔

یہ نظارہ دیکھ کر اُمِ معبد رضی اللہ عنہا حیرت زدہ رہ گئیں۔

☆☆☆

www.ahlehaq.org
MIS
سیرۃ النبی ﷺ
قدم بہ قدم
ایم آئی ایس پبلشرز
زیبی جیولرز
ZAIBI JEWELLERS

سیرت النبی ﷺ
قدم بہ قدم

جلد دوم

تالیف

عبداللہ فارانی

ناشر

ایم آئی ایس پبلشرز

فہرست مضامین

○ ○ ○

عرض ناشر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

"سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بقدم" کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پہلی جلد (جس میں نبی آخر الزماں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ طیبہ کے ہجرت تک کی زندگی کے حالات بیان کیے گئے تھے) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اتنی مقبول ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا، اور اس کا دوسرا ایڈیشن بھی اس عرصے میں شائع ہو گیا۔

اس دوسری جلد میں ہجرت کے بعد کی مدنی زندگی کے حالات و واقعات بیان ہوئے ہیں۔ نبی کریم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارکہ ہر مسلمان کے علم میں ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا بھی ہے اور ان پر عمل پیرا ہونا ایمان کی تکمیل کے لیے ضروری بھی ہے۔ اس لیے کتاب پڑھنا اس نیت سے بھی پڑھیں کہ ان شاء اللہ خود بھی اپنی زندگیوں کو سنت کے سانچے میں ڈھالیں گے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی پیار ومحبت سے اس طرف راغب کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں بھی شرف قبولیت عطا فرمائیں، اور روز قیامت اسے مؤلف، جملہ معاونین، شرکائے کار اور قارئین کے لیے نجات اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا باعث بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

ایم آئی سی

مجھے امید ہے کہ پہلی جلد کی طرح یہ جلد بھی آپ کو اسی طرح پسند آئے گی۔ یوں بھی اس جلد کا تو آپ نے انتظار بھی بہت شدت سے کیا ہے... اور شدید انتظار کے بعد جب کوئی چیز ملتی ہے تو اس کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہنا پسند کروں گا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک پر اس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا ان شاء اللہ۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کے تمام تر گوشوں پر پھر بھی کوئی نہیں لکھ سکے گا... ہر لکھنے والا یہی تشنگی محسوس کرتا ہوگا کہ افسوس! میں اس پہلو پر نہیں لکھ سکا اور مجھ سے یہ پہلو رہ گیا... یہ تڑپ ہر مصنف، ہر لکھنے والا محسوس کرتا رہے گا... تو میری بھی یہی حالت ہے اور بہت شدت سے ہے۔

امید ہے کہ پہلی جلد کی طرح آپ دوسری جلد کے بارے میں بھی اپنی رائے فون اور خطوط کے ذریعے اپنے جوش و خروش کا اظہار کریں گے۔

اس کے ساتھ آپ کو ایک اور خوش خبری سنانا چاہتا ہوں۔ "روشن ستارے" آپ پڑھ ہی چکے ہوں گے۔ "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بقدم" سے پہلے میں نے بچوں کا اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں حالات پر لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ عام طور پر یہ ان صحابہ کرامؓ کا تذکرہ تھا، جن کا تذکرہ تحریرات و رسائل میں مشکل سے ملتا ہے۔ روشن ستارے میں (مضمون کی طوالت کے پیش نظر) ان تمام صحابہ کرامؓ کے حالات کو شامل نہیں کیا جا سکا تھا۔ بہت سے صحابہ کرامؓ کے حالات شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ ایم آئی اے نے روشن ستارے کی بھی دوسری جلد شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس کی بھی تیاریاں شروع کر دی ہیں (اگرچہ دوسری جلد کا نام شاید کچھ اور رکھا جائے گا)۔

ایم آئی اے

امید ہے کہ یہ خوش خبری پڑھ کر آپ کو خوشی ہوئی ہوگی... بات ہے بھی خوشی کی۔ اس سیپارے کو حاصل کرنے کے لیے بھی آپ پہلے سے ہی تیار ہو جائیں۔

والسلام

عبداللہ فارانی

○ ○ ○

تھیں کس نے؟"

مطلب یہ تھا کہ یہاں جو بکری تھی، وہ تو دودھ سے بالکل خالی تھی۔ پھر یہ دودھ کہاں سے آیا؟

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا بولیں:

"آج یہاں سے ایک بہت مبارک شخص کا گزر ہوا تھا۔"

یہ سن کر حضرت ابو معبد رضی اللہ عنہ اور حیران ہوئے، پھر بولے:

"ان کا حلیہ تو بتاؤ۔"

جواب میں ام معبد رضی اللہ عنہا نے کہا:

"ان کا چہرہ نورانی تھا، ان کی آنکھیں ان کی لمبی پلکوں کے نیچے چمکتی تھیں، وہ گہری سیاہ تھیں، ان کی آواز میں نرمی تھی، وہ درمیانے قد کے تھے۔ (یعنی چھوٹے قد کے نہیں تھے) نہ بہت زیادہ لمبے تھے، ان کا کلام ایسا تھا جیسے کسی لڑی میں موتی پرو دیے گئے ہوں۔ بات کرنے کے بعد جب خاموش ہوتے تھے تو ان پر باوقار سنجیدگی ہوتی تھی۔ اپنے ساتھیوں کو کسی بات کا حکم دیتے تھے تو وہ جلد از جلد اس کو پورا کرتے تھے۔ وہ انہیں کسی بات سے روکتے تو فوراً رک جاتے تھے۔ وہ انتہائی خوش اخلاق تھے۔ ان کی گردن سے نورانی کرنیں پھوٹتی تھیں، ان کے دونوں ابرو ملے ہوئے تھے۔ بال نہایت سیاہ تھے۔ وہ دور سے دیکھنے پر نہایت شاندار اور قریب سے دیکھنے پر نہایت حسین و جمیل لگتے تھے۔ ان کی طرف نظر پڑتی تو پھر دوسری طرف ہٹ نہیں سکتی تھی۔ اپنے ساتھیوں میں وہ سب سے زیادہ حسین و جمیل اور بارعب تھے۔ سب سے زیادہ بلند مرتبہ تھے۔"

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کا بیان کردہ حلیہ سن کر ان کے شوہر بولے:

"اللہ کی قسم! یہ حلیہ اور صفات تو انہی قریشی بزرگ کی ہیں، اگر میں اس وقت یہاں ہوتا تو ضرور ان کی پیروی اختیار کر لیتا اور میں اب اس کی کوشش کروں گا۔"

چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت ام معبد اور حضرت ابو معبد رضی اللہ عنہما ہجرت

کافی دیر ہو گئی اور دھوپ میں تیزی آ گئی تو وہ گھروں کو لوٹنے لگے۔ ایسے میں ایک یہودی حرہ کے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھا۔ اسے مدینہ کی طرف سے کچھ سفید لباس والے آتے دکھائی دیے۔ اس قافلے سے اٹھنے والی گرد سے نکل کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واضح طور پر نظر آئے تو وہ یہودی پکار اٹھا:

"اے گروہ عرب! جن کا تمہیں انتظار تھا، وہ لوگ آ گئے۔"

یہ الفاظ سنتے ہی مسلمان واپس دوڑے اور حرہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو ایک درخت کے سائے میں آرام کرتے پایا۔

ایک روایت میں ہے کہ پانچ سو سے کچھ زیادہ انصاریوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔

وہاں سے چل کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبا تشریف لائے۔ اس روز پیر کا دن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے ایک شخص کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ بنی عمرو کا یہ قبیلہ اوس میں سے تھا۔ ان کے بارے میں روایت ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔

قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس کا نام مسجد قبا ہے۔ اس مسجد کے بارے میں ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے مکمل طور پر وضو کیا۔ پھر مسجد قبا میں نماز پڑھی تو اسے ایک حج اور عمرے کا ثواب ملے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد میں اکثر تشریف لاتے رہے۔ اس مسجد کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں ایک آیت بھی نازل فرمائی۔

قبا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے۔ جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر مسلمانوں کو ہوئی، ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں

نے مدینہ والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر جتنا خوش دیکھا، اتنا کسی اور موقع پر نہیں دیکھا... سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں دونوں طرف آ کھڑے ہوئے اور عورتیں چھتوں پر چڑھ گئیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا منظر دیکھ سکیں۔ عورتیں اور بچے خوشی میں یہ اشعار پڑھنے لگے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاع
اَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِيْنَا
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاع

ترجمہ: "چودھویں رات کا چاند ہم پر طلوع ہوا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو پکارنے والا اس سرزمین پر باقی ہے، ہم پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ اے آنے والے شخص جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ ایسے احکامات لے کر آئے ہیں جن کی پیروی اور اطاعت واجب ہے۔"

راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہوگئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو چکے تھے جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جوان نظر آتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال سیاہ تھے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دو سال بڑے تھے۔

اب ہوا یہ کہ جن لوگوں نے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں خیال کیا کہ اللہ کے رسول یہ ہیں اور گرم جوشی سے ان سے ملنے لگے۔ یہ بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوراً محسوس کر لی... اس وقت تک دھوپ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑنے لگی تھی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق

''اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے ہاں قیام فرمایئے۔ یہاں لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ یہاں آپ کی پوری حفاظت ہوگی... یہاں دولت بھی ہے، ہمارے پاس ہتھیار بھی ہیں... ہمارے پاس باغات بھی ہیں اور زندگی کی ضروریات کی سب چیزیں بھی موجود ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن کر مسکرائے، ان کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا:

''میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ جہاں جانا چاہے، اسے جانے دو، کیونکہ یہ مامور ہے۔''

مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اونٹنی خود چلے گی اور اسے اپنی منزل معلوم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو دعا دی:

''اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔''

اس کے بعد اونٹنی روانہ ہوئی۔ یہاں تک کہ بنی بیاضہ کے محلے میں پہنچی۔ یہاں کے لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے ہاں ٹھہریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو بنی سالم کو دیا تھا۔ اسی طرح بنی ساعدہ کے علاقے سے گزرے۔ ان حضرات نے بھی یہ درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب فرمایا۔ اونٹنی آگے بڑھی۔ اب یہ بنی عدی کے محلے میں داخل ہوئی، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی ننھیال تھی۔ ان لوگوں نے عرض کیا:

''ہم آپ کے ننھیال والے ہیں، اس لیے یہاں قیام فرمایئے۔ یہاں آپ کی رشتے داری بھی ہے، ہم تعداد میں بھی بہت ہیں۔ آپ کی حفاظت بھی بڑھ چڑھ کر کریں گے، پھر یہ کہ ہم آپ کے رشتے دار بھی ہیں، سو ہمیں چھوڑ کر نہ جائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی وہی جواب دیا کہ یہ اونٹنی مامور ہے، اسے اپنی منزل معلوم ہے۔ اونٹنی اور آگے بڑھی اور اسی محلے میں ایک جگہ بیٹھ گئی۔ یہ جگہ بنی مالک بن نجار کے محلے کے پاس تھی اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے کے

قریب تھی۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نام خالد ابن زید نجار انصاری تھا۔ یہ قبیلہ خزرج کے تھے۔ بیعت عقبہ کے موقع پر موجود تھے۔ ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت قریبی معاونین میں سے رہے۔ ان کی وفات یزید کے دور میں قسطنطنیہ کے جہاد کے دوران ہوئی۔

اونٹنی بیٹھ گئی، ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اترے نہیں تھے کہ وہ اچانک پھر کھڑی ہو گئی... چند قدم چلی اور ٹھہر گئی... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لگام بدستور چھوڑے رکھی تھی۔ اونٹنی اس کے بعد واپس اس جگہ آئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ وہ دوبارہ اسی جگہ بیٹھ گئی۔ اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور منہ کھولے بغیر ایک آواز نکالی۔ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اترے۔ ساتھ ہی فرمایا:

"اے میرے پروردگار! مجھے مبارک جگہ پر اتارنا اور تو ہی بہترین جگہ ٹھہرانے والا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ چار مرتبہ ارشاد فرمایا، پھر فرمایا:

"ان شاء اللہ! یہی قیام گاہ ہوگی۔"

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان اتارنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"کیا میں آپ کا سامان اپنے گھر لے جاؤں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ وہ سامان اتار کر لے گئے۔ اسی وقت حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انھوں نے اونٹنی کی مہار تھام لی اور اونٹنی کو لے گئے، چنانچہ اونٹنی ان کی مہمان بنی۔

بنی نجار کے ہاں اترنے پر ان کی بچیوں نے دف ہاتھوں میں لے لیے اور خوشی سے سرشار ہو کر ان کو بجانے لگیں۔ وہ یہ شعر گا رہی تھیں

پاس ہی تھی، اس وقت وہاں صرف دیواریں کھڑی کی گئی تھیں... ان پر چھت نہیں تھی۔ اونٹنی کے بیٹھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بس! مسجد اس جگہ بنے گی۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تم یہ جگہ مسجد کے لیے فروخت کر دو۔''

وہ جگہ دراصل دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی تھی اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ان کے سرپرست تھے۔ یہ روایت بھی آئی ہے کہ ان کے سرپرست معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آپ یہ زمین لے لیں، میں اس کی قیمت ان دونوں کو ادا کر دیتا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار فرمایا اور دس دینار میں زمین کا وہ ٹکڑا خرید لیا۔ یہ قیمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال میں سے ادا کی گئی (واہ! کیا قسمت پائی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ قیامت تک مسجد نبوی کے نمازیوں کا ثواب ان کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جا رہا ہے۔)

یہ روایت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں یتیم لڑکوں کو بلوایا۔ زمین کے سلسلے میں ان سے بات کی۔ ان دونوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم یہ زمین ہدیہ کرتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یتیموں کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار فرما دیا اور دس دینار میں زمین کا وہ ٹکڑا ان سے خرید لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ انہیں دس دینار ادا کر دیں، چنانچہ انھوں نے رقم ادا کر دی۔

زمین کی خرید کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر شروع کرنے کا ارادہ فرمایا، اینٹیں بنانے کا حکم دیا، پھر گارا تیار کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پہلی اینٹ رکھی۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دوسری اینٹ وہ

مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے کا آغاز

مسلمان پتھروں سے بنیادیں بھرنے لگے۔ بنیادیں تین ہاتھ (ساڑھے ۴ فٹ) گہری تھیں۔ اس کے لیے اینٹوں کی چنائی کی گئی۔ دونوں جانب پتھروں کی دیواریں بنا کر کھجور کی ٹہنیوں کی چھت ڈالی گئی اور کھجور کے تنوں کے ستون بنائے گئے۔ دیواروں کی اونچائی انسانی قد کے برابر تھی۔

ان حالات میں بنوانصار کے مسلمانوں نے چندہ جمع کیا۔ وہ مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور عرض کیا

"اے اللہ کے رسول! اس مال سے مسجد بنائیے اور اس کو آراستہ کیجیے ہم کب تک چھپر کے نیچے نماز پڑھتے رہیں گے۔"

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"مجھے مسجدوں کو سجانے کا حکم نہیں دیا گیا۔"

اسی سلسلے میں ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں

"قیامت قائم ہونے کی ایک نشانی یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں آرائش اور زیبائش کرنے لگیں گے جیسے یہود و نصاریٰ اپنے کلیساؤں اور گرجوں میں زیب و زینت کرتے ہیں۔"

مسجد نبوی کی چھت کھجور کی چھال اور پتوں کی تھی اور اس پر تھوڑی سی مٹی تھی۔ جب بارش ہوتی تو اندر پانی ٹپکتا... یہ پانی مٹی ملا ہوتا... اس سے مسجد کے اندر کیچڑ ہو جاتا۔ یہ بات محسوس کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! اگر آپ حکم دیں تو چھت پر زیادہ مٹی بچھا دی جائے تاکہ اس میں سے پانی نہ رسے، مسجد میں نہ ٹپکے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نہیں! یونہی رہنے دو۔"

مسجد کی تعمیر کے کام میں تمام مہاجرین اور انصار نے حصہ لیا۔ یہاں تک کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ہاتھوں سے کام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر میں اینٹیں بھر بھر کر لاتے یہاں تک کہ سینہ مبارک غبار آلود ہو جاتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اینٹیں اٹھاتے دیکھا تو وہ اور زیادہ جانفشانی سے اینٹیں ڈھونے لگے۔ (یہاں اینٹوں سے مراد پتھر ہیں۔) ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ باقی صحابہ تو ایک ایک پتھر اٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو دو پتھر اٹھا کر لا رہے تھے تو ان سے پوچھا:

"عمار! تم بھی اپنے ساتھیوں کی طرح ایک ایک پتھر کیوں نہیں لاتے۔"

انھوں نے عرض کیا:

"اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب چاہتا ہوں۔"

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بہت نفیس اور صفائی پسند آدمی تھے۔ وہ بھی مسجد کی تعمیر کے لیے پتھر ڈھو رہے تھے۔ پتھر اٹھا کر چلتے تو اس کو اپنے کپڑوں سے دور رکھتے تاکہ کپڑے خراب نہ ہوں۔ اگر مٹی لگ جاتی تو فوراً چٹکی سے اس کو جھاڑنے لگتے۔ دوسرے صحابہ یہ دیکھ کر مسکرا دیتے۔

مسجد کی تعمیر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں پانچ ماہ تک بیت المقدس کی

طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبلے کا رخ بیت اللہ کی طرف ہو گیا۔ مسجد کا پہلے فرش کچا تھا، پھر اس پر کنکریاں بچھا دی گئیں۔ یہ اس لیے بچھائی گئیں کہ ایک روز بارش ہوئی، فرش گیلا ہو گیا۔ اب جو بھی آتا، اپنی جھولی میں کنکریاں بھر کر لاتا اور اپنی جگہ پر ان کو بچھا کر نماز پڑھتا۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سارا فرش ہی کنکریوں کا بچھا دو۔

پھر جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کو وسیع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ مسجد کے ساتھ زمین کا ایک ٹکڑا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تھا، یہ ٹکڑا انھوں نے ایک یہودی سے خریدا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کو وسیع کرنا چاہتے ہیں تو انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ مجھ سے زمین کا یہ ٹکڑا جنت کے ایک مکان کے بدلے میں خرید لیں۔"

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ٹکڑا ان سے لے لیا۔ مسجد نبوی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اگر میری یہ مسجد صنعا کے مقام تک بھی بن جائے (یعنی اتنی وسیع ہو جائے) تو بھی یہ میری مسجد ہی رہے گی، یعنی مسجد نبوی ہی رہے گی۔"

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ نے مسجد نبوی کے وسیع ہونے کی پہلے ہی اطلاع دے دی تھی اور ہوا بھی یہی۔ بعد کے ادوار میں اس میں توسیع ہوتی رہی ہے اور اس کا سلسلہ جاری ہے اور آگے بھی جاری رہے گا۔

مسجد نبوی کے ساتھ ہی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے دو حجرے بنائے گئے۔ یہ حجرے مسجد نبوی سے بالکل ملے ہوئے تھے۔ ان حجروں کی چھتیں بھی کھجور کے پتوں اور ان کی چھال سے بنائی گئی تھیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے

صاحب زادیوں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، اور دایہ ام ایمن رضی اللہ عنہا (جو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں) اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو لے کر مدینہ منورہ آ گئے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایا کے بیٹے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حد درجے عزیز تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا چونکہ شادی شدہ تھیں اور ان کے شوہر اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لیے انہیں ہجرت کرنے سے روک دیا گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بعد میں ہجرت کی تھی اور اپنے شوہر کو کفر کی حالت میں مکہ ہی میں چھوڑ آئی تھیں۔ ان کے شوہر ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ غزوہ بدر کے موقع پر کافروں کے لشکر میں شامل ہوئے، گرفتار ہوئے، لیکن انہیں چھوڑ دیا گیا، پھر یہ مسلمان ہو گئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہلے ہی حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔ یہ بعد میں حبشہ سے مدینہ پہنچے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر والے بھی ساتھ ہی مدینہ منورہ آ گئے۔ ان میں ان کی زوجہ محترمہ حضرت ام رومان، حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''جس شخص کو جنت کی حوروں میں سے کوئی حور دیکھنے کی خواہش ہو، وہ ام رومان کو دیکھ لے۔''

ہجرت کے اس سفر میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے قبا میں ٹھہرنا پڑا۔ یہاں ان کے ہاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ بچے کی

پیدائش کے بعد یہ مدینہ پہنچیں اور اپنا بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں برکت حاصل کرنے کے لیے پیش کیا۔ یہ ہجرت کے بعد مہاجرین کے ہاں پہلا بچہ تھا۔ ان کی پیدائش پر مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی، کیونکہ کفار نے مشہور کر دیا تھا کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مدینہ آئے ہیں، ان کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی کیونکہ ہم نے ان پر جادو کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر ان لوگوں کی یہ بات غلط ثابت ہوئی، اس لیے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔

مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہوئی تو رات کے وقت اس میں روشنی کا مسئلہ سامنے آیا۔ اس غرض کے لیے پہلے پہل کھجور کی شاخیں جلائی گئیں۔ پھر حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو وہ اپنے ساتھ قندیلیں، رسیاں اور زیتون کا تیل لائے۔

○ ○ ○

اسلامی بھائی چارہ

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے یہ قندیلیں مسجد میں لگا دیں، جمعرات کے وقت ان کو جلا دیا۔ یہ دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہماری مسجد روشن ہوئی، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بھی روشنی کا سامان فرمائے، اللہ کی قسم! اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کی شادی تم سے کر دیتا۔"

بعض روایات میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد میں قندیل جلائی تھی۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حجرے اپنی بیویوں کے لیے بنوائے تھے۔ (باقی حجرے ضرورت کے مطابق بعد میں بنائے گئے)۔ ان دو میں سے ایک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور دوسرا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا۔

مدینہ منورہ میں وہ زمینیں جو کسی کی ملکیت نہیں تھیں، ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے لیے نشانات لگا دیے، یعنی یہ زمینیں ان میں تقسیم کر دیں۔ کچھ زمینیں آپ کو انصاری حضرات نے ہدیہ کی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی تقسیم فرما دیا اور ان جگہوں پر ان مسلمانوں کو بسایا جو پہلے قبا میں ٹھہر گئے تھے، لیکن بعد میں جب انہوں نے دیکھا کہ قبا میں جگہ نہیں ہے تو وہ بھی مدینہ چلے آئے تھے۔

میں طے پایا کہ یہودی مسلمانوں سے کبھی جنگ نہیں کریں گے، کبھی انہیں تکلیف نہیں پہنچائیں گے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں وہ کسی کی مدد نہیں کریں گے اور اگر کوئی اچانک مسلمانوں پر حملہ کرے تو یہ یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ ان شرائط کے مقابلے میں مسلمانوں کی طرف سے یہودیوں کی جان و مال اور ان کے مذہبی معاملات میں آزادی کی ضمانت دی گئی۔ یہ معاہدہ جن یہودی قبائل سے کیا گیا، ان کے نام بنی قینقاع، بنی قریظہ اور بنی نضیر ہیں۔

اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ اس بھائی چارے سے مسلمانوں کے درمیان محبت اور خلوص کا بے مثال رشتہ قائم ہوا۔ اس بھائی چارے کو مواخات کہتے ہیں۔ بھائی چارے کا یہ قیام حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہوا۔ یہ بھائی چارہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ہوا۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''اللہ کے نام پر تم سب آپس میں دو دو بھائی بن جاؤ۔''

اس بھائی چارے کے بعد انصاری مسلمانوں نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ خود مہاجرین پر اس سلوک کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ پکار اٹھے:

''اے اللہ کے رسول! ہم نے ان جیسے لوگ کبھی نہیں دیکھے۔ انہوں نے ہمارے ساتھ اس قدر ہمدردی اور غم گساری کی ہے، اس قدر فیاضی کا معاملہ کیا ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی... یہاں تک کہ محنت اور مشقت کے وقت وہ ہمیں الگ رکھتے ہیں اور صلہ ملنے کا وقت آتا ہے تو ہمیں اس میں برابر کا شریک کر لیتے ہیں... ہمیں تو ڈر ہے... بس آخرت کا سارا ثواب یہ تنہا نہ سمیٹ لے جائیں۔''

ان کی یہ بات سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نہیں! ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک تم ان کی تعریف کرتے رہو گے اور انہیں دعائیں دیتے رہو گے۔''

بعض علماء نے لکھا کہ بھائی چارہ کرانا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی نے اپنے امتیوں میں اس طرح بھائی چارہ نہیں کرایا۔

اس سلسلے میں روایات ملتی ہیں کہ انصاری مسلمانوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی ہر چیز میں سے نصف حصہ دے دیا۔ کسی کے پاس دو مکان تھے تو ایک اپنے بھائی کو دے دیا۔ اسی طرح ہر چیز کا نصف اپنے بھائی کو دے دیا۔ یہاں تک کہ ایک انصاری کی دو بیویاں تھیں۔ انھوں نے اپنے مہاجر بھائی سے کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، میں ان میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں۔ عدت پوری ہونے کے بعد تم اس سے شادی کر لینا، لیکن مہاجر مسلمان نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا۔

ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد یہ مسئلہ سامنے آیا کہ نماز کے لیے لوگوں کو کیسے بلایا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ اس سلسلے میں ایک مشورہ یہ دیا گیا کہ نماز کا وقت ہونے پر ایک جھنڈا لہرا دیا جائے۔ لوگ اس کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور ایک دوسرے کو بتا دیا کریں گے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند نہ فرمایا۔ پھر کسی نے کہا کہ گھنٹی بجا دیا کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی ناپسند فرمایا کیونکہ یہ طریقہ یہودیوں کا تھا۔ اب کسی نے کہا کہ ناقوس بجا کر اعلان کر دیا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہ فرمایا اس لیے کہ یہ عیسائیوں کا طریقہ تھا۔

چند لوگوں نے مشورہ دیا کہ آگ جلا دی جایا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو بھی پسند نہ فرمایا، اس لیے کہ یہ طریقہ مجوسیوں کا تھا۔

ایک مشورہ یہ دیا گیا:

ایک شخص مقرر کر دیا جائے کہ وہ نماز کا وقت ہونے پر گشت لگایا کرے۔ چنانچہ اس رائے کو قبول کر لیا گیا۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اعلان کرنے والا مقرر کر دیا گیا۔

انہی دنوں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا۔ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا۔ اس کے جسم پر دو سبز کپڑے تھے اور اس کے ہاتھ میں ایک ناقوس (بگل) تھا..... حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا:

''کیا تم یہ ناقوس فروخت کرتے ہو؟''..... اس نے پوچھا:

''تم اس کا کیا کرو گے؟''

میں نے کہا: ''ہم اس کو بجا کر نمازیوں کو جمع کیا کریں گے''۔ اس پر وہ بولا:

''کیا میں تمھیں اس کے لیے اس سے بہتر طریقہ نہ بتادوں؟''

میں نے کہا: ''ضرور بتایئے''..... اب اس نے کہا..... ''تم یہ الفاظ پکار کر لوگوں کو جمع کیا کرو۔''

اور اس نے اذان کے الفاظ دہرا دیے۔ یعنی پوری اذان پڑھ کر انھیں سنادی۔ پھر تکبیر کہنے کا طریقہ بھی بتایا۔

صبح ہوئی تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا یہ خواب سنایا... خواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بے شک! یہ سچا خواب ہے ان شاء اللہ! تم جا کر یہ کلمات بلال کو سکھا دو..... تاکہ وہ ان کے ذریعے اذان دیں۔ ان کی آواز تم سے بلند ہے..... اور زیادہ دل کش بھی ہے۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انھوں نے کلمات سیکھنے پر صبح کی اذان دی..... اس طرح سب سے پہلی اذان فجر کی نماز کے لیے دی گئی۔

○ ۞ ○

انھوں نے جواب دیا:

"ہمیں ڈر ہے، اگر ہم مسلمان ہو گئے تو یہودی ہمیں قتل کر ڈالیں گے۔"

دو یہودی عالم ملک شام میں رہتے تھے۔ انہیں ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ دونوں ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئے۔ مدینہ منورہ کو دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے:

"یہ شہر اس نبی کے شہر سے کتنا ملتا جلتا ہے جو آخری زمانے میں ظاہر ہونے والے ہیں۔"

اس کے کچھ دیر بعد انہیں پتا چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے اس شہر مدینہ منورہ میں آ چکے ہیں۔ یہ خبر ملنے پر دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا:

"ہم آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتے ہیں، اگر آپ نے جواب دے دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"پوچھو! کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

انھوں نے کہا:

"ہمیں اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی گواہی اور شہادت کے متعلق بتایئے۔"

ان کے سوال پر سورۂ آل عمران کی آیت 19 نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ان کے سامنے تلاوت فرمائی:

ترجمہ: اللہ نے اس کی گواہی دی ہے کہ سوائے اس کی ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی گواہی دی ہے اور وہ اس شان کے مالک ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام کو قائم رکھنے والے ہیں۔ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں، وہ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔ بلاشبہ دین حق اور مقبول، اللہ تعالیٰ

گاؤں تھا۔ اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف مہاجرین تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی ضمرہ پر حملہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 70 صحابہ تھے... بنی ضمرہ کے سردار نے جنگ کے بغیر صلح کر لی... صلح کا معاہدہ لکھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ اس طرح یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا غزوہ تھا۔ اس کو غزوہ بنی ضمرہ کہا جاتا ہے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کا جھنڈا سفید تھا اور یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا گیا تھا۔

صلح کے معاہدے میں طے پایا تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے مقابلے پر نہیں آئیں گے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جب بھی بلائیں گے، انہیں مدد کے لیے آنا ہوگا۔ اس غزوے میں مسلمانوں کو پندرہ دن لگے۔

اس کے بعد غزوۂ بواط ہوا۔ اس میں اسلامی لشکر میں دو سو مہاجرین تھے۔ جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔ یہ ربیع الثانی 2 ہجری میں پیش آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اس قافلے کا سردار قریش کا سردار امیہ بن خلف تھا۔ اس کے ساتھ قریش کے سو آدمی تھے۔ قافلے میں دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے۔ ان پر تجارتی سامان لدا ہوا تھا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو اپنا قائم مقام حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بواط کے مقام پر پہنچے۔ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام غزوہ بواط پڑا۔ لیکن بواط پہنچنے پر دشمنوں سے سامنا نہ ہو سکا، کیونکہ قریشی قافلہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں سے رخصت ہو چکا تھا... اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے بغیر ہی واپس تشریف لے آئے۔

جمادی الاولیٰ کے مہینے میں غزوہ عشیرہ پیش آیا۔ اس مرتبہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قریشی قافلے کو روکنے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ قافلہ ملک شام کی طرف جا رہا

تھا۔ قریش نے اس تجارتی قافلے میں اپنا بہت سا مال و اسباب شامل کر رکھا تھا... غرض مکہ کے تمام لوگوں نے اس میں مال شامل کیا تھا۔ اس قافلے کے ساتھ پچاس ہزار دینار تھے۔ ایک ہزار اونٹ تھے۔ قافلے کے سردار حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے (جو کہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے)۔ ستائیس آدمی بھی ہمراہ تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ابوسلمہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ڈیڑھ سو کے قریب صحابہ کرام تھے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشیرہ کے مقام پر پہنچے۔ اس غزوے میں بھی اسلامی جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔ جھنڈا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

اسلامی لشکر میں اونٹ بہت کم تھے۔ سب لوگ باری باری سوار ہوتے رہے۔ عشیرہ کے مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ قافلہ وہاں سے گزر کر شام کی طرف جا چکا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے بغیر واپس تشریف لے آئے... تاہم اس دوران بنی مدلج سے امن اور دوستی کا معاہدہ طے پایا۔

اسی سفر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کا لقب دینے کا واقعہ پیش آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت علی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو زمین پر اس طرح سوتے پایا کہ ان کے اوپر مٹی لگ گئی۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پاؤں سے ہلایا اور فرمایا:

"اے ابوتراب (یعنی اے مٹی والے) اٹھو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ عشیرہ سے واپس آئے تو چند دن بعد ہی پھر ایک مہم پیش آگئی۔ ایک شخص کرز بن جابر فہری نے مدینہ منورہ کی چراگاہ پر حملہ کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ سفوان کی وادی میں پہنچے۔ یہ وادی میدان بدر کے قریب ہے۔ اسی مناسبت سے اس غزوے کو غزوہ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ کرز بن جابر

(اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے) ان کی عادت تھی کہ جب ان کا قافلہ تجارتی سرزمین پر پہنچتا تو جاسوسوں کو بھیج کر راستے کی خبریں معلوم کر لیتے تھے۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف بھی تھا، چنانچہ ان کے جاسوسوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تجارتی قافلے کو گھیرنے کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ خوف زدہ ہو گئے۔ انھوں نے فوراً ایک شخص کو مکہ کی طرف روانہ کیا اور ساتھ میں اسے یہ ہدایات دیں:

"تم اپنے اونٹ کے کان کاٹ دو، کجاوہ الٹ دو، اپنی قمیص کا اگلا اور پچھلا دامن پھاڑ دو، اسی حالت میں مکہ میں داخل ہونا، انہیں بتانا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کے ساتھ ان کے قافلے پر حملہ کرنے والے ہیں۔ ایسا اس لیے کیا تاکہ مشرکین جلد مدد کو آجائیں۔

وہ شخص بہت تیزی سے روانہ ہوا۔ ابھی یہ مکہ پہنچا نہیں تھا کہ وہاں عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ (یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ بعد میں یہ اسلام لے آئی تھیں یا نہیں، روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے... کچھ روایات کہتی ہیں، ایمان لے آئی تھیں، کچھ میں ہے کہ انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا) خواب بہت خوف ناک تھا، یہ ڈر گئیں۔ انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا خواب سنایا۔ لیکن اس شرط پر سنایا کہ وہ کسی اور کو نہیں سنائیں گے۔ انھوں نے پوچھا:

"اچھا ٹھیک ہے... تم خواب سناؤ تم نے کیا دیکھا ہے؟"

عاتکہ بنت عبدالمطلب نے کہا:

"میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار چلا آرہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شہر کے پاس آ کر رکا۔ (ابھی مکہ معظمہ سے کچھ فاصلے پر ہے) وہاں کھڑے ہو کر اس نے پوری طاقت سے پکار پکار کر کہا "لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں میں پہنچنے کے لیے تیار

بدر کی طرف روانگی

روحاء کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو گننے کا حکم دیا۔ گننے پر معلوم ہوا، مجاہدین کی تعداد 313 ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا:

"یہ وہی تعداد ہے جو طالوت کے ساتھیوں کی تھی، جو ان کے ساتھ نہر تک پہنچے تھے۔" (طالوت بنی اسرائیل کے ایک نیک مجاہد بادشاہ تھے، ان کی قیادت میں 313 مسلمانوں نے جالوت نامی کافر بادشاہ کی فوج کو شکست دی تھی)

لشکر میں گھوڑوں کی تعداد صرف پانچ تھی۔ اونٹ ستر کے قریب تھے۔ اس لیے ایک ایک اونٹ تین تین یا چار چار آدمیوں کے حصے میں دیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں جو اونٹ آیا، اس میں دو اور ساتھی بھی شریک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس اونٹ پر اپنی باری کے حساب سے سوار ہوتے اور ساتھیوں کی باری پر انہیں سوار ہونے کا حکم فرماتے... اگرچہ وہ اپنی باری بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے کی خواہش ظاہر کرتے... وہ کہتے:

"اے اللہ کے رسول! آپ سوار رہیں... ہم پیدل چل لیں گے۔"

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

"تم دونوں پیدل چلنے میں مجھ سے زیادہ مضبوط نہیں ہو اور نہ میں تمہارے مقابلے میں

اس کی رحمت سے بے نیاز ہوں۔" (یعنی میں بھی تم دونوں کی طرح اجر کا خواہش مند ہوں)۔

روحاء کے مقام پر ایک اونٹ تھک کر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے تو پتا چلا، اونٹ تھک کر بیٹھ گیا ہے اور اٹھ نہیں رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پانی لیا۔ اس سے کلی کی۔ کلی والا پانی اونٹ والے کے برتن میں ڈالا اور اس کے منہ میں ڈال دیا۔ اونٹ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور پھر اس قدر تیز چلا کہ لشکر کے ساتھ جا ملا۔ اس پر تھکاوٹ کے کوئی آثار باقی نہ رہے۔

اس غزوے کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ ہی میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا، وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کی زوجہ محترمہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"تمہیں یہاں ٹھہرنے کا بھی اجر ملے گا اور جہاد کرنے کا اجر بھی ملے گا۔"

اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔

طلحہ بن عبید اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو جاسوسی کی ذمے داری سونپی تاکہ یہ دونوں لشکر سے آگے جا کر قریش کے تجارتی قافلے کی خبر لائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ ہی سے روانہ فرما دیا تھا۔ روحاء کے مقام سے اسلامی لشکر آگے روانہ ہوا۔ عرق ظبیہ کے مقام پر ایک دیہاتی ملا۔ اس سے دشمن کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اب لشکر پھر آگے بڑھا، اس طرح اسلامی لشکر ذفران کی وادی تک پہنچ گیا۔ اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش مکہ ایک لشکر لے کر اپنے قافلے کو بچانے کے لیے مکہ سے کوچ کر چکے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اطلاع ملنے پر تمام لشکر کو ایک جگہ جمع فرمایا اور ان سے

مشورہ کیا کیونکہ مدینہ منورہ سے مسلمان صرف ایک تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے روانہ ہوئے تھے... کسی باقاعدہ لشکر کے مقابلے کے لیے نہیں نکلے تھے... اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باری باری اپنی رائے دی... حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے، اس کے مطابق عمل فرمائیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑ لیجیے، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں لڑیں گے، آخر دم تک لڑیں گے۔''

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دعا دی۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تقاریر کیں... ان کی تقاریر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری حضرات کی طرف دیکھا، کیونکہ ابھی تک ان میں سے کوئی کھڑا نہیں ہوا تھا۔ اب انصاری بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ سمجھ گئے، چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! شاید آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے... تو عرض ہے کہ ہم ایمان لا چکے ہیں، آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور گواہی دے چکے ہیں، ہم ہر حال میں آپ کا حکم مانیں گے فرماں برداری کریں گے۔''

ان کی تقریر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اب چلو، کوچ کرو، تمہارے لیے خوش خبری ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہمیں فتح دے گا۔''

ذفران کی وادی سے روانہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے مقام پر پہنچے۔ اس وقت

تک قریشی لشکر بھی بدر کے قریب پہنچ چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قریش کے لشکر کی خبریں معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ انھیں دو ماشکی (پانی بھرنے والے) ملے... وہ قریشی لشکر کے ماشکی تھے۔ ان دونوں سے لشکر کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوئیں... انھوں نے لشکر میں شامل بڑے بڑے سرداروں کے نام بھی بتا دیے... اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"مکہ نے اپنا دل اور جگر نکال کر تمہارے مقابلے کے لیے بھیجے ہیں۔"

یعنی اپنے تمام معززاور بڑے بڑے لوگ بھیج دیے ہیں۔

اس دوران ابوسفیان رضی اللہ عنہ قافلے کا راستہ بدل چکے تھے اور اس طرح ان کا قافلہ بچ گیا... جب کہ اس قافلے کو بچانے کے لیے جو لشکر آیا تھا، اس سے اسلامی لشکر کا آمنا سامنا ہو گیا۔ ادھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ قافلہ تو اب بچ گیا ہے، اس لیے انھوں نے ابوجہل کو پیغام بھیجا کہ واپس مکہ کی طرف لوٹ چلو... کیونکہ ہم اسلامی لشکر سے بچ کر نکل آئے ہیں لیکن ابوجہل نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔

قریشی لشکر نے بدر کے مقام پر اس جگہ پڑاؤ ڈالا جس جگہ پانی نزدیک ہی تھا۔ دوسری طرف اسلامی لشکر نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا، پانی وہاں سے فاصلے پر تھا۔ اس سے مسلمانوں کو پریشانی ہوئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہاں بارش برسا دی اور ان کی پانی کی تکلیف رفع ہو گئی۔ جب کہ اسی بارش کی وجہ سے کافر پریشان ہوئے۔ وہ اپنے پڑاؤ سے نکلنے کے قابل نہ رہے... مطلب یہ کہ بارش مسلمانوں کے لیے رحمت اور کافروں کے لیے زحمت ثابت ہوئی۔

صبح ہوئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

"لوگو! نماز کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

چنانچہ صبح کی نماز ادا کی گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطبہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میدانِ بدر میں

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنویں پر ایک حوض بنوایا جہاں اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پانی بھروا دیا اور ڈول ڈال دیے۔ اس طرح حضرت حباب رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل ہوا۔ اس کے بعد سے حضرت حباب رضی اللہ عنہ کو ذوالرائے کہا جانے لگا تھا۔

اس موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! کیوں نہ ہم آپ کے لیے ایک عریش بنا دیں (عریش کھجور کی شاخوں اور پتوں کا ایک سائبان ہوتا ہے) آپ اس میں تشریف رکھیں۔ اس کے پاس آپ کی سواریاں تیار رہیں اور ہم دشمن سے جا کر مقابلہ کریں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مشورہ قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سائبان بنایا گیا۔ یہ ایک اونچے ٹیلے پر بنایا گیا تھا۔ اس جگہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے میدان جنگ کا معائنہ فرما سکتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں قیام فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

"آپ کے ساتھ یہاں کون رہے گا تاکہ مشرکوں میں سے کوئی آپ کے قریب نہ آسکے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

اللہ کی قسم! ایسے میں کہ ہم میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اپنی تلوار کا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کرتے ہوئے بولے:

''جو شخص بھی آپ کی طرف بڑھنے کی جرأت کرے گا، اسے پہلے اس تلوار سے نمٹنا پڑے گا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان جرأت مندانہ الفاظ کی بنیاد پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سب سے بہادر شخص قرار دیا۔

یہ بات جنگ شروع ہونے سے پہلے کی ہے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس سائبان کے دروازے پر کھڑے تھے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی انصاری صحابہ کے ایک دستے کے ساتھ وہاں موجود تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور تھے۔

اس طرح صبح ہوئی۔ پھر قریشی لشکر ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ اس سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مشرکوں کے نام لے لے کر فرمایا کہ فلاں اس جگہ قتل ہوگا، فلاں اس جگہ قتل ہوگا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کے نام لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس جگہ قتل ہوگا، وہ بالکل وہیں قتل ہوئے، ایک انچ بھی ادھر ادھر پڑے نہیں پائے گئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قریش کا لشکر لوہے کے لباس پہنے اور ہتھیاروں سے خوب لیس بڑھا چلا آ رہا ہے تو اللہ رب العزت سے یوں دعا فرمائی:

''اے اللہ! قریش کے لوگ، یہ تیرے دشمن اپنے تمام بہادروں کے ساتھ بڑے غرور کے عالم میں تجھ سے جنگ کرنے (یعنی تیرے احکامات کی خلاف ورزی کرنے) اور تیرے رسول کو جھٹلانے کے لیے آئے ہیں۔ اے اللہ! آپ نے مجھ سے اپنی مدد اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا وہ مدد بھیج دے۔ اے اللہ! تو نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور

مجھے ثابت قدم رہنے کا حکم فرمایا ہے، مشرکوں کے اس لشکر پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔ اے اللہ! انھیں آج ہلاک فرما دے۔''

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

''اے اللہ! اس امت کے فرعون ابوجہل کو کہیں پناہ نہ دے، ٹھکانہ نہ دے۔''

غرض جب قریشی لشکر ٹھہر گیا تو انھوں نے عمیر بن وہب جمحی رضی اللہ عنہ کو جاسوسی کے لیے بھیجا۔ یہ عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے۔

قریش نے عمیر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''جا کر محمد کے لشکر کی تعداد معلوم کرو اور ہمیں خبر دو۔''

عمیر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ انھوں نے اسلامی لشکر کے گرد ایک چکر لگایا۔ پھر واپس قریش کے پاس آئے اور یہ خبر دی:

''ان کی تعداد تقریباً تین سو ہے، ممکن ہے کچھ زیادہ ہوں... مگر اے قریش! میں نے دیکھا ہے، ان لوگوں کو لوٹ کر اپنے گھروں میں جانے کی کوئی تمنا نہیں اور میں سمجھتا ہوں، ان میں سے کوئی آدمی اس وقت تک نہیں مارا جائے گا جب تک کہ کسی کو قتل نہ کر دے۔ گویا تمہارے بھی اتنے ہی آدمی مارے جائیں گے... جتنا کہ ان کے... اس کے بعد پھر زندگی کا کیا مزہ رہ جائے گا، اس لیے جنگ شروع کرنے سے پہلے اس بارے میں غور کر لو۔''

ان کی بات سن کر کچھ لوگوں نے ابوجہل سے کہا:

''جنگ کے ارادے سے باز آ جاؤ اور واپس چلو، بھلائی اسی میں ہے۔''

واپس چلنے کا مشورہ دینے والوں میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابوجہل نے ان کی بات نہ مانی اور جنگ پر تل گیا اور جو لوگ واپس چلنے کے لیے کہہ رہے تھے، انھیں بزدلی کا طعنہ دیا۔ اس طرح جنگ ٹل نہ سکی۔

ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ اسود مخزومی نے قریش کے سامنے اعلان کیا:

اس پر عتبہ نے کہا:

''تم ہمارے برابر کے نہیں... ہمارے مقابلے میں مہاجرین میں سے کسی کو بھیجو، ہم اپنی قوم کے آدمیوں سے مقابلہ کریں گے۔''

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس آنے کا حکم فرمایا۔ یہ تینوں اپنی صفوں میں واپس آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور انہیں شاباش دی۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''اے عبیدہ بن حارث اٹھو! اے حمزہ اٹھو! اے علی اٹھو۔''

یہ تینوں فوراً اپنی صفوں سے نکل کر ان تینوں کے سامنے پہنچ گئے۔ ان میں عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ زیادہ عمر کے تھے، بوڑھے تھے۔ ان کا مقابلہ عتبہ بن ربیعہ سے ہوا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ شیبہ سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ولید سے ہوا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو وار کرنے کا موقع نہ دیا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں ولید کا کام تمام کر دیا... البتہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور عتبہ کے درمیان تلواروں کے وار شروع ہو گئے۔

تلواروں کے سائے میں

دونوں کے درمیان کچھ دیر تک تلواروں کے وار ہوتے رہے، یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے۔ اس وقت تک حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے دشمن (مقابل) کو ختم کر چکے تھے، لہٰذا وہ دونوں ان کی طرف بڑھے اور عتبہ کو ختم کر دیا۔ پھر زخمی عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر لشکر میں لے آئے۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لٹا دیا گیا۔ انھوں نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! کیا میں شہید نہیں ہوں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔"

اس کے بعد صفراء کے مقام پر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ انہیں وہیں دفن کیا گیا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ کی طرف لوٹ رہے تھے۔

جنگ سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفوں کو ایک تیر کے ذریعے سیدھا کیا تھا۔ صفوں کو سیدھا کرتے ہوئے حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ یہ صف سے قدرے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تیر سے ان کے پیٹ کو چھوا اور فرمایا:

''سواد! صف سے آگے نہ نکلو، سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔''

اس پر حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ نے مجھے اس تیر سے تکلیف پہنچائی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حق اور انصاف دے کر بھیجا ہے، لہٰذا مجھے بدلہ دیں۔''

آپ نے فوراً اپنا پیٹ کھولا اور ان سے فرمایا:

''لو تم اب اپنا بدلہ لے لو۔''

حضرت سواد آگے بڑھے اور آپ کے سینے سے لگ گئے اور آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟''

انھوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ دیکھ رہے ہیں، جنگ سر پر ہے۔ اس لیے میں نے سوچا، آپ کے ساتھ زندگی کے جو آخری لمحات بسر ہوں، وہ اس طرح بسر ہوں کہ میرا جسم آپ کے جسم مبارک سے مس کر رہا ہو... (یعنی اگر میں اس جنگ میں شہید ہو گیا تو یہ میری زندگی کے آخری لمحات ہیں)۔

یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ ایک روایت میں آتا ہے: ''جس مسلمان نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو چھو لیا، آگ اس جسم کو نہیں چھوئے گی''۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ''جو چیز بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو لگ گئی، آگ اسے نہیں جلائے گی''۔

پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو سیدھا کر دیا تو فرمایا:

''جب دشمن قریب آ جائے تو انھیں تیروں سے پیچھے ہٹانا اور اپنے تیر اس وقت تک نہ چلاؤ جب تک کہ وہ نزدیک نہ آ جائیں (کیونکہ زیادہ فاصلے سے تیر اندازی اکثر بے کار

ثابت ہوتی ہے اور تیر ضائع ہوتے رہتے ہیں)۔ اسی طرح تلواریں بھی اس وقت تک نہ سونتنا جب تک کہ دشمن بالکل قریب نہ آ جائے۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خطبہ دیا:

"مصیبت کے وقت صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ پریشانیاں دور فرماتے ہیں اور غموں سے نجات عطا فرماتے ہیں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سائبان میں تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ سائبان کے دروازے پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کچھ انصاری مسلمانوں کے ساتھ ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے تاکہ دشمن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے سے روک سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہاں سواریاں بھی موجود تھیں، تاکہ ضرورت کے وقت آپ سوار ہو سکیں۔

مسلمانوں میں سے سب سے پہلے مہجع رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ عامر بن حضرمی نے انہیں تیر مار کر شہید کر دیا۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سائبان میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر کر یوں دعا کی:

"اے اللہ! اگر آج مومنوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔"

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سائبان سے نکل کر صحابہ کے درمیان تشریف لائے اور انہیں جنگ پر ابھارنے کے لیے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، جو شخص بھی آج ان مشرکوں کے مقابلے میں صبر اور ہمت کے ساتھ لڑے گا، ان کے سامنے سینہ تانے جما رہے گا اور پیٹھ نہیں پھیرے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔"

حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے۔ یہ الفاظ سن کر

کھجوریں ہاتھ سے گرادیں اور بولے:

''واہ واہ! تو، میرے اور جنت کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہے کہ ان کافروں میں سے کوئی مجھے قتل کر دے!!۔''

یہ کہتے ہی تلوار سونت کر دشمنوں سے بھڑ گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

حضرت عوف بن عفراء رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''اللہ کے رسول! بندے کے کس عمل پر اللہ کو ہنسی آتی ہے۔'' (یعنی اس کے کون سے عمل سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں)

جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''جب کوئی مجاہد زرہ بکتر پہنے بغیر دشمن پر حملہ آور ہو۔''

یہ سنتے ہی انھوں نے اپنے جسم پر سے زرہ بکتر اتار کر پھینک دی اور تلوار سونت کر دشمن پر ٹوٹ پڑے، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

حضرت معبد بن وہب رضی اللہ عنہ دونوں ہاتھوں میں تلوار لے کر جنگ میں شریک ہوئے۔ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے یعنی ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی بہن کے خاوند تھے۔

جنگ کے دوران حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریوں کی اٹھائی اور مشرکوں پر پھینک دی۔ ایسا کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا۔

کنکریوں کو مٹھی میں پھینکتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ چہرے خراب ہو جائیں۔''

ایک روایت کے مطابق یہ الفاظ آئے ہیں:

''اے اللہ! ان کے دلوں کو خوف سے بھر دے، ان کے پاؤں اکھاڑ دے۔''

اللہ کے حکم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کوئی کافر ایسا نہ بچا جس پر وہ کنکریاں نہ

ہی ہوں۔ ان کنکریوں نے کافروں کو بدحواس کر دیا۔ آخر نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ مسلمان ان کا پیچھا کرنے لگے، انہیں قتل اور گرفتار کرنے لگے۔

کنکریوں کی مٹھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

''اور اے نبی! کنکریوں کی مٹھی آپ نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی۔'' (سورۃ الانفال آیت 17)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے شکست کھا جانے کے بعد اعلان فرمایا:

''مسلمانوں میں جس نے جس کافر کو مارا ہے... اس کا سامان اسی مسلمان کا ہے اور جس مسلمان نے جس کافر کو گرفتار کیا، وہ اسی مسلمان کا قیدی ہے۔''

وہ کافر جو بھاگ نہ پائے، انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس جنگ میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو قتل کیا۔ پہلے خود باپ نے بیٹے پر وار کیا تھا، لیکن یہ وار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بچا گئے اور خود اس پر وار کیا جس سے وہ مارا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں، آپ انہیں نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول کے خلاف ہیں اگرچہ وہ ان کے بیٹے یا بھائی یا خاندان میں سے کیوں نہ ہوں۔'' (سورۃ المجادلہ 22)

اس جنگ میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو قیدی بنا لیا۔ اسلام سے پہلے مکہ میں یہ شخص حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا دوست رہا تھا... اور یہی وہ امیہ بن خلف تھا جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر بے تحاشا ظلم کرتا رہا تھا... حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان دونوں کو لیے میدان جنگ سے گزر رہے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظر امیہ بن خلف پر پڑ گئی۔

OO

کفار کی عبرتناک شکست

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسے دیکھ کر بلند آواز میں پکارے:

''کافروں کا سردار امیہ بن خلف یہ رہا... اگر امیہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا۔''

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیہ اپنے بیٹے کے ساتھ ادھر ادھر بھاگتا نظر آیا تھا، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کئی زرہیں تھیں۔ یہ مال غنیمت میدان جنگ سے ملا تھا، لیکن جونہی انہیں امیہ اور اس کا بیٹا نظر آیا، انھوں نے زرہیں گرا دیں اور ان دونوں کو پکڑ لیا... اس طرح یہ دونوں اب ان کے قیدی بن گئے... یہ انہیں لیے جا رہے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ لیا اور پکارنے لگے ''یہ رہا امیہ بن خلف...''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے الفاظ سنتے ہی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

''لیکن یہ دونوں اب میرے قیدی ہیں۔''

حضرت بلال نے پھر وہی الفاظ کہے:

''اگر آج امیہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا۔''

ساتھ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو پکارا:

''اے انصاریو! اے اللہ کے مددگارو! یہ کافروں کا سردار امیہ بن خلف ہے۔ اگر یہ بچ

گیا تو سمجھو میں نہیں بچا۔"

یہ سن کر انصاری ان کی طرف دوڑ پڑے۔ انھوں نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی اور اس پر وار کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امیہ کو بچانے کے لیے اس کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ امیہ جاہلیت کے زمانے میں ان کا دوست تھا۔ اسی دوستی کے ناتے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اسے قتل ہونے سے بچانا چاہتے تھے۔ ادھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر اس کے قتل کی دھن پوری طرح سوار تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی تلوار امیہ کے بیٹے کو لگی، وہ زخمی ہو کر گرا، اسے گرتے دیکھ کر امیہ بھیانک انداز میں چیخا۔ یہ چیخ حد درجے خوفناک اور ہولناک تھی، ساتھ ہی تلواریں بلند ہوئیں اور امیہ کے جسم میں اتر گئیں۔ امیہ کو بچانے کے سلسلے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ خود بھی معمولی سے زخمی ہوئے۔ وہ کہا کرتے تھے:

"اللہ تعالیٰ بلال پر رحم فرمائیں، میرے حصے میں نہ زرہیں آئیں، نہ قیدی۔"

ایسے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"کسی کو نوفل بن خویلد کا بھی پتا ہے؟"

جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! اسے میں نے قتل کیا ہے۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ اکبر! اللہ کا شکر ہے جس نے اس شخص کے بارے میں میری دعا قبول فرمائی۔"

جنگ شروع ہونے سے پہلے اس نوفل بن خویلد نے بلند آواز میں کہا تھا:

"اے گروہ قریش! آج کا دن عزت اور سربلندی کا دن ہے۔"

اس کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

"اے اللہ! نوفل بن خویلد کا انجام مجھے دکھلا۔"

''اس سے لڑو۔''

انھوں نے جونہی اس جز کو ہاتھ میں لیا، وہ ایک نہایت بہترین تلوار بن گئی اور اس غزوہ کے بعد ان کے پاس رہی۔

حضرت خبیب بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کافر نے میرے دادا پر تلوار کا وار کیا۔ اس وار میں ان کی ایک پسلی الگ ہوگئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگا کر ٹوٹی پسلی اس کی جگہ رکھ دی۔ وہ پسلی اپنی جگہ پر اسی طرح جم گئی جیسے ٹوٹی ہی نہیں تھی۔

حضرت رفاعہ بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک تیر میری آنکھ میں آکر لگا، میری آنکھ پھوٹ گئی۔ میں اسی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا، آنکھ اسی وقت ٹھیک ہوگئی اور زندگی بھر اس آنکھ میں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مشرکوں کی لاشوں کو ان جگہوں سے اٹھالایا جائے جہاں جہاں ان کے قتل ہونے کی نشان دہی کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے ایک دن پہلے ہی ہمیں بتادیا تھا کہ ان شاء اللہ کل یہ عتبہ بن ربیعہ کے قتل کی جگہ ہوگی، یہ شیبہ بن ربیعہ کے قتل کی جگہ ہوگی۔ یہ امیہ بن خلف کے قتل کی جگہ ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان جگہوں کی نشان دہی فرمائی تھی... اب جب لاشیں جمع کرنے کا حکم ملا اور صحابہ کرام لاشوں کی تلاش میں نکلے تو کافروں کی لاشیں بالکل انہی جگہوں پر پڑی ملیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لاشوں کو ایک گڑھے میں ڈالنے کا حکم فرمایا۔

○ ۞ ○

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا اور عالیہ والوں کے پاس چھوڑا تھا۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا بھی حصہ نکالا جنہیں جاسوسی کی غرض سے بھیجا گیا تھا تا کہ وہ دشمن کی خبریں لائیں۔ یہ لوگ اس وقت واپس لوٹے تھے جب جنگ ختم ہو چکی تھی۔

اسی مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قیدیوں میں سے نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ شخص قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت سخت الفاظ استعمال کرتا تھا۔ اسی طرح کچھ آگے چل کر آپ نے عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم فرمایا۔ یہ بھی بہت فتنہ پرور تھا۔ اس نے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر تھوکنے کی کوشش بھی کی تھی اور ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سجدے کی حالت میں دیکھ کر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر اونٹ کی اوجھ لا کر رکھ دی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا تھا:

"مکہ سے باہر میں جب بھی تجھ سے ملوں گا تو اس حالت میں ملوں گا کہ تلوار سے تیرا سر قلم کروں گا۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے روانہ ہوئے اور پھر مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں لوگ مدینہ منورہ سے باہر نکل آئے تھے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا استقبال کر سکیں اور فتح کی مبارک باد دے سکیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو شہر کی بچیوں نے دف بجا کر استقبال کیا۔ وہ اس وقت یہ گیت گا رہی تھیں:

"ہمارے سامنے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے، اس نعمت کے بدلے میں ہم پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔"

دوسری طرف مکہ معظمہ میں قریش کی شکست کی خبر پہنچی۔ خبر لانے والے نے پکار کر کہا:

قیدیوں کی رہائی

ابوسفیان بن حارث (رضی اللہ عنہ) نے جواب میں میدان جنگ کی جو کیفیت سنائی، وہ یہ تھی:

''خدا کی قسم! بس یوں سمجھ لو کہ جیسے ہی ہمارا دشمن سے ٹکراؤ ہوا، ہم نے گویا اپنی گردنیں ان کے سامنے پیش کردیں، اور انھوں نے جیسے چاہا، ہمیں قتل کرنا شروع کردیا، جیسے چاہا، گرفتار کیا، پھر بھی میں قریش کو الزام نہیں دوں گا، کیونکہ ہمارا واسطہ جن لوگوں سے پڑا ہے، وہ سفید رنگ کے تھے اور سیاہ اور سفید گھوڑوں پر سوار تھے، وہ زمین اور آسمان کے درمیان پھر رہے تھے۔ اللہ کی قسم ان کے سامنے کوئی چیز ٹھہرتی نہیں تھی۔''

ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، یہ سنتے ہی میں نے کہا:

''تب تو خدا کی قسم وہ فرشتے تھے۔''

میری بات سنتے ہی ابولہب غصے میں آگیا اس نے پوری طاقت سے تھپڑ میرے منہ پر دے مارا۔ پھر مجھے اٹھا کر پٹخ دیا اور میرے سینے پر چڑھ کر مجھے بے تحاشا مارنے لگا۔

وہاں میری مالکن یعنی ام فضل بھی موجود تھیں۔ انھوں نے ایک لکڑی کا پایا اٹھا کر اتنے زور سے ابولہب کو مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ ساتھ ہی ام فضل نے سخت لہجے میں کہا:

''تو اسے اس لیے کمزور سمجھ کر مار رہا ہے کہ اس کا آقا یہاں موجود نہیں۔''

اس طرح ابولہب ذلیل ہو کر وہاں سے رخصت ہوا۔ جنگ بدر میں اس قدر ذلت آمیز شکست کے بعد ابولہب سات روز سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ طاعون میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اسے دفن کرنے کی جرأت بھی کوئی نہیں کر رہا تھا۔ آخر اس حالت میں اس کی لاش سڑنے لگی، شدید بدبو پھیل گئی۔ تب اس کے بیٹوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑی کے ذریعے اس کی لاش کو گڑھے میں دھکیل دیا۔ پھر دور ہی سے سنگ باری کر کے اس گڑھے کو پتھروں سے پاٹ دیا۔

اس شکست پر مکہ کی عورتوں نے کئی ماہ تک اپنے قتل ہونے والوں کا سوگ منایا۔ اس جنگ میں اسود بن زمعہ کی قریبی تین اولادیں ہلاک ہوئی تھیں۔ یہ وہ شخص تھا کہ مکے میں جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور کہتا تھا:

"لوگو! دیکھو! تمہارے سامنے روئے زمین کے بادشاہ پھر رہے ہیں جو قیصر و کسریٰ کے ملکوں کو فتح کریں گے!!!"

اس کی تکلیف دہ باتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندھا ہونے کی بددعا کی تھی، اس بددعا سے وہ اندھا ہو گیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندھا ہونے اور اس کی اولاد کے ختم ہو جانے کی بددعا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی، چنانچہ پہلے وہ اندھا ہوا، پھر اس کی اولاد جنگ بدر میں ماری گئی۔

جنگ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ یہ تھا کہ ان کو فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مصلحتوں کے تحت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ پسند فرمایا اور ان لوگوں کی جان بخشی کر دی۔ ان سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا۔

تاہم اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کرتے ہوئے سورۃ الانفال کی آیات 67 تا 70 نازل فرمائیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جانا چاہیے تھا۔

بدر کے قیدیوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند ابو العاص رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں تھیں۔ جب زینب رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ فدیہ لے کر رہا کرنے کا فیصلہ ہوا ہے تو انھوں نے شوہر کے فدیے میں اپنا ہار بھیج دیا۔ یہ ہار حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کی شادی کے موقع پر دیا تھا۔ فدیے میں یہ ہار ابو العاص رضی اللہ عنہ کا بھائی لے کر آیا تھا۔ اس نے ہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ ہار کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آگئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''تم مناسب سمجھو تو زینب کے شوہر کو رہا کر دو اور اس کا یہ ہار بھی واپس کر دو۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے فوراً کہا:

''ضرور یا رسول اللہ!

چنانچہ ابو العاص رضی اللہ عنہ کو رہا کر دیا گیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہار لوٹا دیا گیا۔ البتہ آپ نے ابو العاص رضی اللہ عنہ سے یہ وعدہ لیا تھا کہ مکہ جاتے ہی وہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ انھوں نے وعدہ کر لیا۔

(یہاں یہ بھی واضح رہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابو العاص رضی اللہ عنہ سے اس وقت ہوئی تھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت شروع نہیں کی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت شروع کی تو مشرکین نے ابو العاص رضی اللہ عنہ پر زور دیا تھا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں لیکن

سازش ناکام ہوگئی

بھائیوں کی بات کے جواب میں حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ بولے:

"میں نے سوچا، اگر میں مدینہ منورہ میں مسلمان ہو گیا تو لوگ کہیں گے، میں قید سے گھبرا کر مسلمان ہو گیا ہوں۔"

جب انہوں نے مدینہ منورہ ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے بھائیوں نے انہیں قید کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو ان کے لیے قنوت نازلہ میں رہائی کی دعا فرماتے رہے۔ آخر ایک دن ولید بن ولید رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

ایسے ہی ایک قیدی حضرت وہب بن عمیر رضی اللہ عنہ (جو بعد میں اسلام لائے) نے بھی غزوہ بدر میں مسلمانوں سے جنگ کی تھی اور کافروں کی شکست کے بعد قیدی بنا لیے گئے تھے۔ وہب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عمیر (رضی اللہ عنہ) تھا۔ ان کے ایک دوست تھے صفوان (رضی اللہ عنہ)۔ ان دونوں دوستوں کا تعلق مکہ کے قریش سے تھا۔ دونوں اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔ ایک روز یہ دونوں حجر اسود کے پاس بیٹھے تھے۔ دونوں بدر میں قریش کی شکست کے بارے میں باتیں کرنے لگے... قتل ہونے والے بڑے بڑے سرداروں کا ذکر کرنے لگے، صفوان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عمر! اسے میرے پاس اندر لے آؤ۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً باہر نکلے، تلوار کا پٹکا پکڑ کر انہیں اندر کھینچ لائے۔ اس وقت وہاں کچھ انصاری بھی موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"تم لوگ بھی میرے ساتھ اندر آ جاؤ... کیونکہ مجھے اس کی نیت پر شک ہے۔"

چنانچہ وہ بھی اندر آ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمیر رضی اللہ عنہ کو اس طرح پکڑ کر لا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عمر! اسے چھوڑ دو... عمیر! آگے آ جاؤ۔"

چنانچہ عمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گئے اور جاہلیت کے آداب کی طرح صبح بخیر کہا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عمیر! ہمیں اسلام نے تمہارے اس سلام سے بہتر سلام عنایت فرمایا ہے، جو جنت والوں کا سلام ہے... اب تم بتاؤ تم کس لیے آئے ہو؟"

عمیر رضی اللہ عنہ بولے:

"میں اپنے قیدی بیٹے کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہوں۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"پھر اس تلوار کا کیا مطلب... سچ بتاؤ کس لیے آئے ہو؟"

عمیر رضی اللہ عنہ بولے:

"میں واقعی اپنے بیٹے کی رہائی کے سلسلے میں آیا ہوں۔"

چونکہ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے ارادے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی پہلے سے بتا دیا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نہیں عمیر! یہ بات نہیں... بلکہ بات یہ ہے کہ کچھ دن پہلے تم اور صفوان حجر اسود کے پاس بیٹھے تھے اور تم دونوں اپنے مقتولوں کی باتیں کر رہے تھے، ان مقتولوں کی جو بدر کی

لڑائی میں مارے گئے اور جنہیں ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس وقت تم نے صفوان سے کہا تھا کہ اگر مجھے کسی کا قرض نہ ادا کرنا ہوتا اور پیچھے مجھے اپنے بیوی بچوں کی فکر نہ ہوتی تو میں جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتا۔ اس پر صفوان نے کہا تھا کہ اگر تم یہ کام کر ڈالو تو قرض کی ادائیگی وہ کرے گا اور تمہارے بیوی بچوں کا خیال بھی وہی رکھے گا، ان کی کفالت کرے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ تمہارا ارادہ پورا نہیں ہونے دیں گے۔"

عمیر رضی اللہ عنہ یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے، کیونکہ اس گفتگو کے بارے میں صرف انہیں پتہ تھا یا صفوان رضی اللہ عنہ کو، چنانچہ اب عمیر رضی اللہ عنہ فوراً بول اٹھے

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ پر جو آسمان سے خبریں آیا کرتی ہیں اور جو وحی نازل ہوتی ہے، ہم اس کو جھٹلایا کرتے تھے، جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے تو اس وقت حجر اسود کے پاس میرے اور صفوان کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا اور نہ ہی ہم دونوں کی گفتگو کسی کو خبر ہے، کیونکہ ہم نے راز داری کا عہد کیا تھا۔ اس لیے اللہ کی قسم! آپ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی اس بات کی خبر نہیں دے سکتا۔ پس ہر تعریف اس ذات باری تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اسلام کی طرف میری رہنمائی کی اور ہدایت فرمائی اور مجھے اس راستے پر چلنے کی توفیق فرمائی۔"

اس کے بعد عمیر رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ تب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو اور انہیں قرآن پڑھاؤ اور ان کے قیدی کو رہا کر دو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

○ ○ ○

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی رخصتی

اب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ اللہ کے اس نور کو بجھادوں اور جو لوگ اللہ کے دین کو قبول کر چکے تھے، انہیں خوب تکالیف پہنچایا کرتا تھا۔ اب میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ مجھے مکہ جانے کی اجازت دیں، تاکہ وہاں کے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں اور اسلام کی دعوت دوں۔ ممکن ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ یہ واپس مکہ گئے۔ ان کی تبلیغ سے ان کے بیٹے وہب رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہوگئے۔

جب حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ عمیر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے ہیں تو وہ بھونچکا رہ گئے اور قسم کھائی کہ اب کبھی عمیر رضی اللہ عنہ سے نہیں بولیں گے۔ اپنے گھر والوں کو دین کی دعوت دینے کے بعد عمیر رضی اللہ عنہ صفوان کے پاس آئے اور پکار کر کہا:

''اے صفوان! تم ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہو، تمہیں معلوم ہے کہ ہم پتھروں کو پوجتے رہے ہیں اور ان کے نام پر قربانیاں دیتے رہے ہیں، بھلا یہ بھی کوئی دین ہوا... میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

ان کی بات سن کر صفوان رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بعد میں فتح مکہ کے موقع پر عمیر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے امان طلب کی تھی اور پھر یہ بھی ایمان لے آئے تھے۔ (ان کے اسلام لانے کا قصہ فتح مکہ کے موقع پر تفصیل سے آئے گا۔ ان شاء اللہ)۔

اسی طرح ان قیدیوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ صحابہ کرام نے انہیں بہت سختی سے باندھ رکھا تھا۔ رسی کی سختی انہیں تکلیف دے رہی تھی اور وہ کراہ رہے تھے۔ ان کی اس تکلیف کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام رات بے چین رہے... جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے بے چین ہیں تو فوراً حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی رسیاں ڈھیلی کر دیں... یہی نہیں باقی تمام قیدیوں کی رسیاں بھی ڈھیلی کر دیں... پھر انھوں نے اپنا فدیہ ادا کیا اور رہا ہوئے۔ اسی موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تھے مگر انھوں نے مکہ والوں سے اپنا مسلمان ہونا پوشیدہ رکھا۔

قیدیوں میں ایک قیدی ابو عزہ حجمی بھی تھا۔ اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی:

"اے اللہ کے رسول! میں بال بچوں والا آدمی ہوں اور خود بہت ضرورت مند ہوں... میں فدیہ ادا نہیں کر سکتا... مجھ پر رحم فرمائیں۔"

یہ شاعر تھا، مسلمانوں کے خلاف شعر لکھ لکھ کر آپ کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست منظور فرمائی اور بغیر فدیے کے اسے رہا کر دیا... البتہ اس سے وعدہ لیا کہ آئندہ وہ مسلمانوں کے خلاف اشعار نہیں لکھے گا... اس نے وعدہ کر لیا، لیکن رہا ہونے کے بعد جب یہ مکہ پہنچا تو اس نے پھر اپنا کام شروع کر دیا۔ مسلمانوں کے خلاف اشعار لکھنے لگا۔ یہ مکہ کے مشرکوں سے کہا کرتا تھا:

"میں نے محمد پر جادو کر دیا تھا، اس لیے انھوں نے مجھے بغیر فدیے کے رہا کر دیا۔"

اگلے سال یہ شخص غزوۂ احد کے موقع پر کافروں کے لشکر میں شامل ہوا اور اپنے اشعار

سے کافروں کو جوش دلاتا رہا۔ اسی لڑائی میں یہ قتل ہوا۔

بدر کی فتح کی خبر شاہ حبش تک پہنچی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے مسلمان اس وقت تک حبشہ ہی میں تھے۔ شاہ حبش نے انہیں اپنے دربار میں بلا کر یہ خوش خبری سنائی۔

بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والے صحابہ بدری صحابہ کہلاتے۔ انہیں بہت فضیلت حاصل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر پر اپنا خاص فضل و کرم فرمایا ہے اور ان سے کہہ دیا ہے کہ جو چاہو کرو، میں تمہارے گناہ معاف کر دوں گا یا یہ فرمایا کہ تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔''

مطلب یہ کہ ان کے سابقہ گناہ تو معاف ہو ہی چکے ہیں، آئندہ بھی اگر ان سے کوئی گناہ ہوئے تو وہ بھی معاف ہیں۔

غزوہ بدر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ شادی سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے پوچھا:

''بیٹی تمہارے چچا زاد بھائی علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تمہارا رشتہ آیا ہے، تم اس بارے میں کیا کہتی ہو؟''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں۔ گویا انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ تب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے پوچھا:

''تمہارے پاس کیا کچھ ہے؟'' (یعنی شادی کے لیے کیا انتظام ہے؟)

انہوں نے جواب دیا:

''میرے پاس صرف ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔''
یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''گھوڑا تو تمہارے لیے ضروری ہے، البتہ تم زرہ کو فروخت کر دو۔''
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت کر دی اور رقم لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔
اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پتا چلا کہ شادی کے سلسلے میں حضرت علی اپنی زرہ بیچ رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا:
''یہ زرہ اسلام کے شہسوار علی کی ہے، یہ ہرگز فروخت نہیں ہونی چاہیے۔''
پھر انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام کو بلایا اور انھیں چار سو درہم دیتے ہوئے کہا:
''یہ درہم اس زرہ کے بدلے میں علی کو دے دیں۔''
ساتھ ہی انھوں نے زرہ بھی واپس کر دی۔ بہرحال اس طرح شادی کا خرچ پورا ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے لیے دعا فرمائی۔
غزوہ بدر کے بعد غزوہ بنی قینقاع پیش آیا۔ قینقاع یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام تھا۔ یہودیوں میں یہ لوگ سب سے زیادہ جنگجو شمار ہوتے تھے۔ مدینہ منورہ میں آمد کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے صلح کا معاہدہ فرمایا تھا۔ معاہدے میں طے ہوا تھا کہ یہ لوگ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر نہیں آئیں گے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو کوئی مدد دیں گے۔ جن لوگوں سے معاہدہ ہوا۔ ان میں یہ تین قبیلے شامل تھے۔
بنی قینقاع، بنی قریظہ اور بنی نضیر۔
معاہدے کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر حملہ کرے گا تو یہ تینوں قبیلے مسلمانوں کی پوری پوری مدد کریں گے۔ ان کا ہر طرح ساتھ دیں گے، لیکن ان لوگوں نے

یہودیوں کے خلاف پہلا جہاد

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے یہودیوں کو جمع کر کے ان سے فرمایا:

"اے یہودیو! تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تباہی سے بچنے کی کوشش کرو جیسی بدر کے موقع پر قریش پر نازل ہوئی ہے، اس لیے تم مسلمان ہو جاؤ، تم جانتے ہو کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور اس حقیقت کو تم اپنی کتاب میں درج پاتے ہو۔"

اس پر یہودیوں نے کہا:

"اے محمد! آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی آپ کی قوم کی طرح ہیں، اس دھوکے میں نہ رہیے گا، کیونکہ اب تک آپ کو ایسی قوموں سے سابقہ پڑا ہے جو جنگ اور اس کے طریقے نہیں جانتے، لہٰذا آپ نے انہیں آسانی سے زیر کر لیا، لیکن اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو خدا کی قسم آپ کو پتا چل جائے گا کہ کیسے بہادروں سے پالا پڑا ہے۔"

ان کے یہ الفاظ کہنے کی وجہ دراصل یہ تھی کہ یہ لوگ جنگجو اور عسکری قوت کے مالک تھے، پھر یہودیوں میں سب سے زیادہ دولت مند تھے، ہر قسم کا بہترین اسلحہ ان کے پاس تھا، ان کے قلعے بھی بہت مضبوط تھے۔ ان کے الفاظ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ آل عمران کی آیت نازل ہوئی:

فرمایا: اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ بہت جلد تم (مسلمانوں کے ہاتھوں) شکست کھاؤ گے اور آخرت میں جہنم کی طرف جمع کر کے لے جائے جاؤ گے اور وہ جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔"

اس دھمکی کے بعد بنی قینقاع قلعہ بند ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کے قلعوں کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم اس غزوہ میں سفید رنگ کا تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ان قلعوں کی طرف روانہ ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی بستیوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ بہت سخت تھا۔ پندرہ دن تک جاری رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب طاری کر دیا۔ وہ اس محاصرے سے تنگ آ گئے، حالانکہ ان یہودیوں میں اس وقت تقریباً ۷۰۰ جنگجو تھے۔ اب انہوں نے درخواست کی کہ ہم یہاں سے نکل جانے کے لیے تیار ہیں، شرط یہ ہے کہ انہیں نکل جانے کا راستہ دے دیا جائے۔ اس صورت میں وہ یہاں سے ملک شام کے لیے چلے جائیں گے۔ ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ ہماری عورتیں اور بچے بھی جائیں گے، جبکہ مال، دولت اور ہتھیار وغیرہ وہ یہیں چھوڑ جائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات منظور فرمائی۔ انہیں نکل جانے کا راستہ دے دیا۔ اس طرح مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت آیا۔ یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکل جانے کے لیے تین دن کی مہلت دی گئی۔ یہ لوگ وہاں سے نکل کر ملک شام کی ایک بستی میں جا بسے۔ ایک روایت کے مطابق ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے... یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا اثر تھا۔

غزوہ بنو قینقاع کے بعد چند چھوٹے چھوٹے غزوات اور ہوئے۔ کچھ دنوں بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ حضرت زینب

بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔ ان دونوں میں نبھ نہ سکی، لہٰذا طلاق ہوگئی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔ یہ نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر فرمایا تھا اور اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تھی۔ جب وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"زینب کو جا کر خوش خبری سنادو، اللہ تعالیٰ نے آسمان پر ان سے میرا نکاح کردیا ہے۔"

اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں آیت بھی نازل فرمائی... تاکہ لوگ شک و شبہ نہ کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے کی طلاق شدہ بیوی سے نکاح کیا ہے۔ دراصل عرب کے جہالت زدہ معاشرے میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح محرم سمجھا جاتا تھا اور اس کی طلاق شدہ بیوی سے شادی ناجائز سمجھی جاتی تھی، ساتھ ساتھ اسے وراثت میں بھی حصہ ملتا تھا۔ اسلام نے اس فرسودہ رسم کو بالکل ختم کردیا اس کی ابتدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دعوت ولیمہ بھی کھلائی۔ اسی روز پردے کی آیت نازل ہوئی۔

3ھ میں غزوہ احد پیش آیا۔ احد پہاڑ مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ اس پہاڑ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"یہ احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب تم اس کے پاس سے گزرو تو اس کے درختوں کا پھل تبرک کے طور پر کھا لیا کرو، چاہے تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو۔"

غزوہ احد کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غزوہ بدر میں کافروں کو بدترین شکست ہوئی تھی۔ کافر جمع ہو کر اپنے سردار حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا:

"بدر کی لڑائی میں ہمارے بے شمار آدمی قتل ہوئے ہیں۔ ہم ان کے خون کا بدلہ لیں

گے... آپ تجارت سے جو مال کما کر لاتے ہیں، اس مال کے نفع سے جنگ کی تیاری کی جائے۔"

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات منظور کر لی اور جنگ کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ سامان تجارت سے جو نفع ہوا تھا، وہ پچاس ہزار دینار تھا۔ غزوہ بدر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحمزہ شاعر کو فدیہ لیے بغیر رہا کر دیا تھا، اور اس سے اقرار لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف شعر نہیں کہے گا... اب جب جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں تو لوگوں نے اس سے کہا:

"تم اپنے اشعار سے جوش پیدا کرو۔"

پہلے تو ابوحمزہ نے انکار کیا، کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وعدہ کر آیا تھا، لیکن پھر وعدہ خلافی پر اتر آیا اور اشعار پڑھنے لگا۔

آخر قریش لشکر مکہ معظمہ سے نکلا اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ قریش کے لشکر میں عورتیں بھی تھیں۔ یہ عورتیں بدر میں مارے جانے والوں کا نوحہ کرتی جاتی تھیں۔ اس طرح یہ اپنے مردوں میں جوش پیدا کر رہی تھیں، انہیں شکست کھانے یا میدان جنگ سے بھاگ جانے پر شرم دلا رہی تھیں۔

قریش کی جنگی تیاریوں کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھیجی۔ انھوں نے یہ اطلاع ایک خط کے ذریعے دی۔ خط لے جانے والے نے تین دن رات مسلسل سفر کیا اور یہ خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قبا میں تھے۔

○ ○ ○

غزوہ احد کی تیاری

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے مدینہ منورہ پہنچے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قریشی لشکر سے مقابلے کے سلسلے میں مشورہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ قریش کا باہر سے محاصرہ کرنے کے بجائے شہر میں رہ کر اپنا دفاع کیا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تمہاری رائے ہو تو تم مدینہ منورہ میں رہ کر ہی مقابلہ کرو، ان لوگوں کو وہیں رہنے دو جہاں وہ ہیں۔ اگر وہ وہاں پڑے رہتے ہیں تو وہ جگہ ان کے لیے بدترین ثابت ہوگی اور اگر ان لوگوں نے شہر میں آکر ہم پر حملہ کیا تو ہم شہر میں ان سے جنگ کریں گے اور ہم شہر کے پیچ و خم کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رائے دی تھی، تمام بڑے صحابہ کرام کی بھی وہی رائے تھی۔ منافقوں کے سردار عبداللہ ابن ابی نے بھی یہی مشورہ دیا۔ یہ شخص ظاہر میں مسلمان تھا اور اپنے لوگوں کا سردار تھا۔

دوسری طرف کچھ پرجوش نوجوان صحابہ، خاص طور پر وہ جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور انہیں اس کا بہت افسوس تھا، وہ اپنے دلوں کے ارمان نکالنا چاہتے تھے کہ شہر سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ مشورہ دینے والوں میں زیادہ وہ لوگ تھے جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور انہیں اس کا بہت افسوس تھا۔ وہ اپنے دلوں کے ارمان نکالنا

چاہتے تھے، چنانچہ ان لوگوں نے کہا:

''ہمیں ساتھ لے کر دشمنوں کے مقابلے کے لیے باہر چلیں تاکہ وہ ہمیں کمزور اور بزدل نہ سمجھیں، ورنہ ان کے حوصلے بہت بڑھ جائیں گے اور ہم تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ ہمیں دھکیلتے ہوئے ہمارے گھروں میں گھس آئیں اور اے اللہ کے رسول! جو شخص بھی ہمارے علاقے میں آیا، ہم سے شکست کھا کر گیا ہے، اب تو آپ ہمارے درمیان موجود ہیں، اب دشمن کیسے ہم پر غالب آسکتا ہے؟''

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی تائید کی۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات مان لی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور لوگوں کے سامنے وعظ فرمایا، انہیں حکم دیا:

''مسلمانو! پوری تن دہی اور ہمت کے ساتھ جنگ کرنا، اگر تم لوگوں نے صبر سے کام لیا تو حق تعالیٰ تمہیں فتح اور کامرانی عطا فرمائیں گے، اب دشمن کے سامنے جا کر لڑنے کی تیاری کرو۔''

لوگ یہ حکم سن کر خوش ہو گئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی۔ اس وقت تک اردگرد سے بھی لوگ آ گئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ گھر میں تشریف لے گئے۔ ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر عمامہ باندھا اور جنگی لباس پہنایا۔ باہر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے اور صفیں باندھے کھڑے تھے۔

اس وقت حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے مسلمانوں سے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی شہر میں رہ کر لڑنے کی تھی، تم لوگوں نے انہیں باہر نکل کر لڑنے پر مجبور کیا... بہتر ہوگا تم اب بھی اس معاملے کو ان پر چھوڑ دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی حکم دیں گے، ان کی جو بھی رائے ہوگی، بھلائی اسی میں ہوگی، اس لیے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کریں۔"

باہر یہ باتیں ہو رہی تھیں، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی لباس پہن رکھا تھا، دوہری زرہ پہن رکھی تھی۔ ان زرہوں کا نام ذات الفضول اور فضہ تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی قینقاع کے مال غنیمت سے ملی تھیں۔

ان میں سے ذات الفضول وہ زرہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو یہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہودی کی رقم ادا کر کے اسے واپس لیا تھا۔ زرہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس کے اوپر پہن رکھی تھیں۔ اس وقت ان نوجوانوں نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! ہمارا یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ کی رائے کی مخالفت کریں یا آپ کو مجبور کریں، لہٰذا آپ جو مناسب سمجھیں، وہ کریں۔"

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نبی جب ہتھیار لگا چکا ہو اور کسی نبی کے لیے ہتھیار لگانے کے بعد ان کا اتار دینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تین پرچم بنوائے۔ ایک پرچم قبیلہ اوس کا تھا۔ یہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرا پرچم مہاجرین کا تھا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ تیسرا پرچم قبیلہ خزرج کا تھا۔ یہ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ یا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ لشکر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما چل رہے تھے۔ یہ دونوں قبیلہ اوس اور خزرج کے سردار تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا، مدینہ منورہ سے کوچ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثنیہ کے مقام پر پہنچے۔ پھر یہاں سے روانہ ہو کر شیخین کے مقام پر پہنچے۔ شیخین دو پہاڑوں کا نام تھا۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا معائنہ فرمایا اور کم عمر نوجوانوں کو واپس بھیج دیا۔ یہ ایسے نوجوان تھے جو ابھی پندرہ سال کے نہیں ہوئے تھے۔ ان کم سن مجاہدوں میں رافع بن خدیج اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما بھی تھے، لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔ یہ دیکھ کر حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ نے رافع کو اجازت دے دی جب کہ مجھے واپس جانے کا حکم فرمایا، حالانکہ میں رافع سے زیادہ طاقت ور ہوں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اچھا تو پھر تم دونوں میں کشتی ہو جائے۔''

دونوں میں کشتی کا مقابلہ ہوا، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ دیا۔ اس طرح انہیں بھی جنگ میں حصہ لینے کی اجازت ہو گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوج کے معائنے سے فارغ ہوئے تو سورج غروب ہو گیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ پھر عشاء کی نماز ادا کی گئی۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے۔ رات کے وقت پہرہ دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس مجاہدوں کو مقرر کیا۔ ان کا سالار حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ تمام رات اسلامی لشکر کے گرد پہرہ دیتے رہے۔ رات کے آخری حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخین سے کوچ فرمایا اور صبح کی نماز کے وقت احد پہاڑ کے قریب پہنچ گئے۔

معرکہ احد کا آغاز

اسلامی لشکر نے جہاں پڑاؤ ڈالا اس مقام کا نام شوط تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں فجر کی نماز ادا فرمائی۔ اس وقت لشکر میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا، یہ منافق تھا۔ اس کے ساتھ تین سو جوان تھے، یہ سب کے سب منافق تھے۔ اس مقام پر پہنچ کر عبداللہ بن ابی نے کہا:

"آپ نے میری بات نہیں مانی، ان نو عمر لڑکوں کا مشورہ مانا، حالانکہ ان کا مشورہ کوئی مشورہ ہی نہیں ہے۔ اب تو دشمن سے ہماری رائے کے بارے میں اندازہ ہو جائے گا، ہم بلاوجہ کیوں جانیں دیں... اس لیے ساتھیو! واپس چلو۔"

اس طرح یہ لوگ واپس لوٹ گئے۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے۔ اس روز مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ان میں سے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور دوسرا ابو بردہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ شوط کے مقام سے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی گھاٹی میں پڑاؤ ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالتے وقت اس بات کا خیال رکھا کہ پہاڑ آپ کی پشت کی طرف رہے۔

اس جگہ رات بسر کی گئی۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صبح کی اذان دی... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صفیں قائم کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز پڑھائی۔ نماز

کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطبہ دیا۔ اس میں جہاد کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ جہاد کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال روزی کمانے کے بارے میں بھی نصیحت فرمائی اور فرمایا:

''جبرئیل (علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ وحی ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے حصے کے رزق کا ایک ایک دانہ حاصل نہیں کر لیتا (چاہے وہ کچھ دیر میں حاصل ہو مگر اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی)۔ اس لیے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں نیک راستے اختیار کرو (ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ رزق میں دیر لگنے کی وجہ سے تم اللہ کی نافرمانی حاصل کرنے لگو)۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''ایک مومن کا دوسرے مومن سے ایسا ہی رشتہ ہے جیسے سر اور بدن کا رشتہ ہوتا ہے۔ اگر سر میں تکلیف ہو تو سارا بدن درد سے کانپ اٹھتا ہے۔''

اس کے بعد دونوں لشکر آمنے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ مشرکوں کے لشکر کے دائیں بائیں خالد بن ولید اور عکرمہ تھے۔ یہ دونوں حضرات اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ دے کر فرمایا:

''تم خالد بن ولید کے مقابلے پر رہنا اور اس وقت تک حرکت نہ کرنا جب تک کہ میں اجازت نہ دوں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کے ایک دستے پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور انہیں اس درے پر متعین فرمایا جو مسلمانوں کی پشت پر تھا۔ اس درے پر پچاس تیر انداز مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ پشت کی طرف سے دشمن حملہ نہ کر سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پچاس تیر اندازوں سے فرمایا:

''تم مشرکوں کے گھڑ سوار دستوں کو تیر اندازی کر کے ہم سے دور ہی رکھنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پشت کی طرف سے آ کر حملہ کر دیں، ہمیں چاہے فتح ہو یا شکست... تم اپنی جگہ سے

نہ بلنا۔"

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار نکالی اور فرمایا:

"کون مجھ سے یہ تلوار لے کر اس کا حق ادا کر سکتا ہے؟..."

اس پر کئی صحابہ کرام اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپکے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار انہیں نہیں دی۔ ان حضرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ سے فرمایا:

"بیٹھ جاؤ۔"

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بھی وہ تلوار لینے کی تین بار کوشش کی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ انکار کر دیا۔ آخر صحابہ کے مجمع میں سے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا:

"میں اس تلوار کا حق ادا کروں گا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار انہیں عطا فرما دی۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بے حد بہادر تھے، جنگ کے دوران غرور کے انداز میں اکڑ کر چلا کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دونوں لشکروں کے درمیان اکڑ کر چلتے دیکھا تو فرمایا:

"یہ چال ایسی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نفرت فرماتا ہے، سوائے اس قسم کے موقعوں کے۔" (یعنی دشمنوں کا سامنا کرتے وقت یہ چال جائز ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ ایسا شخص دشمن سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہے اور نہ اسے دشمن کے جنگی ساز و سامان کی پروا ہے۔)

پھر دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالکل نزدیک آ گئے۔ اس وقت مشرکوں کے لشکر سے ایک اونٹ سوار آگے نکلا اور مبارزت طلب کی یعنی مقابلے کے لیے للکارا۔ اس نے تین مرتبہ پکارا۔ تب حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اسلامی صفوں سے نکل کر اس کی طرف بڑھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس وقت پیدل تھے... جب کہ دشمن اونٹ پر سوار تھا۔ اس کے نزدیک پہنچتے ہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک دم زور سے اچھلے اور اس کی اونچائی کے

برابر پہنچ گئے۔ ساتھ ہی انھوں نے اس کی گردن پکڑ لی...

دونوں میں اونٹ پر ہی زور آزمائی ہونے لگی۔ ان کی زور آزمائی دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"ان میں سے جو پہلے نیچے گرے گا، وہی مارا جائے گا۔"

اچانک وہ مشرک نیچے گرا پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس پر گرے۔ گرتے ہی انھوں نے فوراً ہی اس پر تلوار کا وار کیا اور وہ جہنم رسید ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرمائی:

"ہر نبی کا ایک حواری (یعنی خاص ساتھی) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر ہیں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اگر اس مشرک کے مقابلے کے لیے زبیر نہ نکلتے تو میں خود نکلتا۔"

اس کے بعد مشرکوں کی صفوں میں سے ایک اور شخص نکلا۔ اس کا نام طلحہ بن ابو طلحہ تھا۔ یہ قبیلہ عبد الدار سے تھا۔ اس کے ہاتھ میں پرچم تھا۔ اب اس نے مبارزت طلب کی۔ اس نے بھی کئی بار مسلمانوں کو للکارا۔ تب حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی صفوں میں سے نکل کر اس کے سامنے پہنچ گئے۔ اب ان دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار کے وار کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک وار اس کی ٹانگ پر لگا۔ ٹانگ کٹ گئی۔ وہ بری طرح گرا اور اس کے کپڑے الٹ گئے۔ اس طرح وہ برہنہ ہو گیا۔ وہ پکار اٹھا:

"میرے بھائی! میں خدا کا واسطہ دے کر تم سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔"

ان دونوں کی ماں بھی لشکر میں موجود تھی۔ اس کا نام سلافہ تھا۔ اس کے دونوں بیٹوں نے ماں کی گود میں دم توڑا۔ مرنے سے پہلے سلافہ نے پوچھا:

"بیٹے! تمہیں کس نے زخمی کیا ہے؟"

ایک بیٹے نے جواب دیا:

"میں نے اس کی آواز سنی ہے، تیر چلانے سے پہلے اس نے کہا تھا، لے اس کو سنبھال، میں ابوالافلح کا بیٹا ہوں۔"

اس جملے سے سلافہ جان گئی کہ وہ تیر انداز حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ اس نے قسم کھائی۔

"اگر عاصم کا سر میرے ہاتھ لگا تو میں اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔"

ساتھ ہی اس نے اعلان کیا کہ جو شخص بھی عاصم بن ثابت کا سر کاٹ کر میرے پاس لائے گا، میں اسے سو اونٹ انعام میں دوں گی۔"

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید نہیں ہوئے، یہ واقعہ رجیع میں شہید ہوئے جس کا ذکر اپنے وقت پر آئے گا۔ ان شاء اللہ!

ان دونوں کے قتل کے بعد ان کے بھائی کلاب بن طلحہ نے پرچم اٹھالیا، اسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ کلاب کے بعد اس کے بھائی جلاس ابن طلحہ نے پرچم اٹھایا۔ اسے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ اس طرح یہ چاروں اپنے باپ کی طرح وہیں قتل ہو گئے۔ ان کے چچا عثمان بن ابوطلحہ اور ابو سعید بن ابوطلحہ بھی اسی غزوہ احد میں مارے گئے تھے۔

اس کے بعد قریش کا پرچم ارطاۃ ابن شرحبیل نے اٹھایا، اس کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے، وہ ان کے ہاتھوں مارا گیا۔

اس کے بعد شریح ابن قارظ نے پرچم اٹھایا، وہ بھی مارا گیا، روایت میں یہ نہیں آیا کہ یہ کس کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بعد پرچم ابو زید بن عمرو نے اٹھایا، اسے حضرت قزمان

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس روز اس قدر دلیری سے لڑے کہ ان کے ہاتھ سے 31 مشرک مارے گئے۔ سباع کو قتل کرنے کے بعد وہ اس کی زرہ اتارنے کے لیے جھکے۔ اس وقت حضرت وحشی کی نظر ان پر پڑی جو اس وقت مشرکین کے لشکر میں شامل تھے۔ جھکنے کی وجہ سے حمزہ رضی اللہ عنہ کی زرہ پیٹ پر سے سرک گئی تھی۔ حضرت وحشی یہ واقعہ سناتے ہوئے فرماتے تھے ''میں نے فوراً نیزہ تاک کر مارا، وہ ان کے پیٹ میں لگا، میں ان کی طرف بڑھا۔ انھوں نے مجھے دیکھا اور شدید زخمی حالت کے باوجود انھوں نے اٹھ کر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن پھر کمزوری کی وجہ سے گر گئے۔ کچھ دیر تک میں ایک طرف دبکا رہا جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ ان کی روح نکل چکی ہے تب ان کے قریب گیا۔ وہ واقعی شہید ہو چکے تھے۔ میں وہاں سے ہٹ آیا اور اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا، کیونکہ مجھے صرف ان کے قتل سے دلچسپی تھی اور اس جنگ میں کسی کو قتل کرنے کی خواہش نہیں تھی... اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر میں نے حضرت حمزہ کو قتل کر دیا تو مجھے آزاد کر دیا جائے گا''۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

ادھر مشرکوں کے پرچم بردار جب ایک ایک کر کے ختم ہو گئے اور کوئی پرچم اٹھانے والا نہ رہا تو ان میں بد دلی پھیل گئی... وہ پسپا ہونے لگے۔ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ ایسے میں وہ چیخ اور چلا رہے تھے۔ ان کی عورتیں جو کچھ دیر پہلے جوش دلانے کے لیے اشعار پڑھ رہی تھیں، اپنے دف پھینک کر پہاڑ کی طرف بھاگیں۔ ان پر بدحواسی اس قدر سوار ہوئی کہ اپنے کپڑے نوچنے لگیں۔

مسلمانوں نے جب دشمن کو بھاگتے دیکھا تو ان کا پیچھا کرنے لگے، انہیں قتل کرنے لگے، ان کے ہتھیاروں اور مال غنیمت پر قبضہ کرنے لگے۔

اب یہاں... اس موقع پر ایک عجیب واقعہ رونما ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کے درّے پر پچاس تیر انداز مقرر فرمائے تھے اور انہیں واضح طور پر ہدایت فرمائی تھی

کہ وہ اپنی جگہ نہ چھوڑیں... ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ تھے... اس دستے نے جب کافروں کو بھاگتے دیکھا اور مسلمانوں کو مال غنیمت جمع کرتے دیکھا تو یہ بھی اپنی جگہ چھوڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ بولے:

"کہاں جا رہے ہو؟ ہمیں یہاں سے ہٹنا نہیں چاہیے، اللہ کے رسول نے ہمیں ہدایت فرمائی تھی کہ اپنی جگہ پر جمے رہیں... اور یہاں سے نہ ہٹیں۔"

اس پر ان کے ساتھی بولے:

"اب مشرکوں کو شکست ہو گئی ہے... اب ہم یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے۔"

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ انہیں روکتے رہ گئے، لیکن وہ نہ مانے اور میدان میں چلے گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور چند ساتھی البتہ وہیں رکے رہے۔ ان کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔ انھوں نے نیچے کا رخ کرنے والوں سے کہا:

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کریں گے۔"

اس طرح وہاں دس سے بھی کم مجاہد رہ گئے... اس وقت حضرت خالد بن ولید کی نظر درے پر پڑی۔ یہ کافروں کے ایک دستے کے سالار تھے اور لشکر کے دائیں بازو پر مقرر تھے۔ شکست کے بعد یہ اس طرف سے پسپا ہو رہے تھے کہ درے پر نظر پڑی... جنگ کے دوران بھی یہ اس طرف سے بار بار حملہ کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے، لیکن پچاس تیر اندازوں کے تیروں کی بوچھاڑ نے ان کی پیش قدمی روک دی تھی۔ اب انھوں نے دیکھا کہ وہاں پچاس کے بجائے چند مسلمان رہ گئے ہیں، تو یہ اپنے دستے کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے دستے کے ساتھ ہی عکرمہ بن ابوجہل بھی اپنے دستے کے ساتھ اس طرف پلٹ پڑے۔

اس طرح پورے دو دستوں نے ان چند مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ان کا یہ حملہ اس قدر زبردست تھا کہ پہلے ہی حملے میں حضرت عبداللہ ابن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے۔

مشرکوں نے حضرت عبداللہ ابن جبیر رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ کیا۔ یعنی ان کے ناک کان، ہاتھ اور پیر کاٹ ڈالے۔ ان کے جسم پر اتنے نیزے لگے تھے کہ پورا جسم چھلنی ہو کر رہ گیا تھا، لیکن آفرین ہے اس مرد مجاہد پر کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر وہاں سے نہ ہٹے۔

اب ان دونوں دستوں نے اس درّے کی طرف سے مسلمانوں کی پشت پر اچانک بہت زور کا حملہ کیا۔ مسلمان اس وقت مال غنیمت لوٹنے میں مصروف تھے، ان میں سے اکثر نے اپنی تلواریں نیام میں ڈال لی تھیں۔ اس تابڑ توڑ حملے نے انہیں بدحواس کر دیا۔

کافر اس وقت پورے جوش کی حالت میں "یا ھبل یا عزّیٰ" کے نعرے لگا رہے تھے، یعنی اپنے بتوں کے نام پکار رہے تھے۔

مسلمان اس حملے سے اس قدر بدحواس ہوئے کہ ادھر ادھر بھاگنے لگے، اس وقت تک انھوں نے جتنے کافروں کو قیدی بنا لیا تھا یا جتنا مال غنیمت لوٹ چکے تھے، وہ سب چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

مشرکوں کا پرچم اس وقت زمین پر پڑا تھا... ایک مشرک عورت عمرہ بنت علقمہ کی نظر اس پر پڑی تو اس نے لپک کر اس کو اٹھا لیا اور بلند کر دیا۔ اب تک جو مشرک بھاگ رہے تھے، وہ بھی اپنے پرچم کو بلند ہوتے دیکھ کر پلٹ پڑے، وہ جان گئے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا ہے۔ اب سب دوڑ دوڑ کر اپنے پرچم کے گرد جمع ہونے لگے اور بدحواس مسلمانوں پر حملہ آور ہونے لگے۔

ایسے میں ایک مشرک ابن قمئہ نے پکار کر کہا:

"محمد قتل کر دیے گئے۔" (معاذ اللہ)

اس خبر نے مسلمانوں کو اور زیادہ بدحواس کر دیا۔

○ ○ ○

جب پروانے شمع رسالت پر نثار ہوئے...

ایسے میں کسی صحابی نے کہا:

"اب جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو چکے ہیں تو ہم لڑ کر کیا کریں گے۔"

اس پر کچھ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:

"اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو کیا تم اپنے نبی کے دین کے لیے نہیں لڑو گے، تاکہ تم شہیدوں کی حیثیت سے اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو۔"

حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا:

"اے گروہ انصار! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے، اسے تو موت نہیں آسکتی، تم اپنے دین کے لیے لڑو، اللہ تعالیٰ تمہیں فتح اور کامرانی عطا فرمائیں گے۔"

یہ سنتے ہی انصار کے ایک گروہ نے مشرکوں کے اس دستے پر حملہ کر دیا جس میں خالد بن ولید، عکرمہ بن ابوجہل، عمرو بن عاص اور ضرار بن خطاب موجود تھے اور یہ چاروں زبردست جنگجو تھے۔ انصار کے حملے کے جواب میں خالد بن ولید نے ان پر جوابی حملہ کیا۔ اس زوردار حملے میں ثابت بن دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے۔

بدحواسی کے عالم میں جو لوگ مدینے کی طرف پلٹ پڑے تھے ان کے راستے میں ام

دامن رضی اللہ عنہا آ گئیں ۔ وہ بولیں:

''مسلمانو!! یہ کیا! تم پیٹھ پھیر کر جا رہے ہو؟''

اس پر وہ پلٹ پڑے اور مشرکوں پر حملہ آور ہوئے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے منتشر ہو جانے کی وجہ سے مشرکوں کے ایک گروہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سخت وقت میں بھی ثابت قدم رہے۔ وہ اپنی جگہ پر جمے رہے۔ اس عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرما رہے تھے:

''اے فلاں! میری طرف آؤ۔ اے فلاں میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔''

ہر طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی... اس حالت میں ان تیروں سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔ اس نازک وقت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع رہی... یہ جماعت مشرکوں کے مسلسل حملوں کو روک رہی تھی۔ خود وہ پروانوں کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو رہی تھی۔ ان میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ دشمن کے وار اپنی ڈھال پر روک رہے تھے۔ وہ بہت اچھے تیر انداز تھے۔ نشانہ بہت پختہ تھا۔ چنانچہ دشمنوں پر مسلسل تیر بھی چلا رہے تھے اور کہتے جاتے تھے:

''میری جان آپ پر فدا ہو جائے، مگر آپ کے لیے ڈھال بن جائے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس مسلمان کے ترکش میں تیر دیکھتے تو اس سے فرماتے:

''اپنا ترکش ابوطلحہ کے سامنے الٹ دو۔''

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس روز اس قدر تیر چلائے کہ ان کے ہاتھ سے تین کمانیں ٹوٹ گئیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کو دیکھنے کے لیے سر اوپر کو کرتے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پکار اٹھتے:

''اے اللہ کے رسول! آپ اپنا سر اوپر نہ کریں۔ کہیں کوئی تیر آپ کو نہ لگ جائے۔''

اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کرتے ہوئے کہا:

"اے اللہ! یہ تیرا تیر ہے، تو اس کو دشمن کے سینے میں پیوست کر دے۔"

ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

"اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما۔ اے اللہ! اس کی تیر اندازی کو درست فرما۔"

پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ترکش خالی ہو گیا، تیر ختم ہو گئے، تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ترکش ان کے سامنے الٹ دیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ پھر تیر چلانے لگے... کہا جاتا ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے یعنی ان کی دعا قبول ہوتی تھی۔ ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا:

"آپ کی دعائیں کیوں فوراً قبول ہوتی ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا:

"میں زندگی بھر کوئی لقمہ یہ جانے بغیر منہ تک نہیں لے گیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟"

(مطلب یہ کہ ہمیشہ حلال کھایا ہے۔)

اس بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"قسم اس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے، جب بھی کوئی بندہ حرام لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔"

اسی سلسلے میں ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"جس کا کھانا حرام ہو، جس کا پینا حرام ہو اور جس کا لباس حرام ہو، اس کی دعائیں کیسے قبول ہو سکتی ہیں؟"

اس روز حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار تیر چلائے۔ ہر تیر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا:

"تیر اندازی کرو تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔"

صحابہ اور صحابیات کی فدا کاری

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام نسیبہ تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو بھاگتے دیکھا اور مشرکوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوتے دیکھا تو بے چین ہو گئیں، جلدی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچیں اور تلوار کے ذریعے دشمنوں سے لڑنے لگیں، تلوار چلاتے چلاتے جب زخمی ہو گئیں تو تیر کمان سنبھال لیا اور مشرکوں پر تیر چلانے لگیں، ایسے میں انھوں نے ابن قمیہ مشرک کو آتے دیکھا، وہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا:

"مجھے بتاؤ... محمد کہاں ہیں؟ اگر آج وہ بچ گئے تو سمجھو، میں نہیں بچا۔"

یہ کہنے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ آج یا وہ رہیں گے یا میں رہوں گا۔ جب وہ قریب آیا تو حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس کا راستہ روکا، اسی وقت اس نے حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا پر حملہ کیا، ان کے کندھے پر زخم آیا، حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس پر تلوار کے کئی وار کیے، مگر وہ دو زرہیں پہنے ہوئے تھا، ان کے وار سے محفوظ رہا۔ ان کی کوششوں کو دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تمہارے گھرانے میں برکت عطا فرمائے۔"

اس پر حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

اسی طرح حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتے ہوئے ابن قمیہ کے ہاتھوں شہید ہوئے، دراصل ابن قمیہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ رہا تھا، اس لیے کہ ان کی شکل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی تھی۔ چنانچہ جب اس نے انہیں شہید کیا تو قریش کے سرداروں کو جا کر اطلاع دی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا ہے، حالانکہ اس نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

اسی دوران ابی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا۔ اس پر کئی صحابہ اس کے راستے میں آ گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:

"اسے میری طرف آنے دو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھے

"اے جھوٹے! کہاں بھاگتا ہے؟"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کے ہاتھ سے ایک نیزہ لیا اور نیزے کی نوک ابی بن خلف کی گردن میں بہت ہی آہستہ سے چبھو دی، مطلب یہ کہ نیزہ اس قدر آہستہ چبھویا کہ اس کے خون بھی نہیں نکلا، مگر اس ہلکی سی خراش ہی سے وہ بری طرح چیختا ہوا وہاں سے بھاگا... وہ کہہ رہا تھا:

"خدا کی قسم! محمد نے مجھے مار ڈالا۔"

مشرکوں نے اسے روکنے کی کوشش کی اور کہا:

"تو تو بہت چھوٹے دل کا نکلا... تیری عقل جاتی رہی، اپنے پہلو میں تیر لیے پھرتے ہیں، تیر اندازی کرتے ہیں... اور ہمیں کوئی زخم بھی نہیں آیا... لیکن تو چیخ رہا ہے، ایک معمولی سی خراش ہے، ایسی خراش پر تو ہم اف بھی نہیں کرتے۔"

اس پر ابی بن خلف نے درد سے کراہتے ہوئے کہا:

"لات اور عزیٰ کی قسم! اس وقت مجھے جس قدر شدید تکلیف ہو رہی ہے، اگر وہ ذی

علیہ وسلم کو اوپر اٹھا کر باہر نکالا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گڑھے میں گر گئے تو ابن قمیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے۔ ان میں سے ایک پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں لگا۔ عتبہ بن ابی وقاص نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارا۔ اس کا پھینکا ہوا پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر لگا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور لہولہان ہو گیا اور نچلا ہونٹ پھٹ گیا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جب عتبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکتے دیکھا تو اس کی طرف لپکا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا اور آخر اسے جا لیا۔ میں نے فوراً اس پر تلوار کا وار کیا۔ اس وار سے اس کی گردن کٹ کر دور جا گری۔ میں نے فوراً اس کی تلوار اور گھوڑے پر قبضہ کیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ کو عتبہ کے قتل کی خبر سنائی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تم سے راضی ہو گیا، اللہ تم سے راضی ہو گیا۔"

اس حملے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود (لوہے کی ٹوپی) بھی ٹوٹ گیا تھا اور سر مبارک بھی زخمی ہوا۔ ابن قمیہ کے حملے سے دونوں رخسار بھی زخمی ہوئے تھے۔ خود کی دو کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک میں گڑ گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن قمیہ کو بددعا دی:

"اللہ تجھے ذلیل اور پست کرے، برباد کرے۔"

○ ○ ○

دانت ٹوٹ جانے کے بعد ان کا چہرہ بدنما ہو جاتا، لیکن ہوا یہ کہ وہ پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو گیا۔

جب یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ سلامت دیکھا اور پکارے:

''اے مسلمانو! تمہیں خوش خبری ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ موجود ہیں۔''

جب مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ سلامت دیکھا تو پروانوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے ساتھ ایک گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم تھے۔

اس روز حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بھی زبردست ثابت قدمی دکھائی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں موت کی بیعت کی تھی، یعنی یہ عہد کیا تھا کہ آپ کی حفاظت میں جان تو دے دیں گے، لیکن ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان صحابہ کے ساتھ گھاٹی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ عثمان بن عبداللہ ایک سیاہ اور سفید گھوڑے پر سوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا، وہ لوہے میں پوری طرح غرق تھا۔ آپ اس کی آواز سن کر رک گئے۔ اسی وقت عثمان بن عبداللہ کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی، وہ ایک گڑھے میں گر گیا۔ ساتھ ہی حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف لپکے اور اپنی تلوار سے اس پر وار کیا۔ اس نے تلوار کا وار روکا... تھوڑی دیر دونوں طرف سے تلوار چلتی رہی، پھر اچانک حضرت حارث نے اس کے پیر پر تلوار ماری، وہ زخم کھا کر بیٹھ گیا... حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے ایک بھرپور وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کا شکر ہے جس نے اسے ہلاک کر دیا۔''

اسی وقت عبداللہ بن جابر عامری نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا، اس کی تلوار حضرت حارث رضی اللہ عنہ کے کندھے پر لگی، کندھا زخمی ہو گیا... ان لمحات میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جابر پر حملہ کر دیا اور اپنی تلوار سے اسے ذبح کر ڈالا۔

مسلمان حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر لے گئے، تا کہ ان کی مرہم پٹی کی جا سکے۔

پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چٹان کے اوپر جانے کا ارادہ فرمایا جو گھاٹی کے اندر ابھری ہوئی تھی، لیکن زخموں سے خون نکل جانے اور زرہوں کے بوجھ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چڑھ نہ سکے، یہ دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاندھوں پر بٹھا کر چٹان کے اوپر لے گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''طلحہ کے اس نیک عمل کی وجہ سے ان پر جنت واجب ہوگئی۔''

ان کی ایک ٹانگ میں لنگڑاہٹ تھی، جب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھا کر چلے تو چال میں لنگڑاہٹ تھی، اب ان کی کوشش یہ تھی کہ لنگڑاہٹ نہ ہو... تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھا کر چلنے کی برکت سے ان کا لنگڑاہٹ دور ہو گیا۔

اس وقت تک جنگ کی یہ خبریں مدینہ منورہ میں پہنچ چکی تھیں، لہٰذا وہاں سے عورتیں میدان احد کی طرف چل پڑیں، ان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی دیکھا تو بے اختیار آپ سے لپٹ گئیں، پھر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو دھویا، حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی ڈالنے لگے، لیکن زخموں سے خون اور زیادہ بہنے لگا، تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر جلایا، جب وہ جل کر راکھ ہو گیا تو وہ راکھ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں میں بھر دی، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں سے خون بہنے کا سلسلہ رکا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اس چٹان پر پہنچے تو دشمن کی ایک جماعت پہاڑ کے اوپر پہنچ گئی۔ اس جماعت میں خالد بن ولید بھی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کو دیکھ کر فرمایا:

"اے اللہ ہماری طاقت اور قوت صرف تیری ہی ذات ہے۔"

اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور انہیں پیچھے دھکیل کر پہاڑ سے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کی۔ کمزوری کی وجہ سے یہ نماز بیٹھ کر ادا فرمائی۔

اس لڑائی میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر تقریباً 70 زخم آئے۔ یہ تیروں، نیزوں اور تلواروں کے تھے۔ تلوار کے ایک وار سے ان کی انگلیاں بھی کٹ گئیں۔ دوسرے ہاتھ میں ان کو ایک تیر آ کر لگا تھا۔ اس سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ یہاں تک کہ کمزوری کی وجہ سے ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اس سے انہیں ہوش آیا تو فوراً پوچھا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"خیریت سے ہیں۔"

یہ سن کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اللہ کا شکر ہے، ہر مصیبت کے بعد آسانی ہوتی ہے۔"

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے منہ پر ضرب لگی۔ اس ضرب سے ان کے دانت ٹوٹ گئے۔ اس کے علاوہ ان کے جسم پر بیس زخم تھے۔ ایک زخم ایک پیر پر بھی آیا تھا۔ اس سے وہ لنگڑے ہو گئے تھے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے جسم پر بھی بیس کے قریب زخم آئے تھے۔ غرض اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدید زخمی ہوئے تھے۔

احد کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے ایک شخص قزمان نامی بھی مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ وہ احد کی لڑائی میں بہت بہادری سے لڑا، لڑائی شروع ہونے پر سب سے پہلا تیر بھی اسی نے چلایا تھا، لڑتے لڑتے وہ مشرکوں کے اونٹ سواروں پر ٹوٹ پڑا اور آٹھ دس مشرکوں کو آن کی آن میں قتل کر دیا۔ بعض صحابہ نے اس کی بہادری کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا... اس تذکرے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ نے تو اسے جہنمی فرمایا ہے اور وہ اس قدر دلیری سے لڑ رہا ہے... اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا:

"یہ شخص جہنمی ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر بہت حیران ہوئے...

○ ۞ ○

مشرکین کی واپسی

جب قزمان لڑتے لڑتے بہت زخمی ہو گیا تو اسے اٹھا کر بنی ظفر کے محلے میں پہنچایا گیا۔ یہاں لوگ اس کی تعریف کرنے لگے۔ اس پر وہ بولا:

''مجھے کیسی خوش خبری سنا رہے ہو، خدا کی قسم! میں تو صرف اپنی قوم کی عزت اور فخر کے لیے لڑا ہوں۔ اگر قوم کا معاملہ نہ ہوتا تو میں ہرگز نہ لڑتا۔''

اس کے ان الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ بلند کرنے کے لیے نہیں لڑا تھا... پھر زخموں کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ اس نے اپنی تلوار نکالی، اس کی نوک اپنے سینے پر رکھ کر سارا بوجھ اس پر ڈال دیا۔ اس طرح تلوار اس کے سینے کے آر پار ہو گئی... اس طرح وہ حرام موت مرا۔ اسے اس طرح مرتے دیکھ کر ایک شخص دوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

آپ نے دریافت فرمایا:

''کیا ہوا؟''

جواب میں اس نے کہا:

''آپ نے جس شخص کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، اس نے خودکشی کر لی

نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''تمہارے ساتھی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔''

اسی بنیاد پر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو ''غسیل الملائکہ'' کہا گیا، یعنی وہ شخص جنہیں فرشتوں نے غسل دیا۔

غزوہ احد میں جنگ کے دوران ایک مشرک ابن عویف جنگ جو اپنی صفوں سے نکل کر آگے آیا اور مقابلے کے لیے للکارا، ایک صحابی آگے بڑھے اور ابن عویف پر تلوار کا وار کیا، ساتھ ہی انھوں نے کہا:

''لے میرا وار سنبھال میں ایک فارسی غلام ہوں۔''

ابن عویف کی زرہ کندھے پر سے کٹ گئی، تلوار اس کے کندھے کو کاٹ گئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جملہ سنا تو فرمایا:

''تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ لے میرا وار سنبھال! میں ایک انصاری غلام ہوں۔''

اب ابن عویف کا بھائی آگے بڑھا، ان صحابی نے اس پر وار کیا اور اس کی گردن اڑا دی، اس مرتبہ انھوں نے وار کرتے وقت کہا۔

''لے میرا وار سنبھال! میں ایک انصاری غلام ہوں۔''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا:

''تم نے خوب کہا۔''

اسی غزوہ میں حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے، یہ لنگڑے تھے، ان کے چار بیٹے تھے، جب یہ جنگ کے ارادے سے چلنے لگے تو چاروں بیٹوں نے ان سے کہا تھا:

''ہم جا رہے ہیں... آپ نہ جائیں۔''

اس پر حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

''اللہ کے رسول! میرے بیٹے مجھے جنگ میں جانے سے روک رہے ہیں... مگر اللہ کی

قسم میری تمنا ہے کہ میں اپنے لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں پہنچ جاؤں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم معذور ہو، لہٰذا جہاد تم پر فرض نہیں ہے۔"

دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹوں سے فرمایا:

"تمہیں اپنے باپ کو جہاد سے روکنا نہیں چاہیے ممکن ہے، اللہ انھیں شہادت نصیب فرمادے۔"

یہ سنتے ہی حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے ہتھیار سنبھالے اور نکل کھڑے ہوئے۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی:

"اے اللہ! مجھے شہادت کی نعمت عطا فرما اور گھر والوں کے پاس زندہ آنے کی رسوائی سے بچا۔"

چنانچہ یہ اس جنگ میں شہید ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ کسی بات کی قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں... انھی لوگوں میں سے عمرو بن جموح بھی ہیں، میں نے انھیں جنت میں ان کے اسی لنگڑے پن کے ساتھ چلتے پھرتے دیکھا ہے۔"

اسی جنگ میں ان کے ایک بیٹے خلاد رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے اور ان کے سالے عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام ہند بنت حزام تھا، جنگ کے بعد یہ اپنے شوہر، اپنے بیٹے اور اپنے بھائی کی لاشیں ایک اونٹ پر ڈال کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئیں تاکہ انھیں مدینہ منورہ میں دفن کیا جاسکے، لیکن اونٹ نے آگے جانے سے انکار کر دیا اور بیٹھ گیا۔ اس کا رخ میدان احد کی طرف کیا جاتا تو چلنے لگتا، مدینہ منورہ کی

طرف کرتے تو بیٹھ جاتا۔ آخر حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ صورت حال بیان کی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یہ اونٹ مامور ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے حکم دیا گیا ہے کہ یہ مدینہ نہ جائے) اس لیے ان تینوں کو یہیں دفن کردو۔"

اس سلسلے میں یہ روایت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا کہ کیا عمرو بن جموح نے چلتے وقت کچھ کہا تھا؟ تب آپ کو بتایا گیا کہ انھوں نے دعا کی تھی، اے اللہ! مجھے زندہ واپس آنے کی رسوائی سے بچانا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ اونٹ مدینہ منورہ نہیں جائے گا۔

چنانچہ ان تینوں کو وہیں میدان احد میں دفن کیا گیا۔ مشرکوں کے ساتھ آنے والی عورتوں نے شہید ہونے والے مسلمانوں کا مثلہ کیا تھا... یعنی ان کے ناک کان اور ہونٹ وغیرہ کاٹ ڈالے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی انھوں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ ہندہ (حضرت ابوسفیان کی اہلیہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔) نے ان کا کلیجہ نکال کر چبایا مگر اس کو نگل نہ سکی۔

لاشوں کو مثلہ کرنے کے بعد مشرک واپس لوٹے... مسلمانوں نے بھی انھیں روکنے کی کوشش نہ کی... کیونکہ سب کی حالت خستہ تھی۔ ابتدا میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"دشمن کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھو، وہ کیا کرتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ اگر وہ لوگ اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے لے جارہے ہیں تو سمجھو، وہ مکہ جارہے ہیں، لیکن اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہیں اور اونٹوں کو ہانک رہے ہیں تو سمجھو وہ مدینہ جارہے ہیں، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر انھوں نے مدینہ کا رخ کیا تو میں ہر قیمت پر مدینہ پہنچ کر ان کا مقابلہ کروں گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ آخر معلوم ہو گیا کہ مشرکوں نے مکہ جانے کا ارادہ کیا ہے۔ اس طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو اپنے مقتولین کی فکر ہوئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی سعد بن ربیع کا حال معلوم کر کے آئے... میں نے ان کے اوپر تلواریں چمکتی دیکھی تھیں۔"

اس پر کچھ صحابہ کرام ان کا حال معلوم کرنے کے لیے جانے لگے۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اگر تم سعد بن ربیع کو زندہ پاؤ تو ان سے میرا سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ رسول اللہ تم سے تمہارا حال پوچھتے ہیں۔"

ایک انصاری مسلمان نے آخر حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تلاش کر لیا۔ وہ زخموں سے چور چور تھے، تاہم ابھی جان باقی تھی۔

○ ۞ ○

اور مرتے وقت بھی (دونوں حالتوں میں) خیر خواہی کی ہے۔"

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ان کی ایک صاحبزادی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایک مرتبہ ان سے ملنے کے لیے آئیں۔ آپ نے ان کے لیے چادر بچھا دی۔ ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "یہ خاتون کون ہیں؟"

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ اس شخص کی بیٹی ہے، جو مجھ سے اور تم سے بہتر تھا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا

"اے خلیفہ رسول! وہ کون شخص تھا؟"

آپ نے فرمایا:

"وہ شخص وہ تھا جو سبقت کر کے جنت میں پہنچ گیا، میں اور تم رہ گئے، یہ سعد بن ربیع کی صاحبزادی ہیں۔"

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ اس وقت ایک شخص نے عرض کیا:

"میں نے انھیں چٹانوں کے قریب دیکھا ہے، وہ اس وقت کہہ رہے تھے، میں اللہ کا شیر ہوں اور اس کے رسول کا شیر ہوں۔"

اس کے بتانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان چٹانوں کی طرف چلے جہاں اس شخص نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا۔ آخر وادی کے درمیان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا کی لاش نظر آئی۔ حالت یہ تھی کہ ان کا پیٹ چاک تھا اور ناک کان کاٹ ڈالے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ منظر بہت دردناک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس جیسا تکلیف دہ منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوب روئے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا جتنا آپ حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر روئے۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اپنی والدہ کو اس طرف نہ آنے دینا، وہ پیارے چچا کی نعش دیکھنے نہ پائیں۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھا۔ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ حکم سنتے ہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے راستے پر پہنچ گئے۔ اس طرف سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا چلی آ رہی تھیں، وہ انھیں دیکھتے ہی بولے:

''ماں! آپ واپس چلی جائیں۔''

اس پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بیٹے کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

''کیوں چلی جاؤں؟ مجھے معلوم ہے، میرے بھائی کی لاش کا مثلہ کیا گیا ہے، مگر یہ سب خدا کی راہ میں ہوا ہے، میں ان شاء اللہ صبر کا دامن نہیں چھوڑوں گی۔''

ان کا جواب سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان کا جواب آپ کو بتایا، تب آپ نے فرمایا:

''اچھا! انھیں آنے دو۔''

چنانچہ انھوں نے آ کر بھائی کی لاش کو دیکھا، ''انا للہ و انا الیہ راجعون'' پڑھا اور ان کی مغفرت کی دعا کی۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حمزہ کے لیے کفن کا انتظام کرو۔''

ایک انصاری صحابیؓ آگے بڑھے۔ انھوں نے اپنی چادر ان پر ڈال دی۔ پھر ایک صحابیؓ آگے بڑھا۔ انھوں نے بھی اپنی چادر ان پر ڈال دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"جابر! ان میں سے ایک چادر تمہارے والد کے لیے اور دوسری میرے چچا کے لیے ہوئی۔"

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو کفن کے لیے صرف ایک چادر ملی، وہ بھی اتنی چھوٹی تھی کہ سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سر کو چادر سے ڈھانپ دو اور پیروں پر گھاس ڈال دو۔"

یہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہ تھے جو اسلام لانے سے پہلے قیمتی لباس پہنتے تھے۔ ان کا لباس دوسرے شہروں سے منگایا جاتا تھا۔ آج ان کی میت کے لیے پورا کفن بھی میسر نہیں تھا۔

باقی شہداء کو اس طرح کفن دیا گیا کہ ایک ایک چادر میں دو دو تین تین لاشوں کو لپیٹ کر ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدا پر نماز جنازہ ادا فرمائی۔

غزوہ احد کے شہداء میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے ایک دن پہلے دعا مانگی تھی:

"اے اللہ! کل کسی بہت طاقتور دشمن سے میرا مقابلہ ہو، وہ مجھے قتل کرے، پھر میری لاش کو مثلہ کرے۔ پھر میں قیامت میں تیرے سامنے حاضر ہوں تو تو مجھ سے پوچھے: اے عبداللہ! تیری ناک اور کان کیوں کاٹے گئے؟ تو میں عرض کروں گا: تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کی وجہ سے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں: تو نے سچ کہا۔"

چنانچہ اس لڑائی میں شہید ہوئے اور ان کی لاش کو مثلہ کیا گیا۔ لڑائی کے دوران ان کی تلوار ٹوٹ گئی تھی۔ تب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی ایک شاخ عطا فرمائی۔ وہ ان کے ہاتھ میں جاتے ہی تلوار بن گئی اور وہ اسی سے لڑتے رہے۔

اس جنگ میں حضرت جابر کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے

تھے۔ ان کے چہرے پر زخم آیا تھا۔ اس زخم کی وجہ سے جب ان کا آخری وقت آیا تو ان کا ہاتھ اس زخم پر تھا۔ جب ان کی لاش اٹھائی گئی اور ہاتھ کو زخم پر سے اٹھایا گیا تو زخم سے خون جاری ہو گیا۔ اس پر ان کے ہاتھ کو پھر زخم پر رکھ دیا گیا۔ جونہی ہاتھ رکھا گیا، خون بند ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا۔ کافی مدت بعد احد کے میدان میں سیلاب آ گیا، اس سے وہ قبر کھل گئی ——— لوگوں نے دیکھا کہ ان دونوں لاشوں میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا ——— بالکل تروتازہ تھیں ——— یوں لگتا تھا جیسے ابھی کل ہی دفن کی گئی ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اسی طرح اس زخم پر تھا ——— کسی نے ان کا ہاتھ ہٹا دیا ——— ہاتھ ہٹاتے ہی خون جاری ہو گیا، چنانچہ ہاتھ پھر زخم پر رکھ دیا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں میدان احد سے ایک نہر کھدوائی، یہ نہر شہداء کی قبروں کے درمیان سے نکالی گئی، اس لیے انھوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے مردوں کو ان قبروں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیں... لوگ روتے ہوئے وہاں پہنچے، انھوں نے قبروں میں سے لاشوں کو نکالا تو تمام شہداء کی لاشیں بالکل تروتازہ تھیں، نرم ملائم تھیں، ان کے تمام جوڑ نرم تھے اور یہ واقعہ غزوۂ احد کے چالیس سال بعد کا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش نکالنے کے لیے ان کی قبر کھودی جا رہی تھی تو ان کے پاؤں پر کدال لگ گئی۔

○ ○ ○

شہداء کا مرتبہ

کدال کا لگنا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں سے خون جاری ہو گیا۔ گویا ان کا جسم اس طرح تر و تازہ تھا جیسے کسی زندہ انسان کا ہوتا ہے، یہاں تک کہ خون بھی خشک نہیں ہوا تھا اور خون شریانوں میں اس طرح جاری تھا کہ ذرا سی کدال لگتے ہی تیزی سے جاری ہو گیا۔ دوسری یہ بات سامنے آئی کہ ان لاشوں سے مشک جیسی خوشبو مہک رہی تھی... یہ واقعہ غزوہ احد کے تقریباً پچاس سال بعد کا ہے، جب کہ مدینہ منورہ کی مٹی اس قدر شور (نمکیات والی) ہے کہ کوئی سی رات لاش میں تبدیلی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا، جس طرح زمین انبیاء کے جسموں میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتی، اسی طرح شہداء کے جسم بھی سلامت رہتے ہیں۔

اسی طرح حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی ربیع رضی اللہ عنہ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا، یہ ان کے چچازاد بھائی تھے۔ بعض لوگ اپنے شہداء کو احد سے مدینہ منورہ لے گئے تھے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ انہیں واپس لایا جائے اور میدان احد ہی میں دفن کیا جائے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے شہداء کے بارے میں فرمایا:

"میں ان سب کا گواہ ہوں... جو زخم بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگا ہے، اللہ

تعالیٰ قیامت کے دن اس زخمی کو دوبارہ اسی حالت میں پیدا فرمائیں گے کہ اس کا رنگ خون کے رنگ کا سا ہو گا اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی۔"

غزوہ احد میں شہید ہونے والے صحابہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے جابر! کیا میں تمہیں ایک بات نہ بتادوں؟ اور وہ یہ ہے جب بھی اللہ تعالیٰ کسی شہید سے کلام فرماتے تو پردوں میں سے کلام فرماتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ سے روبرو کلام فرمایا اور فرمایا مجھ سے مانگو میں تجھے عطا کروں گا تو انہوں نے کہا: اے باری تعالیٰ! مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تاکہ دوبارہ تیری راہ میں قتل ہو سکوں۔"

آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"یہ میری سنت کے خلاف ہے کہ مردوں کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دوں۔"

انہوں نے عرض کیا

"پروردگار! جو لوگ میرے پیچھے دنیا میں باقی ہیں ان تک میری یہ بات پہنچا دے کہ یہاں شہیدوں کو کیسے کیسے انعامات سے نوازا جاتا ہے۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ترجمہ: "اور اے مخاطب! جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے مقرب ہیں انہیں رزق ملتا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی دینار کی ایک عورت کے پاس پہنچے۔ اس عورت کا شوہر، باپ اور بھائی اس غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ان کا بیٹا بھی شہید ہوا تھا۔ جب لوگوں نے انہیں یہ خبر سنائی تو انہوں نے فوراً پوچھا

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟"

لوگوں نے بتایا:

"اللہ کا شکر ہے... آپ بخیر و عافیت ہیں۔"

اس پر اس عورت نے کہا:

"میں آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔"

پھر جب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھ لیا تو بولیں:

"آپ خیریت سے ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔" یعنی اب کسی غم کی کوئی اہمیت نہیں۔

غزوہ احد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں زخم آ گیا تھا... یہاں تک کہ آنکھ ڈھیلے سے باہر نکل کر لٹک گئی تھی۔ لوگوں نے اسے کاٹ ڈالنا چاہا، اور اس بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کاٹو نہیں۔"

پھر انھیں اپنے پاس بلایا اور ان کی آنکھ اپنے ہاتھ مبارک میں لے کر ہتھیلی سے اس کی جگہ پر رکھ دی۔ پھر یہ دعا کی:

"اے اللہ! ان کی آنکھ کو ان کے حسن اور خوب صورتی کا ذریعہ بنا دے۔"

چنانچہ یہ دوسری آنکھ سے بھی زیادہ خوب صورت اور تیز ہو گئی... حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بھی آنکھ کی تکلیف ہوتی تو دوسری میں ہوتی، اس آنکھ پر اس تکلیف کا کوئی اثر نہ ہوتا۔

ایک اور صحابی کی گردن میں ایک تیر آ کر پیوست ہو گیا... وہ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ زخم فوراً ٹھیک ہو گیا۔

غزوہ احد میں اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جنگ کے دوران ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، جب وہ بھی کٹ گیا تو دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے جھنڈے کو تھام لیا، اس وقت وہ یہ آیت تلاوت کر رہے تھے:

ترجمہ: ''اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہی تو ہیں، اس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔'' (سورۃ آل عمران:144)

جب انھوں نے جنگ کے دوران کسی کو یہ کہتے سنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیے گئے تو خود بخود ان کی زبان سے یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

غرض جنگ ختم ہوئی اور شہداء کو دفن کر دینے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت شہداء اور ان کے عزیزوں کے لیے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ ان کے دلوں سے رنج اور غم کو مٹا دے، ان کی مصیبتوں کو دور فرما دے اور شہیدوں کے جانشینوں کو ان کا بہترین جانشین بنا دے۔''

مدینہ پہنچنے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار خون آلود دیکھ کر فرمایا:

''اگر تم نے جنگ میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے تو فلاں فلاں نے بھی خوب جہاد کیا ہے۔''

غزوہ احد میں 70 کے قریب مسلمان شہید ہوئے۔ مرنے والے مشرکوں کی تعداد مختلف بتائی جاتی ہے۔ جب اللہ کے رسول مدینہ منورہ پہنچے تو مسلمانوں کی شکست پر منافقوں اور یہودیوں کی زبانیں کھل گئیں۔ وہ کھلے عام مسلمانوں کو برا کہنے لگے، خوشی سے بغلیں بجانے لگے۔ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات بھی کہے۔ مثلاً وہ کہتے پھرتے تھے:

''محمد صرف حکومت کرنے کے شوقین ہیں، آج تک کسی نبی نے اس طرح نقصان نہیں اٹھایا جس طرح انھوں نے اٹھایا ہے، خود بھی زخمی ہوئے اور اپنے اتنے ساتھیوں کو بھی مروایا ہے۔'' (معاذ اللہ)

بھی کہتے:

"تمہارے جو ساتھی مارے گئے، اگر وہ ہمارے ساتھ رہتے تو اس طرح اپنی جانیں نہ گنواتے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک ان کی یہ باتیں پہنچیں تو انہیں بہت غصہ آیا۔ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں ان لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دیں۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کیا یہ لوگ یعنی منافقین ظاہر میں مسلمان نہیں ہیں، کیا یہ کلمہ نہیں پڑھتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"بے شک کرتے ہیں، لیکن یہ لوگ ایسا تلوار کے خوف سے کرتے ہیں، اب ان کی حقیقت ظاہر ہو چکی ہے، ان کے دلوں میں جو کینہ اور فساد ہے، وہ سامنے آ گیا ہے۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص اسلام کا اعلان کرے، چاہے ظاہری طور پر ہی کرے، مجھے اس کے قتل کی ممانعت کر دی گئی۔"

غزوۂ احد کے دوسرے ہی روز صبح سویرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد مدینہ منورہ میں یہ اعلان کر رہا تھا:

"مسلمانو! قریش کا تعاقب کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

○ ○ ○

''ملو! تمہارے ہتھیار کہاں ہیں؟''

انھوں نے فوراً کہا:

''یہیں ہیں اے اللہ کے رسول!''

یہ کہہ کر وہ جلدی سے گئے اور ہتھیار پہن کر آ گئے، حالانکہ ان کے صرف سینے پر نو زخم تھے جبکہ پورے جسم پر ستر زخم تھے... اللہ اکبر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر آگے بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ حمراء الاسد کے مقام پر ٹھہرا، یہ جگہ مدینہ منورہ سے تقریباً 12 کلو میٹر دور ہے، اس مقام پر مسلمانوں نے تین دن تک قیام کیا، ہر رات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پڑاؤ میں جگہ جگہ آگ روشن کرتے رہے تاکہ دشمن کو دور سے روشنیاں نظر آتی رہیں، اس تدبیر سے دشمن نے خیال کیا کہ مسلمان بڑی تعداد کے ساتھ آئے ہیں، چنانچہ ان پر رعب پڑ گیا۔

اس مہم کو غزوہ حمراء الاسد کہا جاتا ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس غزوے میں مسلمانوں کے پاس کھانے کے لیے صرف کھجوریں تھیں یا پھر اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔

کفار نے جب یہ خبریں سنیں کہ مسلمان تو ایک بار پھر تیاری کے ساتھ میدان میں موجود ہیں تو وہ مکہ کی طرف لوٹ گئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ منورہ کوچ فرمایا۔

حمراء الاسد کے مقام پر مسلمانوں نے ابو عزہ شاعر کو گرفتار کیا۔ یہ شخص مسلمانوں کے خلاف اشعار کہا کرتا تھا، غزوہ بدر کے موقع پر بھی گرفتار ہوا تھا۔ گرفتار ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تھا تو گڑ گڑانے لگا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر اسے چھوڑ دیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف اشعار نہیں کہے گا... لیکن یہ اپنے وعدے سے پھر گیا تھا اور مسلمانوں کے خلاف اشعار کہتا رہا تھا۔ اس موقع پر یہ پھر گرفتار ہوا۔ اب پھر اس نے رونا گڑ گڑانا شروع کیا۔ لگا معافی مانگنے... اس نے کہا:

''اے محمد! مجھے چھوڑ دیجیے! مجھ پر احسان کیجیے! میری بیٹیوں کی خاطر رہا کر دیجیے، میں آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ آیندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نہیں! اب تو مسلمانوں کو دکھ نہیں پہنچا سکے گا۔'' اس کے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا:

''مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جا سکتا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وضاحت علماء نے یہ لکھی ہے کہ مومن کو چاہیے کوئی اسے دھوکا دے تو اس سے ہوشیار رہے اور پھر اس کے دھوکے میں نہ آئے۔

اسی سال یعنی 3 ہجری میں شراب حرام ہوئی۔

4 ہجری میں غزوہ بنونضیر پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو نضیر کے محلے میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں ایک ضروری معاملے میں بنونضیر سے بات طے کرنا تھی۔ یہ یہودیوں کا قبیلہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ مسلمانوں کو کسی کا خون بہا دینا پڑا تو بنونضیر بھی اس سلسلے میں مدد کریں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے محلے میں تشریف لے گئے تو صحابہ کرام کی ایک مختصر سی جماعت بھی ساتھ تھی۔ ان کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر ان سے بات شروع کی تو وہ بولے:

''ہاں ہاں! کیوں نہیں... ہم ابھی رقم ادا کر دیتے ہیں، آپ پہلے کھانا کھالیں۔''

اس طرح وہ بظاہر بہت خوش ہو کر ملے، لیکن دراصل وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش پہلے سے تیار کر چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انھوں نے ایک دیوار کے ساتھ بٹھایا۔ پھر ان میں سے ایک یہودی اس مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ وہ چھت سے حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ایک بڑا سا پتھر گرانا چاہتا تھا۔ ابھی وہ ایسا کرنے ہی والا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش سے باخبر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے وہاں سے اٹھے۔ انداز ایسا تھا جیسے کوئی بات یاد آ گئی ہو... آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی میں دیر ہوئی تو صحابہ کرام حیران ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑے۔ انھیں مدینہ منورہ سے آتا ہوا ایک شخص دکھائی دیا... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں دیکھ کر آ رہا ہے۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم فوراً مدینہ منورہ پہنچے۔ تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سازش کے بارے میں بتایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنونضیر کے پاس بھیجا اور انھیں یہ پیغام دیا:

''میرے شہر (یعنی مدینہ) سے نکل جاؤ، تم لوگ اب اس شہر میں نہیں رہ سکتے۔ اس لیے کہ تم نے جو منصوبہ بنایا تھا، وہ غداری تھی۔''

تمام یہودیوں کو یہ بھی بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انھوں نے کیا سازش کی تھی، اس لیے کہ سب کو اس بارے میں معلوم نہیں تھا۔ سازش کی تفصیل سن کر یہودی خاموش رہ گئے۔ کوئی منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکا۔ پھر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ تم دس دن کے اندر اندر یہاں سے نکل جاؤ، اس مدت کے بعد جو شخص بھی یہاں پایا گیا، اس کی گردن ماردی جائے گی۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر یہودیوں نے وہاں سے کوچ کی تیاریاں

شروع کر دیں... اونٹوں وغیرہ کا انتظام کرنے لگے، لیکن ایسے میں منافقوں کی طرف سے انھیں پیغام ملا کہ اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر ہرگز کہیں نہ جاؤ، ہم لوگ تمہارے ساتھ ہیں، اگر جنگ کی نوبت آئی تو ہم تمہاری مدد کو آئیں گے اور اگر تم لوگوں کو یہاں سے نکلنا ہی پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔"

یہودیوں کو روکنے میں سب سے زیادہ کوشش منافقوں کے سردار عبداللہ ابن ابی نے کی، اس نے یہودیوں کو پیغام بھیجا:

"اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر مت جاؤ، اپنی حویلیوں میں ڈٹے رہو... میرے ساتھ دو ہزار جانباز ہیں، ان میں میری قوم کے لوگ بھی ہیں اور عرب کے دوسرے قبائل بھی ہیں، وقت آن پڑا تو یہ لوگ تمہاری حویلیوں میں پہنچ جائیں گے اور آخر دم تک لڑیں گے، تم پر آنچ نہیں آنے دیں گے، تم سے پہلے جانیں دے دیں گے... ہمارے ساتھ قبیلہ بنی قریظہ کے لوگ بھی ہیں اور قبیلہ غطفان کے لوگ بھی... یہ سب تمہاری طرف مدد کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔"

بنی نضیر کو یہ پیغامات ملے تو انھوں نے جلاوطن ہونے کا خیال ترک کر دیا... چنانچہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا:

"ہم اپنا وطن چھوڑ کر ہرگز نہیں جائیں گے... آپ کا جو جی چاہے، کر لیں۔"

یہ پیغام سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ تکبیر بلند کیا، آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا:

"یہودی جنگ پر آمادہ ہیں، لہٰذا جہاد کی تیاری کرو۔"

مسلمانوں نے جہاد کی تیاری شروع کر دی، اس وقت یہودیوں کو جنگ پر ابھارنے والا شخص حیی بن اخطب تھا، اسی شخص کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور ام المومنین کا اعزاز پایا۔ حیی بن اخطب بنو نضیر کا سردار تھا، بنی نضیر کے ایک دوسرے سردار سلام بن مشکم نے اسے سمجھانے اور جنگ سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی، لیکن حیی بن اخطب منافقوں کی شہ پر باز نہ آیا اور جنگ

پر تلا رہا۔ اس پر سلام بن مشکم نے اس سے کہا:

''تم نے میری بات نہیں مانی۔ دیکھنا، ہم اپنے وطن سے بے وطن کر دیے جائیں گے، ہماری عزت خاک میں مل جائے گی۔ ہمارے گھر والے قیدی بنا لیے جائیں گے اور ہمارے نوجوان اس جنگ میں مارے جائیں گے۔''

حیی بن اخطب پر اس کا بھی اثر نہ ہوا۔

○ ○ ○

''اے اللہ کے رسول! علی نظر نہیں آرہے۔''

آپ نے فرمایا:

''فکر نہ کرو، وہ ایک کام سے گئے ہیں۔''

کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عزول کا سر اٹھائے ہوئے آگئے۔ اب ساری صورتحال کا پتا چلا، جب عزول نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سائبان کی طرف تیر پھینکا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی وقت سے اس کے پیچھے لگ گئے تھے اور آخر اس کا سر کاٹ لائے۔ اس کے ساتھ دس آدمی اور تھے، وہ عزول کو قتل ہوتے دیکھ کر بھاگ لیے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دس آدمی اور بھی روانہ فرمائے تھے۔ ان میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ جماعت ان لوگوں کی تلاش میں نکلی... جو عزول کے مارے جانے پر بھاگ نکلے تھے۔ آخر اس جماعت نے انھیں جا لیا اور سب کو قتل کر دیا۔

بنو نضیر کا محاصرہ جاری رہا، یہاں تک کہ چھ راتیں گزر گئیں۔ اس دوران منافق عبداللہ بن ابی برابر یہودیوں کو پیغامات بھیجتا رہا کہ تم اپنی حویلیوں میں ڈٹے رہو، ہم تمہاری مدد کو آرہے ہیں، لیکن یہودیوں کو اس سے کوئی مدد نہ پہنچی۔ اب تو یہود کا سردار حیی بن اخطب بہت پریشان ہوا... کچھ عقل مند یہودیوں نے اسے عبداللہ ابن ابی کے مشورے پر عمل نہ کرنے کے لیے کہا تھا، لیکن حیی بن اخطب نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔ اب انھوں نے طعنے کے طور پر کہا:

''عبداللہ ابن ابی کی وہ مدد کہاں گئی جس کا اس نے وعدہ کیا تھا... اور جس کی تم آس لگائے بیٹھے تھے؟''

وہ کوئی جواب نہ دے سکا، یہودی اب بہت پریشان ہو چکے تھے، ادھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سختی سے ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، آخر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب طاری کر دیا، انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ

انھیں یہاں سے نکل جانے دیا جائے... وہ ہتھیار ساتھ نہیں لے جائیں گے، البتہ اپنا گھریلو سامان لے جائیں گے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی، چنانچہ یہودیوں نے اپنے اونٹوں پر اپنی عورتوں اور بچوں کو سوار کر لیا اور اپنا سارا سامان بھی ان پر لاد لیا، یہ کل چھ سو اونٹ تھے، ان اونٹوں پر بہت سا سونا چاندی اور قیمتی سامان تھا۔

اس طرح بنی نضیر کے یہ یہودی جلاوطن ہو کر خیبر میں جا بسے، خیبر کے یہودیوں نے انھیں وہاں آباد ہونے میں مدد دی، کچھ لوگ شام کی طرف بھی چلے گئے۔

غزوہ بنو نضیر کے بعد غزوہ ذات الرقاع، غزوہ بدر ثانی اور غزوہ دومۃ الجندل پیش آئے... یہ چھوٹے چھوٹے غزوات تھے جو یکے بعد دیگرے پیش آئے۔ پھر غزوہ بنی مصطلق پیش آیا... قبیلہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا، اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے ایک لشکر تیار کیا، اس لشکر میں اس کی قوم کے علاوہ دوسرے عرب بھی شامل تھے۔

اس اطلاع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگ کی تیاری کی، اسلامی لشکر ۲ شعبان ۵ ہجری کو روانہ ہوا، ادھر جب حارث بن ابی ضرار اور اس کے ساتھیوں کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی تو بہت سے لوگ بدحواس ہو کر حارث کا ساتھ چھوڑ گئے اور ادھر ادھر بھاگ گئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ اس قبیلے پر حملہ آور ہوئے، مسلمانوں نے ایک ساتھ مل کر مشرکوں پر حملہ کر دیا، یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ ان میں سے دس فوراً مارے گئے، باقی گرفتار ہو گئے، ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا...

ان قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برّہ بنت حارث بھی تھیں، مال غنیمت تقسیم ہوا تو برّہ، ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی تحویل میں آ گئیں، اب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے برّہ سے طے کیا کہ اگر وہ نو اوقیہ سونا دے دیں تو وہ انھیں آزاد کر دیں گے۔

یہ سن کر برہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگیں:

"اے اللہ کے رسول! میں مسلمان ہو چکی ہوں، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمارے ساتھ جو ہوا، اس کو آپ جانتے ہی ہیں، میں قوم کے سردار کی بیٹی ہوں... ایک سردار کی بیٹی اچانک باندی بنا لی گئی... ثابت بن قیس نے آزاد ہونے کے لیے میرے ذمہ جو سونا مقرر کیا ہے وہ میری طاقت سے کہیں زیادہ ہے، میری آپ سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں میری مدد فرمائیں۔"

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کیا میں تمہیں اس سے بہتر راستہ نہ بتا دوں؟"

یہ بولیں:

"وہ کیا اے اللہ کے رسول۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تمہاری طرف سے سونا میں دے دیتا ہوں اور میں تم سے نکاح کر لوں۔"

اس پر برہ بولیں۔

"اے اللہ کے رسول! میں تیار ہوں۔"

چنانچہ آپ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بلوایا، برہ کو ان سے مانگا، وہ بولے:

"اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان برہ آپ کی ہوگئی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اتنا سونا ادا کر دیا اور برہ سے شادی کر لی، اس وقت ان کی عمر 20 سال تھی، ان کا نام برہ سے جویریہ رکھا گیا، اس طرح وہ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ہوگئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت خوب صورت خاتون تھیں۔

بعد میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ حارث ان کا فدیہ لے کر حضور اکرم صلی اللہ

منافقین کی سازش

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کوچ کا اعلان ہوتے ہی میں قضائے حاجت کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور لشکر سے دور جنگل کی طرف چلی گئی۔ جب میں فارغ ہوئی تو واپس لشکر کی طرف روانہ ہوئی۔ میرے گلے میں ایک ہار تھا، وہ ہار کہیں ٹوٹ کر گر گیا۔ مجھے اس کے گرنے کا پتا نہ چلا۔ جب اس کا خیال آیا تو ہار کی تلاش میں واپس جنگل کی طرف گئی۔ اس طرح اس ہار کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی۔ لشکر میں جو لوگ میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھا کرتے تھے، انھوں نے خیال کیا کہ میں ہودج میں موجود ہوں۔ انھوں نے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور انھیں احساس نہ ہوا کہ میں اس میں نہیں ہوں، کیونکہ میں دبلی پتلی اور کم وزن کی تھی... میں کھاتی بھی بہت کم تھی، جسم پر موٹاپے کے آثار نہیں تھے۔ اس طرح لشکر روانہ ہو گیا۔ (ہودج محمل کو کہتے ہیں، یہ ایک ڈولی نما چیز ہوتی ہے جو اونٹ پر نشست کے طور پر باندھی جاتی ہے تاکہ عورت پردے میں رہے۔)

ادھر کافی تلاش کے بعد میرا ہار مل گیا اور میں لشکر کی طرف روانہ ہوئی۔ وہاں پہنچی تو لشکر جا چکا تھا۔ دور دور تک سناٹا تھا۔ میں جس جگہ ٹھہری ہوئی تھی، وہیں بیٹھ گئی... میں نے سوچا، جب انھیں میری گم شدگی کا پتا چلے گا تو سیدھے یہیں آئیں گے۔ بیٹھے بیٹھے مجھے نیند نے آ لیا۔

صفوان سلمی رضی اللہ عنہ کی ذمے داری یہ تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے رہا کرتے تھے تاکہ کسی

کا کوئی سامان رہ جائے یا گر جائے تو اس کو اٹھا لیا کریں۔ اس روز بھی لشکر سے پیچھے تھے۔ چنانچہ جب یہ اس جگہ پہنچے جہاں قافلہ تھا... تو انھوں نے دور سے مجھے دیکھا اور خیال کیا کہ کوئی آدمی سویا ہوا ہے۔ نزدیک آئے تو انھوں نے مجھے پہچان لیا۔ مجھے دیکھتے ہی انھوں نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ ان کی آواز سن کر میں جاگ گئی۔ انھیں دیکھتے ہی میں نے اپنی چادر اپنے چہرے پر ڈال لی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"صفوان سلمی حیرت زدہ تھے کہ یہ کیا ہوا، لیکن منہ سے انھوں نے ایک لفظ نہ کہا۔ نہ میں نے ان سے کوئی بات کی۔ انھوں نے اپنی اونٹنی کو میرے قریب بٹھا دیا اور صرف اتنا کہا:

"ماں! سوار ہو جائیے!"

میں نے اونٹ پر سوار ہوتے وقت کہا:

"حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل."

(یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مجھے کافی ہے اور وہی میرا بہترین سہارا ہے) میرے سوار ہونے کے بعد انھوں نے اونٹ کو اٹھایا اور اس کی مہار پکڑ کر آگے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ لشکر میں پہنچ گئے۔ لشکر اس وقت نخل ظہیرہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور وہ دوپہر کا وقت تھا۔ جب ہم لشکر میں پہنچے تو منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کو بہتان لگانے کا موقع مل گیا۔ اس نے کہا:

"یہ عورت کون ہے جسے صفوان ساتھ لایا ہے؟"

اس کے ساتھی منافق بول اٹھے:

"یہ عائشہ ہیں... صفوان کے ساتھ آئی ہیں۔"

اب یہ لوگ لگے باتیں کرنے... پھر جب لشکر مدینہ منورہ پہنچ گیا تو منافق عبداللہ بن ابی دشمنی کی بنا پر اور اسلام سے اپنی نفرت کی بنیاد پر اس بات کو شہرت دینے لگا۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

جب منافق اس واقعہ کا ذکر کرتے تو عبداللہ بن ابی بڑھ چڑھ کر ان کی تائید کرتا تا کہ اس واقعہ کو زیادہ سے زیادہ شہرت ملے۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"مدینہ منورہ آ کر میں بیمار ہو گئی... میں ایک ماہ تک بیمار رہی، دوسری طرف منافق اس بات کو پھیلاتے رہے، بڑھا چڑھا کر بیان کرتے رہے، اس طرح یہ باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اور میرے ماں باپ تک پہنچیں، جب کہ مجھے پتہ بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا... البتہ میں محسوس کرتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے کی طرح محبت سے پیش نہیں آتے تھے جیسا کہ پہلے بیماری کے دنوں میں میرا خیال رکھتے تھے۔ (دراصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھرانے پر منافقین کی الزام تراشی سے سخت غمزدہ تھے اس فکر و رنج کی وجہ سے گھر والوں سے اچھی طرح کھل مل بات کرنے کا موقع بھی نہ ملتا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے میں پریشان رہنے لگی، میری بیماری کم ہوئی تو ام مسطح رضی اللہ عنہا نے مجھے وہ باتیں بتائیں جو لوگوں میں پھیل رہی تھیں، ام مسطح رضی اللہ عنہا نے خود اپنے بیٹے مسطح کو بھی برا بھلا کہا کہ وہ بھی اس بارے میں کچھ کہتا پھرتا ہے... یہ سنتے ہی میرا مرض لوٹ آیا، مجھ پر غشی طاری ہونے لگی، بخار تیز ہو گیا... گھر آئی تو بری طرح بے چین تھی، تمام رات روتے گزری... آنسو رکتے نہیں تھے، نیند آنکھوں سے دور تھی، صبح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "کیا حال ہے؟" تب میں نے عرض کیا:

"کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر ہو آؤں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی... دراصل میں چاہتی تھی، اس خبر کے بارے میں والدین سے پوچھوں۔ جب میں اپنے ماں باپ کے گھر پہنچی تو میری والدہ (ام رومان رضی اللہ عنہا) مکان کے نچلے حصے میں تھیں... جب کہ والد اوپر والے حصے میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، والدہ نے مجھے دیکھا تو پوچھا:

"تم کیسے آ گئیں؟"

میں نے ان سے پورا قصہ بیان کر دیا... اور اپنی والدہ سے کہا:

"اللہ آپ کو معاف فرمائے، لوگ میرے بارے میں کیا کیا کہہ رہے ہیں، لیکن آپ نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

اس پر میری والدہ نے کہا:

"بیٹی! تم فکر نہ کرو اپنے آپ کو سنبھالو، دنیا کا تو دستور یہی ہے کہ جب کوئی خوب صورت عورت اپنے خاوند کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو اس سے جلنے والے اس کی عیب جوئی شروع کر دیتے ہیں۔"

یہ سن کر میں نے کہا: "اللہ کی پناہ! لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں، کیا میرے ابا جان کو بھی ان باتوں کا علم ہے۔"

انھوں نے جواب دیا: "ہاں! انھیں بھی معلوم ہے۔"

اب تو مارے رنج کے میرا برا حال ہو گیا، میں رونے لگی، میرے رونے کی آواز والد کے کانوں تک پہنچی تو وہ فوراً نیچے اتر آئے، انھوں نے میری والدہ سے پوچھا: "اسے کیا ہوا؟"... تو انھوں نے کہا: "اس کے بارے میں لوگ جو افواہیں پھیلا رہے ہیں، وہ اس کے کانوں تک پہنچ چکی ہیں۔"

اب تو والدہ بھی رونے لگیں، والد بھی رونے لگے، اس رات بھی میں روتی رہی، پوری رات سو نہ سکی، میری والدہ بھی رو رہی تھیں، والد بھی رو رہے تھے... ہمارے ساتھ گھر کے دوسرے لوگ بھی رو رہے تھے، ایسے میں ایک انصاری عورت ملنے کے لیے آ گئی... میں نے اسے اندر بلا لیا، ہمیں روتے دیکھ کر وہ بھی رونے لگی، یہاں تک کہ ہمارے گھر میں جو بلی تھی... وہ بھی رو رہی تھی... ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اور بیٹھ گئے... جب سے یہ باتیں شروع ہوئی تھی... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس بیٹھنا چھوڑ دیا تھا، لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ

وسلم میرے پاس بیٹھ گئے۔ ان باتوں کو ایک ماہ ہو چکا تھا... اس دوران آپ پر وحی بھی نازل نہیں ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے کے بعد کلمہ شہادت پڑھا اور پھر فرمایا:

''عائشہ! مجھ تک تمہارے بارے میں ایسی باتیں پہنچی ہیں، اگر تم ان تہمتوں سے بری ہو اور پاک ہو تو اللہ تعالیٰ خود تمہاری براءت فرما دیں گے اور اگر تم اس گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتے ہیں۔''

اس پر میں نے اپنے والد اور والدہ سے عرض کیا:

''جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اس کا جواب دیجیے۔''

جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نہیں جانتا، اللہ کے رسول سے کیا کہوں۔''

تب میں نے عرض کیا:

آپ سب نے یہ باتیں سنی ہیں، اب اگر میں کہتی ہوں کہ میں ان الزامات سے بری ہوں اور میرا اللہ جانتا ہے کہ بری ہوں تو کیا آپ اس پر یقین کر لیں گے... لہٰذا میں صبر کروں گی، میں اپنے رنج اور غم کی شکایت اپنے اللہ سے کرتی ہوں۔''

اس کے بعد میں اٹھی اور بستر پر لیٹ گئی، اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملے میں آیات نازل فرمائے گا، جن کی تلاوت کی جایا کرے گی، جن کو مسجدوں میں پڑھا جایا کرے گا... البتہ میرا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خواب دکھا دیں گے اور مجھے اس الزام سے بری فرما دیں گے... ابھی ہم لوگ اسی حالت میں تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار محسوس ہوئے۔

○ ○ ○

آسمانی گواہی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو چہرہ مبارک پر تکلیف کے آثار ظاہر ہوتے تھے، یہ بات محسوس کرتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اوڑھا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے نیچے ایک تکیہ رکھ دیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار دیکھے تو میں نے کوئی گھبراہٹ محسوس نہ کی، کیونکہ میں بے گناہ تھی، البتہ میرے والدین پر بے تحاشا خوف طاری تھا...''

آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے وحی کے آثار ختم ہوئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے، وہ قطرے موتیوں کی طرح نظر آرہے تھے، اس وقت آپ نے جو پہلا جملہ ارشاد فرمایا، وہ یہ تھا:

''عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بری کر دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر سورۂ نور کی یہ آیات نازل فرمائی تھیں:

ترجمہ: جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے (یعنی تہمت لگائی ہے) اے مسلمانو! وہ تم میں سے ایک چھوٹا سا گروہ ہے، تم اس (طوفان) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو، بلکہ یہ انجام

کے اعتبار سے تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے، ان میں سے ہر شخص نے جتنا کچھ کہا تھا، اسے اسی کے مطابق گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس طوفان میں سب سے زیادہ حصہ لیا (یعنی عبداللہ بن ابی)، اسے (زیادہ) سخت سزا ملے گی۔ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور زبان سے یہ کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔ یہ الزام لگانے والے اپنے قول پر چار گواہ کیوں نہ لائے، سو چونکہ قاعدے کے مطابق یہ لوگ چار گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل نہ ہوتا تو جس کام میں تم پڑے تھے، اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا۔ جب کہ تم اس جھوٹ کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے، جس کی تمہیں کسی دلیل سے قطعاً خبر نہیں تھی اور تم اس کو ہلکی بات (یعنی گناہ واجب نہ کرنے والی) سمجھ رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے۔ اور تم نے (جب پہلی بار) اس بات کو سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہمیں زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے نکالیں معاذ اللہ! یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا، اگر تم ایمان والے ہو۔ اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔ جو لوگ (ان آیات کے نزول کے بعد بھی) چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں سزا دردناک مقرر ہے اور (اس بات پر سزا کا تعجب مت کرو، کیونکہ) اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اے توبہ کرنے والو! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل و کرم ہے، (جس نے تمہیں توبہ کی توفیق دی) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق، بڑا رحیم ہے (تو تم بھی وعید سے نہ بچتے)(سورۂ نور آیات 11 تا 20)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان آیات کے نزول سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا تھا، خواب میں ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا، کیا بات ہے، آپ کیوں غمگین ہیں؟ میں نے اسے بتایا کہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، میں اس کی وجہ سے غمگین ہوں۔ تب

اس نوجوان نے کہا کہ آپ ان الفاظ میں دعا کریں:

ترجمہ: اے نعمتوں کی تکمیل کرنے والے اور اے غموں کو دور کرنے والے، پریشانیوں کو دور کرنے والے، مصیبتوں کے اندھیروں سے نکالنے والے، فیصلوں میں سب سے زیادہ انصاف کرنے والے اور ظالم سے بدلہ لینے والے، اور اے اول اور اے آخر! میری اس پریشانی کو دور فرما دے اور میرے لیے گلوخلاصی کی کوئی راہ نکال دے۔"

دعا سن کر میں نے کہا، بہت اچھا، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ان الفاظ میں دعا کی، اس کے بعد میرے لیے برأت کے دروازے کھل گئے۔

الزام لگانے والوں میں مسطح رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی خبر گیری کرتے تھے، انھوں نے ہی ان کی پرورش کی تھی... لیکن یہ بھی الزام لگانے والوں میں شامل ہو گئے، جب اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بری فرما دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسطح رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر سے نکال دیا اور ان سے کہا:

"اللہ کی قسم! آئندہ میں کبھی بھی تم پر اپنا مال خرچ نہیں کروں گا، نہ تمہارے ساتھ کبھی محبت اور شفقت کا برتاؤ کروں گا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور کی یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: "اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی اور (دنیاوی) وسعت والے ہیں، وہ قرابت داروں کو اور مسکینوں کو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں، بلکہ چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔"

اس آیت کے نزول پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ کی قسم! میں یقیناً چاہتا ہوں کہ میری مغفرت ہو جائے۔''

پھر وہ مسطح رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ان کا جو وظیفہ بند کر دیا تھا، اس کو پھر سے جاری کر دیا... نہ صرف جاری کر دیا بلکہ دوگنا کر دیا اور کہا: ''آئندہ میں کبھی بھی مسطح کا خرچ بند نہیں کروں گا۔

انھوں نے اپنی قسم کا کفارہ بھی ادا کیا۔

اسی غزوے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار دو مرتبہ گم ہوا تھا، پہلی بار جب ہار گم ہوا تو اس کی تلاش کے سلسلے میں سب لوگ رکے رہے، اسی دوران صبح کی نماز کا وقت ہو گیا، اس وقت مسلمان کسی چشمے کے قریب نہیں تھے، اس لیے پانی کی تنگی تھی، جب لوگوں کو تکلیف ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹا، اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر رکھے سو رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

''تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب لوگوں کی منزل کھوٹی کر دی، نہ یہاں لوگوں کے پاس پانی ہے، نہ قریب کوئی چشمہ ہے۔''

یہ کہنے کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیٹی کی کمر پر ٹہوکے بھی مارے، ساتھ ہی وہ کہتے جاتے تھے:

''لڑکی! تو سفر میں تکلیف کا سبب بن جاتی ہے، لوگوں کے پاس ذرا سا بھی پانی نہیں ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس موقع پر میں اپنے جسم کو حرکت سے روکے رہی، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھے سو رہے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوتے تھے تو کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار نہیں کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی بیدار ہوتے تھے، کیونکہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس نیند میں آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے وقت بیدار ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا تو بتایا گیا کہ پانی نہیں ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔

اس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"بیٹی! جیسا کہ تم خود بھی جانتی ہو تم واقعی مبارک ہو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا:

"عائشہ! تمہارا ہار کس قدر مبارک ہے۔"

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے آل ابی بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کے ساتھ اگر کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آتا ہے تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے خیر پیدا فرما دیتے ہیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ہار کی تلاش کے سلسلے میں ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی، تو ہمیں اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔"

مطلب یہ کہ اس واقعہ کی وجہ سے مسلمانوں کو تیمم کی سہولت عطا ہوئی، اس سے پہلے مسلمانوں کو تیمم کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔

اس واقعہ کے بعد جب آگے سفر ہوا تو منافقین کی سازش کا وہ واقعہ پیش آیا جو آپ نے پیچھے پڑھا۔

اسی سال چاند کو گرہن لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف پڑھائی یعنی چاند گرہن کی نماز پڑھائی، جب کہ یہودی اس وقت زور زور سے ڈھول بجا رہے تھے اور کہہ رہے تھے، چاند پر جادو کر دیا گیا ہے۔

○ ○ ○

کھدائی کے دوران ایک جگہ سخت پتھریلی زمین آ گئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس جگہ کھدائی نہ کر سکے، آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال اپنے ہاتھ میں لی اور اس جگہ ماری، ایک ہی ضرب میں وہ پتھریلی زمین ریت کی طرح بھر بھرا گئی۔

ضرب لگانے کے دوران روشنی کے جھماکے سے نظر آئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے بارے میں پوچھا کہ یہ روشنی کے جھماکے کیسے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"پہلے جھماکے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے یمن کی فتح کی خبر دی ہے، دوسرے جھماکے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور مغرب پر غلبہ عطا فرمانے کی اطلاع دی اور تیسرے جھماکے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مشرق کی فتح مجھے دکھائی ہے۔"

غرض جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے تو اس وقت قریش اور اس کے حامیوں کا لشکر مدینہ منورہ کے باہر پہنچ گیا، اس لشکر میں کافروں کی دس ہزار تعداد کے مقابلے میں مسلمان صرف تین ہزار تھے، مشرکوں کا لشکر مدینہ منورہ کے گرد خندق دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا، وہ پکار اٹھے:

"خدا کی قسم! یہ تو بڑی زبردست جنگی چال ہے، عرب تو اس جنگی تدبیر سے واقف نہیں تھے۔"

مشرکوں کے دستے بار بار خندق تک آتے رہے اور واپس جاتے رہے... مسلمان بھی اپنی خندق تک آتے اور کافروں کی طرف تیر برساتے، پھر واپس لوٹ جاتے، کافروں میں سے نوفل بن عبداللہ نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کو عبور کرنے کی کوشش کی... لیکن اس کا گھوڑا خندق کے آر پار نہ پہنچ سکا اور سوار سمیت خندق میں گرا۔ نوفل کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خندق میں اتر کر اسے قتل کر دیا تھا۔

کافروں اور مسلمانوں کے درمیان بس اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ کافر دراصل خندق کی وجہ سے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے قابل نہیں رہے تھے۔

لڑائی سے پہلے عورتوں اور بچوں کو ایک چھوٹے سے قلعہ میں پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ جگہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تھی۔ خود حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی وہیں تھے۔ ان عورتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی بطور محافظ تھیں۔ ایک یہودی جاسوسی کے لیے اس طرف نکل آیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی نظر اس یہودی پر پڑی تو انھوں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے حسان! یہ شخص دشمن کو اس قلعہ میں عورتوں اور بچوں کی موجودگی کی خبر کر دے گا... اور دشمن اس طرف سے حملہ آور ہو سکتے ہیں، لہٰذا تم نیچے اتر کر اسے قتل کر دو۔"

اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تمھیں معلوم ہے، میں اس کام کا آدمی نہیں ہوں۔"

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ دراصل شاعر تھے اور جنگ کے طریقوں سے واقف نہیں تھے... پھر ان کی عمر بھی بہت زیادہ تھی، بوڑھے اور کمزور تھے اس لیے انھوں نے ایسی بات کہی تھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ دیکھا کہ حسان رضی اللہ عنہ یہ کام نہیں کریں گے تو انھوں نے ایک موٹا سا ڈنڈا اٹھایا اور نیچے اتر آئیں۔ خاموشی سے اس کے پیچھے پہنچیں اور اچانک اس پر حملہ آور ہوئیں۔ انھوں نے ڈنڈے کے کئی وار اس پر کیے، یہاں تک کہ وہ ختم ہو گیا۔ پھر تلوار سے اس کا سر کاٹ کر ان یہودیوں کی طرف اچھال دیا جو اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ وہ سب خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے۔

ادھر مشرکوں میں سے چند لوگ آگے بڑھے۔ انھوں نے خندق عبور کرنے کے لیے اپنے گھوڑوں کو دور سے دوڑا کر خوب دوڑایا اور جس جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی، اس جگہ سے لمبی چھلانگ لگا کر آخر خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان لوگوں میں عمرو بن عبدود

"لیکن میں تو تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔"

یہ سن کر عمرو بن عبدود کو غصہ آ گیا۔ وہ اس وقت پوری طرح لوہے میں غرق تھا۔ چہرہ بھی خود میں چھپا ہوا تھا۔ وہ گھوڑے سے کود پڑا اور تلوار سونت کر ان کی طرف بڑھا۔ اس کی تلوار سے خود کو بچانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً ڈھال آگے کر دی۔ عمرو کی تلوار ڈھال پر پڑی، ڈھال پھٹ گئی۔ تلوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی تک پہنچ گئی۔ پیشانی پر زخم آ گیا۔

○ ○ ○

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا انھوں نے ظہر کی تکبیر کہی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، اس کے فوراً بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عصر کی تکبیر پڑھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی... اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت قضا پڑھی گئیں۔

غرض خندق کی لڑائی مسلسل جاری رہی، ایک روز خالد بن ولید نے مشرکوں کے ایک دستے کے ساتھ حملہ کیا، لیکن اس طرف اس وقت حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دو سو سواروں کے ساتھ موجود تھے، جونہی حضرت خالد بن ولید نے اپنے دستے کے ساتھ خندق پار کی، یہ ان کے سامنے آ گئے، اس طرح حضرت خالد بن ولید ناکام لوٹ گئے۔

اس صورت حال نے طول پکڑا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہو گئے، آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، اس کے جواب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ دشمن پر ہوا کا طوفان نازل فرمائے گا، طوفان کے ساتھ اللہ اپنے لشکر (فرشتے) بھی ان پر نازل کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خبر دے دی، سب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان قبول ہوئی، آخر سرخ آندھی کے طوفان نے مشرکوں کو آ لیا، ان دنوں موسم یوں بھی سرد تھا، اوپر سے انھیں اس سرد طوفان نے گھیر لیا، مشرکوں کے خیمے الٹ گئے، برتن الٹ گئے، ہوا کے شدید تھپیڑوں نے ہر چیز ادھر سے اُدھر کر دی، لوگ سامان کے اوپر اور سامان لوگوں کے اوپر آ گرا، پھر تیز ہوا سے اس قدر ریت اڑی کہ ان میں سے نہ جانے کتنے ریت میں دفن ہو گئے، ریت کی وجہ سے آگ بجھ گئی، چولہے ٹھنڈے ہو گئے، آگ بجھنے سے اندھیرے نے گویا انھیں نگل لیا، یہ اللہ کا عذاب تھا جو فرشتوں نے ان پر نازل کیا، وہ درہم برہم ہو گئے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''پھر ہم نے ان پر ایک آندھی اور ایسی فوج بھیجی جو تمہیں دکھائی نہیں دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے۔'' (سورۃ الاحزاب)

جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ انھوں نے خود جنگ میں شرکت نہیں کی، بلکہ اپنی موجودگی سے مشرکوں کے دلوں میں خوف اور رعب پیدا کر دیا اور اس رات جو ہوا چلی تھی، اس کا نام بادِ صبا ہے، یعنی وہ ہوا جو سخت سرد رات میں چلے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بادِ صبا سے میری مدد کی گئی اور ہوائے زرد کے ذریعے اس قوم کو تباہ کیا گیا۔''

ہوائے زرد نے مشرکوں کی آنکھوں میں گرد و غبار بھر دیا اور ان کی آنکھیں بند ہو گئیں، یہ طوفان بہت دیر تک اور مسلسل جاری رہا تھا، ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں میں پھوٹ پڑنے کے بارے میں پتا چلا، وہ ایسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ کون ہے جو ہمیں دشمنوں کی خبر لا دے، اس پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میں جاؤں گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا، تینوں مرتبہ زبیر رضی اللہ عنہ ہی بولے، آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر نبی کے حواری یعنی مددگار ہوتے ہیں، میرے حواری زبیر ہیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے روانہ فرمایا... تھکن کی وجہ سے ان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ جا سکتے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی: ''جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے تمہاری حفاظت فرمائے اور تم خیریت سے لوٹ کر ہمارے پاس آؤ۔''

یہ وہاں سے چل کر دشمن کے پڑاؤ میں پہنچ گئے، وہاں انھوں نے ابوسفیان کو کہتے سنا:

''اے گروہ قریش! ہر شخص اپنے ہم نشینوں سے ہوشیار رہے اور جاسوسوں سے پوری

طرح خبردار رہے۔"

پھر اس نے کہا:

"اے قریش! ہم نہایت برے حالات کا شکار ہو گئے ہیں، ہمارے جانور ہلاک ہو گئے ہیں... بنو قریظہ کے یہودیوں نے ہمیں دغا دیا ہے اور ان کی طرف سے ناخوش گوار باتیں سننے میں آئی ہیں... اوپر سے اس طوفانی ہوا نے جو تباہ کاری کی ہے، وہ تم لوگ دیکھ ہی رہے ہو، اس لیے واپس چلے جاؤ، میں بھی واپس جا رہا ہوں۔"

حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ خبریں لے کر آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے دشمن کا حال سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک نظر آنے لگے... جب کفار کا لشکر مدینہ منورہ سے بدحواس ہو کر بھاگا، تب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اب یہ آئندہ ہم پر حملہ آور نہیں ہوں گے، بلکہ ہم ان پر حملہ کریں گے۔"

خندق کی جنگ کے موقع پر کچھ خاص واقعات پیش آئے۔ جب خندق کھودی جا رہی تھی تو اس دوران ایک صحابی بشیر ابن سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی ایک پیالے میں کچھ کھجوریں لائی، یہ کھجوریں وہ اپنے باپ اور ماموں کے لیے لائی تھی... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان کھجوروں پر پڑی تو فرمایا:

"کھجوریں ادھر لاؤ۔"

اس لڑکی نے کھجوروں کا برتن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں الٹ دیا، کھجوریں اتنی نہیں تھیں کہ دونوں ہاتھ بھر جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ایک کپڑا منگوایا، اس کو پھیلا کر بچھایا، پھر پاس کھڑے صحابی سے فرمایا:

"لوگوں کو آواز دو... دوڑ کر آئیں۔"

چنانچہ سب جلد ہی آگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں سے کھجوریں اس کپڑے پر

کھانا موجود تھا... جتنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ گیا تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے فارغ ہو کر گھر آئے تو وہ دوپہر کا وقت تھا... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی غسل فرما رہے تھے کہ اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام سیاہ رنگ کا ریشمی عمامہ باندھے وہاں آ گئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک خچر پر سوار تھے۔ انھوں نے آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ہتھیار اتار دیے ہیں؟"

آپ نے فرمایا:

"ہاں! اتار دیے ہیں۔" یہ سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

"لیکن اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔"

○ ○ ○

غزوۂ بنی قریظہ

اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اسی وقت بنو قریظہ کے مقابلے کے لیے کوچ کریں، میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔"

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرایا:

"ہر اطاعت گزار شخص عصر کی نماز بنو قریظہ کے محلے میں پہنچ کر پڑھے۔"

اس اعلان سے مراد یہ تھی کہ روانہ ہونے میں دیر نہ کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فوراً اپنے ہتھیار لگائے، زرہ بکتر پہنی، اپنا نیزہ دست مبارک میں لیا، تلوار گلے میں ڈالی... اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ہتھیار لگائے گھوڑوں پر موجود تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں 36 گھڑ سوار تھے، ان میں بھی تین گھوڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ اس غزوہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ پرچم لیے ہوئے بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ آگے روانہ ہوئے تھے، اس لیے

پہلے وہاں پہنچے، انھوں نے مہاجرین اور انصار کے ایک دستے کے ساتھ بنو قریظہ کے قلعہ کے سامنے دیوار کے نیچے پرچم نصب کیا، ایسے میں یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنا شروع کیا، اس پر حضرت علی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو غصہ آ گیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں یہودیوں کی بدزبانی کے بارے میں بتایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پوری آبادی کو گھیرے میں لینے کا حکم دے دیا، یہ محاصرہ پچیس دن تک جاری رہا... یہودی اس محاصرے سے تنگ آ گئے، اور آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں باندھنے کا حکم فرمایا... ان کی مشکیں کس دی گئیں، ان کی تعداد چھ سو یا ساڑھے سات سو تھی، انھیں ایک طرف جمع کر دیا گیا... یہ سب وہ تھے جو لڑنے والے تھے، ان کے بعد یہودی عورتوں اور بچوں کو حویلیوں سے نکال کر ایک طرف جمع کیا گیا، ان بچوں اور عورتوں کی تعداد ایک ہزار تھی، ان پر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو نگران بنایا گیا... اب یہ لوگ بار بار آپ کے پاس آ کر معافی مانگنے لگے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم اس بات پر رضامند ہو کہ تمہارے معاملے کا فیصلہ تمہارا ہی (منتخب کیا ہوا) کوئی آدمی کر دے۔"

انھوں نے جواب دیا "سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) جو فیصلہ بھی کر دیں، ہمیں منظور ہے۔"

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے سے پہلے ان یہودیوں کے دوست اور ان کے نزدیک قابل احترام شخصیت تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات مان لی، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں شدید زخمی ہو گئے تھے، وہ اس وقت مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے قریب ایک خیمے میں تھے، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر انھیں بنو قریظہ کی آبادی میں لایا گیا، ان کی حالت بہت خراب تھی... آخر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے پاس پہنچ گئے، انھیں ساری بات بتائی گئی... اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''فیصلے کا حق تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے یا پھر اللہ کے رسول کو ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ ہی نے تمہیں حکم دیا ہے کہ یہود کے بارے میں فیصلہ کرو۔''

اب انھوں نے اپنا فیصلہ سنایا:

''میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کا مال اور دولت مال غنیمت کے طور پر لے لیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنا لیا جائے۔'' (حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں سے اپنی سابقہ دوستی کی پروا نہ کرتے ہوئے اتنا سخت فیصلہ اس لیے سنایا تھا کہ ان یہودیوں کا ظلم وستم اور ان کی فتنہ انگیزی حد سے بڑھ گئی تھی، اگر انھیں یوں ہی زندہ چھوڑ دیا جاتا تو یقینی طور پر یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف بدترین سازشیں کرتے رہتے۔ ان کا مزاج بچھو اور سانپ کی مانند ہو چکا تھا جو کبھی ڈسنے سے باز نہیں آ سکتا، اس لیے ان کا سر کچلنا ضروری تھا)۔

ان کا فیصلہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ سنایا ہے... اس فیصلے کی شان بہت اونچی ہے... آج صبح سحر کے وقت فرشتے نے آ کر مجھے اس فیصلے کی اطلاع دے دی تھی۔''

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بنو قریظہ کی حویلیوں میں جو کچھ مال اور ہتھیار وغیرہ ہیں، سب ایک جگہ جمع کر دیے جائیں۔''

چنانچہ سب کچھ نکال کر ایک جگہ ڈھیر کر دیا گیا، اس سارے سامان میں پندرہ سو تلواریں اور تین سو زرہیں تھیں، دو ہزار نیزے تھے، اس کے علاوہ بے شمار دولت تھی، مویشی بھی بے تحاشا تھے، سب چیزوں کے پانچ حصے کیے گئے، ان میں سے چار حصے سب مجاہدین میں تقسیم کیے گئے... یہاں شراب کے بہت سے مٹکے بھی ملے، ان کو توڑ کر شراب کو

بہا دیا گیا، اس کے بعد یہودی قیدیوں کو قتل کر دیا گیا۔ قتل ہونے والوں میں ان کا سردار حیّ بن اخطب بھی تھا۔ بچوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈی بنا لیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں لگنے والے زخموں کے باعث شہید ہو گئے، ان کے جنازے میں فرشتوں نے بھی شرکت کی، انھیں دفن کیا گیا تو قبر سے خوشبو آنے لگی۔

قیدی عورتوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو عورتیں فروخت کی جائیں، اپنے بچوں سے جدا نہ کی جائیں (یعنی جہاں ماں رہے، وہیں اس کے بچے رہیں، جب تک کہ بچہ جوان نہ ہو جائے)، اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو فروخت کرنا چاہے تو اسے اس کے بچے سے جدا نہ کرے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی ہذیل سے ان کی ناپاک حرکت کا انتقام لینے کا ارادہ فرمایا، بنو ہذیل نے رجیع کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا تھا، یہ لوگ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور درخواست کی تھی کہ ان کے علاقے میں اسلام کی تعلیم کے لیے کچھ حضرات کو بھیج دیا جائے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا، ان لوگوں نے انھیں دھوکے سے شہید کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مظلومانہ شہادت کا بے حد رنج تھا، چنانچہ ان لوگوں کو سزا دینے کا فیصلہ فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم فرمایا... پھر لشکر کو لے کر روانہ ہوئے، بظاہر تو شام کی طرف کوچ کیا تھا مگر اصل مقصد بنو ہذیل کے خلاف کارروائی تھی۔ منزل کو اس لیے خفیہ رکھا گیا تاکہ دشمنوں کو جاسوسوں کے ذریعے پہلے سے معلوم نہ ہو اور مسلمان ان ظالموں پر بے خبری میں جا پڑیں۔

مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قائم مقام حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کو مقرر فرمایا، اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کافی تعداد میں صحابہ رضی

اللہ عنہم تھے، ان میں سے بیس گھوڑوں پر سوار تھے۔

پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے، جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں ان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی۔ ادھر کسی طرح بنی لحیان کو پتا چل گیا کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں، وہ ڈر کے مارے پہاڑوں میں جا چھپے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے فرار کا پتا چلا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف سمتوں میں روانہ فرمایا... لیکن ان کا کوئی آدمی نہ مل سکا۔

آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس روانہ ہوئے۔ اس غزوہ کو غزوہ بنی لحیان کہا جاتا ہے۔

راستے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابواء کے مقام سے گزرے۔ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو دفن کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو اپنی والدہ کی قبر نظر آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رو دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رو پڑے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے، ابھی چند راتیں ہی گزری تھیں کہ عیینہ ابن حصین نے کچھ سواروں کے ساتھ مل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چراگاہ پر چھاپہ مارا۔ اس چراگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً بیس اونٹ تھے... اونٹوں کی حفاظت کے لیے اس وقت چراگاہ میں ایک شخص موجود تھے، وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی وہاں تھیں۔ ان حملہ آوروں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو قتل کر دیا۔

اس واقعہ کا سب سے پہلے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو پتا چلا۔ وہ اپنی کمان لٹکائے صبح ہی صبح چراگاہ کی طرف جا رہے تھے، ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا، وہ ان کا گھوڑا لے کر جا رہا تھا اور یہ دم سے پکڑ کر اسے ہانک رہا تھا، راستے میں ان کی ملاقات حضرت

بارش نے انھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا، زخمی ہو کر بھاگنے والوں نے تیس سے زیادہ نیزے اور اتنی ہی چادریں راستے میں گرا دیں تاکہ ان کا بوجھ کم ہو اور وہ آسانی سے بھاگ سکیں... وہ جو چیز بھی کہیں پھینکتے، میں اس پر پتھر رکھ دیتا، تاکہ بعد میں ان کو جمع کر سکوں، غرض! میں ان کے پیچھے لگا رہا، یہاں تک کہ سوائے چند ایک کے وہ تمام اونٹ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے... پیچھے رہ گئے، دشمن آگے نکل گیا اور خود میں بھی ان کے تعاقب میں ان اونٹوں سے آگے نکل آیا... اس طرح میں نے حملہ آوروں سے تمام اونٹ چھڑا لیے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پکار کے بارے میں پتا چلا تو مدینہ منورہ میں اعلان کرا دیا کہ اے اللہ کے سوارو! تیار ہو جاؤ... اور سوار ہو کر چلو۔

اس اعلان کے بعد گھڑ سواروں میں سے جو صحابی سب سے پہلے تیار ہو کر آئے، وہ حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے، انھیں ابن اسود بھی کہا جاتا ہے، ان کے بعد حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ آئے، پھر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ آئے، پھر باقی گھڑ سوار صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کا سالار مقرر فرمایا اور حکم فرمایا:

"تم لوگ روانہ ہو جاؤ، میں باقی لوگوں کے ساتھ تم سے آملوں گا۔"

چنانچہ یہ گھڑ سوار دستہ دشمن کی تلاش میں نکلا... اور دشمن کے سر پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

سواروں میں سب سے پہلے جو شخص دشمن تک پہنچا، ان کا نام محرز بن فضلہ تھا، انھیں اخرم اسدی بھی کہا جاتا ہے، یہ آگے بڑھ کر دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور بولے:

"اے ملعون لوگو! ٹھہر جاؤ، مہاجرین اور انصار تمہارے مقابلے پر نکل پڑے ہیں۔"

اخرم اسدی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے دشمن کے قریب پہنچ گئے ان کی طرف بڑھنے لگے، تو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے اپنے مورچے سے نکل کر ان کے گھوڑے کی لگام پکڑلی اور بولے:

''اے اخرم! ابھی دشمن پر حملہ نہ کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو آنے دیں۔''

یہ سن کر اخرم اسدی رضی اللہ عنہ بولے:

''سلمہ! اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ جنت بھی برحق ہے اور دوزخ بھی برحق ہے، تو میرے اور شہادت کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔''

ان کے الفاظ سن کر سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی، وہ فوراً آگے بڑھے... انھوں نے وار کر کے ایک دشمن کے گھوڑے کو زخمی کر دیا، اسی وقت ایک اور دشمن نے اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کو نیزہ دے مارا... وہ شہید ہو گئے، ایسے میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے، ایک دشمن نے ان کے گھوڑے پر وار کیا۔ گھوڑا زخمی ہو گیا، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اس پر وار کر کے اسے قتل کر دیا۔

اسی وقت ایک گھڑ سوار ان کے مقابلے پر آیا، اس کا نام مسعدہ فزاری تھا، آتے ہی کہنے لگا:

''تم مجھ سے کس طرح مقابلہ کرنا پسند کرو گے... تلوار بازی، نیزہ بازی یا پھر کشتی؟''

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بولے:

''جو تم پسند کرو۔''

اس پر اس نے کشتی لڑنا پسند کیا، وہ گھوڑے سے اتر آیا، اپنی تلوار درخت سے لٹکا دی، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی گھوڑے سے اتر آئے، انھوں نے بھی تلوار درخت سے لٹکا دی، اب دونوں میں کشتی شروع ہوئی... آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو فتح یاب فرمایا، انھوں نے درخت سے اپنی تلوار کھینچ لی اور اسے قتل کر دیا، پھر انھوں نے مسعدہ کے بھتیجے پر حملہ کیا، اس نے خوف زدہ ہو کر باقی اونٹوں کو چھوڑ دیا... حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اونٹوں کو لے کر لوٹے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے نظر آئے...

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کو ساتھ میں دیکھ کر فرمایا:

''ابوقتادہ تمہارا چہرہ روشن ہو۔''

اس پر انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کا چہرہ بھی روشن رہے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اللہ تم میں، تمہاری اولاد میں اور اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرمائے۔''

ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان کی پیشانی پر پڑی... وہاں ایک زخم تھا اور تیر کا پھل زخم ہی میں رہ گیا تھا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر کا وہ حصہ آہستہ سے نکال دیا، پھر ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اپنی ہتھیلی زخم پر رکھ دی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا، آپ نے جونہی زخم پر ہاتھ رکھا، تکلیف بالکل غائب ہوگئی۔''

اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو مسعدہ کا گھوڑا اور اس کے ہتھیار عطا فرمائے اور انھیں دعا دی۔

حضرت ابوقتادہ اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا:

''ہمارے سواروں میں بہترین سوار ابوقتادہ ہیں اور ہمارے پیدل مجاہدین میں بہترین پیدل سلمہ ہیں۔''

پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

کچھ دن بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا، یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ امن کی حالت میں مکے میں داخل ہو رہے ہیں، پھر عمرہ کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے بال منڈوائے ہیں اور کچھ نے بال کتروائے ہیں، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے بیت اللہ کی جانب پڑی اور عرفات میں قیام کرنے والوں کے ساتھ قیام کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب صحابہ کرام کو سنایا، سب اس بشارت سے بہت خوش ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

"میرا ارادہ عمرے کا ہے۔"

یہ سننے کے بعد سب نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں، آخر ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ عمرے کا اعلان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی کرا دیا تھا، تاکہ راستے میں قبیلے کے حاجیوں کا قافلہ خیال کریں اور مکے کے لوگ اور آس پاس کے لوگ جنگ کرنے کے لیے نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ مشرکوں اور دوسرے دشمنوں کو پہلے ہی معلوم ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کی نیت سے آ رہے ہیں ... کوئی اور نیت نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے مقام پر احرام باندھا، پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی، پھر مسجد سے ہی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہیں سے احرام باندھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر پر ذی قعدہ کے مہینے میں روانہ ہوئے تھے۔ قافلے کے ساتھ قربانی کے جانور بھی تھے۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا فرمائی، جانوروں پر جھولیں ڈالیں، تاکہ جان لیا جائے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔ ان کے کوہانوں پر نشان لگایا، یہ نشان زخم لگا کر لگایا جاتا ہے۔ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کی نیت سے روانہ ہوئے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ کے پاس سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

○ ○ ○

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات

سفر کے دوران ایک مقام پر پانی ختم ہوگیا... صحابہ رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک برتن تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وضو فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''کیا بات ہے؟''

صحابہ نے بتایا:

''آپ کے پاس اس برتن میں جو پانی ہے، اس پانی کے علاوہ پورے لشکر میں کسی کے پاس اور پانی نہیں ہے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا، جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک پانی میں رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی اس طرح نکلنے لگا جیسے برتن میں چشمے پھوٹ پڑے ہوں، ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے فوارے نکلتے دیکھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک پتھر سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا تھا، لیکن یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہوگیا تھا، علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام والے واقعے سے کہیں زیادہ حیرت ناک ہے... کیونکہ چشمے پہاڑوں

چٹانوں ہی سے نکلتے ہیں، لہٰذا پتھر سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اتنی عجیب بات نہیں، جتنی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی جاری ہونا عجیب ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''جونہی پانی کا یہ چشمہ پھوٹا، ہم سب پانی پینے لگے... ہم نے پیا بھی اور اس پانی سے وضو بھی کیا اور اپنے برتن بھی بھرے... اگر ہم اس وقت ایک لاکھ بھی ہوتے تو بھی پانی ہمارے لیے کافی ہو جاتا، جب کہ اس وقت ہماری تعداد چودہ سو تھی۔''

مسلمانوں کا قافلہ ''عسفان'' کے مقام پر پہنچا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بشر بن سفیان عتکی رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی انھیں جاسوس بنا کر مکہ کی طرف روانہ کر دیا تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت اگرچہ صرف عمرے کی تھی، لیکن قریش کے بارے میں اطلاعات رکھنا ضروری تھا۔ بشر رضی اللہ عنہ نے آ کر بتایا:

''اے اللہ کے رسول! قریش کو اطلاعات مل چکی ہیں کہ آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے ہیں، دیہاتوں میں جو ان کے اطاعت گزار لوگ ہیں، قریش نے ان سے بھی مدد طلب کی ہے، بنی ثقیف بھی ان کی مدد کرنے پر آمادہ ہیں... اور ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی ہیں، وہ لوگ مکے سے نکل کر ذی طویٰ کے مقام تک آ گئے ہیں، انھوں نے ایک دوسرے سے یہ عہد کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے... دوسرے یہ کہ خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) گھڑ سوار دستے لیے کراع غمیم کے مقام تک آ گئے ہیں، ان کے دستے میں دو سو سوار ہیں، اور وہ آپ کے خلاف صف بندی کر چکے ہیں۔''

یہ اطلاعات ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ مسلمان گھڑ سواروں کے ساتھ آگے بڑھیں، یہ آگے بڑھے اور حضرت خالد بن ولید کے دستے کے سامنے پہنچ گئے، انھوں نے بھی صف بندی کر لی۔

نماز کا وقت ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی، جب مسلمان نماز

سے فارغ ہوئے تو ان مشرکوں نے کہا:

"ہم نے ایک اچھا موقع کھو دیا، اس وقت ان پر حملہ کر سکتے تھے، جب کہ یہ نماز پڑھ رہے تھے، ہم اس وقت آسانی سے انہیں ختم کر سکتے تھے۔"

ایک دوسرے مشرک نے کہا:

"کوئی بات نہیں! ایک اور نماز کا وقت آ رہا ہے اور نماز ان لوگوں کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے، ظاہر ہے، یہ نماز پڑھے بغیر تو رہیں گے نہیں، سو ہم اس وقت ان پر حملہ کریں گے۔"

نماز عصر کا وقت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا۔ وہ صلوٰۃ خوف کی آیت لے کر آئے تھے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: "اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور آپ انہیں نماز پڑھانا چاہیں تو یوں کرنا چاہیے کہ لشکر کا ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں، پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ آپ کے پیچھے آ جائیں اور دوسرا گروہ جس نے نماز نہیں پڑھی، آ جائے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لے اور یہ لوگ اپنے بچاؤ کا سامان اور ہتھیار وغیرہ لے لیں۔" (سورۃ النساء)

چنانچہ اس طرح نماز ادا کی گئی۔ یہ نماز خوف تھی، یعنی جب دشمن سے مقابلہ ہو تو آدھا لشکر پیچھے رہ کر دو رکعت ادا کر لے اور واپس اپنی جگہ پر آ جائے، باقی جو لوگ رہ گئے ہیں، اب وہ آ کر دو رکعت ادا کریں۔ اس نماز کی ادائیگی کا تفصیلی طریقہ فقہ کی کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں نے جب عصر کی نماز اس طرح ادا کی تو مشرک بول اٹھے:

"افسوس! ہم نے ان کے خلاف جو سوچا تھا، اس پر عمل نہ کر سکے۔"

ادھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا آپ کو بیت اللہ کی زیارت

سے روکنے کا فیصلہ کر چکے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں مشورہ کیا اور ان سے فرمایا:

''لوگو! مجھے مشورہ دو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کا فیصلہ کر لیں اور جو بھی ہمیں اس سے روکے، اس سے جنگ کریں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! آپ صرف بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ فرما کر نکلے ہیں، آپ کا مقصد جنگ اور خون ریزی ہرگز نہیں، اس لیے آپ اسی ارادے کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں، اگر کوئی ہمیں اس زیارت سے روکے گا تو اس سے جنگ کریں گے۔''

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں... ہم تو آپ سے یہ کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا رب جنگ کریں، ہم بھی آپ کے ساتھ جنگ کریں گے، اور اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر آپ ہمیں لے کر ''برک غماد'' بھی جانا چاہیں تو ہم آپ کے ساتھ ہوں گے، ہم میں سے ایک شخص بھی پس وپیش نہیں کرے گا۔'' (برک غماد مدینہ منورہ سے بہت دور دراز کے ایک مقام کا نام تھا)۔

ان دونوں حضرات کی رائے سننے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بس تو پھر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔''

چنانچہ مسلمان آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے، اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی، لوگوں نے اسے اٹھانا چاہا، لیکن وہ نہ اٹھی، لوگوں نے کہا:

''قصویٰ اڑ گئی ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

''یہ اڑی نہیں اور نہ اڑنے کی اس کی عادت ہے، بلکہ اسے اس ذات نے روک لیا ہے، جس نے ابرہہ کے لشکر کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔''

مطلب یہ تھا کہ قصویٰ خود نہیں رکی، اللہ کے حکم سے رکی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر قیام کا حکم فرمایا، اس پر صحابہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! یہاں پانی نہیں ہے۔''

یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے جانوروں کے نگران تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ یہ تیر کسی گڑھے میں گاڑ دو۔ تیر ایک ایسے گڑھے میں گاڑ دیا گیا جس میں تھوڑا سا پانی موجود تھا۔ فوراً ہی اس میں سے میٹھے پانی کا چشمہ ابلنے لگا، یہاں تک کہ تمام لوگوں نے پانی پی لیا، جانوروں کو بھی پانی پلایا، پھر سب جانور اسی گڑھے کے گرد بیٹھ گئے۔

جب تک تیر اس گڑھے میں لگا رہا، اس میں سے پانی ابلتا رہا۔

گڑھے سے پانی ابلنے کی خبریں قریش تک بھی پہنچ گئیں... ابوسفیان نے لوگوں سے کہا:

''ہم نے سنا ہے، حدیبیہ کے مقام پر کوئی گڑھا ظاہر ہوا ہے، اس میں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا ہے، ذرا ہمیں بھی تو دکھاؤ محمد نے یہ کیا کرشمہ دکھایا ہے۔''

چنانچہ انھوں نے وہاں جا کر اس گڑھے کو دیکھا... گڑھے میں لگے تیر کی جڑ سے پانی نکل رہا تھا، یہ دیکھ کر ابوسفیان اور ان کے ساتھی کہنے لگے۔

''اس جیسا واقعہ تو ہم نے کہیں نہیں دیکھا، یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چھوٹا سا جادو ہے۔''

○ ○ ○

صلح حدیبیہ

حدیبیہ پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی طرف قاصد بھیجنے کا ارادہ فرمایا تاکہ بات چیت ہو سکے... مکہ والوں پر واضح ہو جائے کہ مسلمان لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے... بلکہ عمرہ کرنے کی نیت سے آئے ہیں... اس غرض کے لیے دو تین قاصد بھیجے گئے لیکن بات نہ بن سکی... آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ مکہ میں ان مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس بھی جائیں جو وہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ انہیں فتح کی خوشخبری سنائیں اور یہ بتائیں کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ مکہ میں اپنے دین کو سربلند فرمائیں گے، یہاں تک کہ یہاں کسی کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابان بن سعید کی پناہ لی جو کہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں مسلمان ہوئے۔ ابان بن سعید نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پناہ منظور کر لی۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آگے کر لیا... خود ان کے پیچھے چلے تاکہ لوگ جان لیں، یہ ان کی پناہ میں ہیں... اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ قریش مکہ تک پہنچے۔ انہیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔

جواب میں قریش نے کہا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری مرضی کے خلاف کبھی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے... ہاں تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر لو۔"

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف کر لوں۔"

قریش نے بات چیت کے سلسلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تین دن تک روکے رکھا، ایسے میں کسی نے یہ خبر اڑا دی کہ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے... اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غمزدہ ہو کر ارشاد فرمایا:

"اب ہم اس وقت تک نہیں جائیں گے، جب تک دشمن سے جنگ نہیں کر لیں گے۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں سے بیعت لینے کا حکم فرمایا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پکار پکار کر بیعت کا اعلان کیا، اس اعلان پر سب لوگ بیعت کے لیے جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان باتوں پر بیعت کی:

"کسی حالت میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔ فتح حاصل کریں گے یا شہید ہو جائیں گے۔"

مطلب یہ کہ یہ بیعت موت پر بیعت تھی، اس بیعت کی خاص بات یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود بیعت کی... اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا:

"اے اللہ! یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے، کیونکہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے کام سے گئے ہوئے ہیں، اس لیے ان کی طرف سے میں خود بیعت کرتا ہوں۔"

پھر چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے باری باری بیعت کی۔ بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع مل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا گیا... وہ زندہ سلامت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اعلان فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مغفرت کر دی، جو غزوۂ بدر اور حدیبیہ میں شریک تھے۔''

اس بیعت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ میں کیا:

''اے پیغمبر! جب مومن آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور جو سچائی اور خلوص ان کے دلوں میں تھا، اس نے وہ معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انھیں جلد فتح عنایت کی۔ (سورۃ الفتح: آیت 10)

ادھر قریش کو جب موت کی اس بیعت کا پتا چلا تو وہ خوف زدہ ہو گئے، ان کے عقل مند لوگوں نے مشورہ دیا کہ صلح کر لینا مناسب ہوگا... اور صلح اس شرط پر کر لی جائے کہ مسلمان اس سال تو واپس لوٹ جائیں، آئندہ سال آ جائیں اور تین دن تک مکہ میں ٹھہر کر عمرہ کر لیں۔ جب یہ مشورہ طے پا گیا تو انھوں نے بات چیت کے لیے سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ سہیل آپ کے سامنے پہنچ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا، بات چیت شروع ہوئی، سہیل نے بہت لمبی بات کی، آخر صلح کی بات چیت طے ہو گئی۔ دونوں فریق اس بات پر راضی تھے کہ خوں ریزی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ صلح کر لی جائے۔ صلح کی بعض شرائط بظاہر بہت سخت تھیں۔

اس معاہدے میں یہ شرائط لکھی گئیں۔

1۔ دس سال تک آپس میں کوئی جنگ نہیں کی جائے گی۔

2۔ جو مسلمان اپنے ولی اور سرپرست کی اجازت کے بغیر مکہ سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا، اللہ کے رسول اسے واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

(یہ شرط ظاہر میں مسلمانوں کے لیے بہت سخت تھی، لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ یہ شرط بھی دراصل مسلمانوں کے حق میں تھی، کیونکہ اس طرح بیت اللہ مسلمانوں سے آباد رہا اور دین کا کام جاری رہا۔)

3۔ کوئی شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی رہا ہو اور وہ بھاگ کر قریش کے پاس آ جائے تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

4۔ کوئی شخص، یا کوئی خاندان یا کوئی قبیلہ اگر مسلمانوں کا حلیف (معاہدہ بردار) بننا چاہے تو بن سکتا ہے اور جو شخص یا خاندان یا قبیلہ قریش کا حلیف بننا چاہے تو وہ ان کا حلیف بن سکتا ہے۔

5۔ مسلمانوں کو اس سال عمرہ کیے بغیر واپس جانا ہوگا، البتہ آیندہ سال تین دن کے لیے قریش مکہ کو خالی کر دیں گے، لہٰذا مسلمان یہاں غیر مسلح حالت میں آ کر ٹھہر سکتے ہیں اور عمرہ کر سکتے ہیں۔

یہ شرائط بظاہر قریش کے حق میں اور مسلمانوں کے خلاف تھیں، اس لیے صحابہ کرام کو ناگوار بھی گزریں، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ناگواری محسوس کی، وہ سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بولے:

''ابوبکر! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں؟''

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

اس پر فاروق اعظم بولے:

''کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بالکل! ہم مسلمان ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟"

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

"ہاں! بے شک وہ مشرک ہیں۔"

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تب پھر ہم ایسی شرائط کیوں قبول کریں... جن سے مسلمان نیچے ہوتے ہیں۔"

اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت ہی خوب جواب دیا، فرمایا:

"اے عمر! وہ اللہ کے رسول ہیں... ان کے احکامات اور فیصلوں پر سر جھکاؤ، اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔"

یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی قسم کے سوالات کیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں کے جواب میں جو الفاظ فرمائے، وہ بالکل وہی تھے، جو حضرت ابوبکر صدیق فرما چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، میں کسی حالت میں بھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار ہے۔"

اسی وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

"اے عمر! جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، کیا تم اس کو سن نہیں رہے ہو! ہم شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔"

تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بولے:

"میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''اے عمر! میں تو ان شرائط پر راضی ہوں اور تم انکار کر رہے ہو۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، میں نے اس وقت جو باتیں کی تھیں، اگرچہ وہ اس تمنا میں تھیں کہ اس معاملے میں خیر اور بہتری ظاہر ہو، مگر اپنی اس وقت کی گفتگو کے خوف سے میں اس کے بعد ہمیشہ روزے رکھتا رہا، صدقات دیتا رہا، نمازیں پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا۔

پھر اس صلح کی تحریر لکھی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس بن خولہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ معاہدہ لکھیں، اس پر سہیل بن عمرو نے کہا:

''یہ معاہدہ علی لکھیں گے یا پھر عثمان۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ لکھنے کا حکم فرمایا اور فرمایا لکھو:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔''

اس پر سہیل بن عمرو نے پھر اعتراض کیا:

''میں رحمن اور رحیم کو نہیں مانتا... آپ یوں لکھوائیں ''باسمک اللّٰھم'' (یعنی شروع کرتا ہوں، اے اللہ تیرے نام سے)'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اسی طرح لکھ دو۔''

انھوں نے لکھ دیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لکھو! محمد رسول اللہ نے ان شرائط پر سہیل بن عمرو سے صلح کی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنے لگے، لیکن سہیل بن عمرو نے پھر اعتراض کیا:

''اگر میں یہ شہادت دے چکا ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو پھر نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکا جاتا، نہ آپ سے جنگ ہوتی، اس لیے یوں لکھیے:

محمد ابن عبداللہ۔''

○ ○ ○

یہ معاہدہ ابھی لکھا جا رہا تھا کہ اچانک ایک مسلمان حضرت ابوجندل ابن سہیل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیوں کو کھینچتے وہاں تک آپہنچے۔ مشرکوں نے انھیں قید میں ڈال رکھا تھا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ اسلام کیوں قبول کیا... اسلام چھوڑ دو یا پھر قید میں رہو... یہ ابوجندل رضی اللہ عنہ اسی سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے جو معاہدہ طے کر رہا تھا۔ یہ کسی طرح قید سے نکل کر وہاں تک آگئے تھے تاکہ اس ظلم سے نجات مل جائے۔

انھیں دیکھ کر سب مسلمان خوش ہوگئے اور جان بچا کر نکل آنے پر انھیں مبارک باد دینے لگے۔ ادھر جونہی سہیل نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو یک دم کھڑا ہوا اور ایک زناٹے دار تھپڑ ان کے منہ پر دے مارا۔ یہ بھی روایت آئی ہے کہ اس نے انھیں چھڑی سے مارا پیٹا۔

مسلمان ان کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑے۔ اب سہیل نے انھیں گریبان سے پکڑ لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بولا:

''اے محمد! یہ پہلا مسلمان ہے جو تم لوگوں کے پاس سے یہاں آگیا ہے۔ اس معاہدے کے تحت آپ اسے واپس کریں، کیونکہ یہ معاہدہ لکھا جا چکا ہے۔''

اس کی بات سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ٹھیک ہے، لے جاؤ۔''

اس پر ابوجندل رضی اللہ عنہ بے قرار ہو کر بولے:

''کیا آپ مجھے پھر ان مشرکوں کے ساتھ واپس بھیج دیں گے؟''

اسلام لانے کی وجہ سے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ پر بہت ظلم ڈھائے گئے تھے۔ لہٰذا اس صورت حال پر سب لوگ بری طرح بے چین ہوگئے۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تم جیسے اور مسلمانوں کے لیے کشادگی اور سہولت پیدا فرمانے والا ہے۔ ہم قریش سے ایک معاہدہ کر چکے ہیں۔ اس معاہدے کی رو سے ہم تمہیں واپس بھیجنے کے پابند ہیں۔ ہم نے انھیں اللہ کے نام پر عہد دیا

خیبر کی فتح

خیبر ایک بڑا قصبہ تھا۔ اس میں یہودیوں کی بڑی بڑی حویلیاں، کھیت اور باغات تھے، یہ یہودی مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ مدینہ منورہ سے خیبر کا فاصلہ تقریباً 150 کلومیٹر کا ہے۔ حدیبیہ سے تشریف لانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک یا اس سے کچھ کم مدت تک یعنی ذی الحجہ ۶ھ کے آخر تک مدینہ ہی میں رہے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے صرف ان لوگوں کو چلنے کا حکم فرمایا جو حدیبیہ میں آپ کے ساتھ تھے۔ جو لوگ حدیبیہ کے سفر میں نہیں گئے تھے انھوں نے بھی چلنے کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میرے ساتھ چلنا ہے تو صرف جہاد کے ارادے سے چلو، مال غنیمت میں سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔"

مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اس غزوے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کے سامنے پہنچے تو یہ صبح کا وقت تھا۔ حضرت

عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے پیچھے تھا۔ ایسے میں میں نے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" پڑھا۔ میرے منہ سے یہ کلمہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے عبداللہ! کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟"

میں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ضرور بتایئے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وہ یہی کلمہ ہے جو تم نے پڑھا ہے۔ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔"

خیبر کے لوگوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر کو دیکھا تو چیختے چلاتے میدانوں اور کھلی جگہوں میں نکل آئے اور پکارا تھے:

"محمد! ایک زبردست لشکر لے کر آ گئے ہیں۔"

یہودیوں کی تعداد وہاں تقریباً دس ہزار تھی اور وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ مسلمان ان سے مقابلہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔ جب مسلمان جنگ کی تیاری کر رہے تھے تو اس وقت بھی حیران ہو ہو کر کہہ رہے تھے:

"حیرت ہے... کمال ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ان قلعوں میں سے سب سے پہلے ایک قلعہ نطات کی طرف توجہ فرمائی اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد بھی بنوائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جتنے دن خیبر میں رہے، اسی مسجد میں نماز ادا فرماتے رہے۔ اس جنگ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں اور گھوڑے پر سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کا نام ظرب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں نیزہ اور ڈھال بھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی

کو پرچم دیا۔ وہ پرچم اٹھائے آگے بڑھے، انھوں نے زبردست جنگ کی، لیکن ناکام لوٹ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم ایک دوسرے صحابی کو دیا، وہ بھی ناکام لوٹ آئے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ قلعہ کی دیوار کے نیچے تک پہنچ گئے، لیکن اوپر سے مرحب نامی یہودی نے ان کے سر پر ایک پتھر دے مارا اور وہ شہید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ قلعہ کی دیوار کے قریب انھوں نے بہت سخت جنگ کی تھی، جب بالکل تھک گئے تو اس قلعہ کی دیوار کے سائے میں دم لینے لگے۔ اسی وقت اوپر سے مرحب نے پتھر گرایا تھا۔

قلعہ نطات کے لوگ سات دن تک برابر جنگ کرتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جنگ کے لیے نکلتے رہے۔ پڑاؤ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نگران بناتے۔ شام کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ واپس آجاتے۔ زخمی مسلمان بھی وہیں پہنچا دیے جاتے۔ رات کے وقت ایک دستہ لشکر کی نگرانی کرتا، باقی لشکر سو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نگرانی کرنے والے دستے کے ساتھ گشت کے لیے نکلتے۔ کئی روز تک جب قلعہ فتح نہ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''آج میں پرچم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ پیٹھ دکھانے والا نہیں، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائیں گے اور اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے بھائی کے قاتل پر قابو عطا فرمائے گا۔''

صحابہ کرام نے جب یہ اعلان سنا تو ہر ایک نے چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرچم اسے دیں، مگر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ ان دنوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں تکلیف تھی، چنانچہ لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ان کی تو آنکھیں دکھنے آئی ہوئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر

فرمایا کہ کوئی انہیں میرے پاس لے آئے۔ تب حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ گئے اور انہیں لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر اپنی گود میں رکھا اور پھر ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ لعاب کو آنکھوں میں لگنا تھا کہ وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

"اس کے بعد زندگی بھر میری آنکھوں میں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"جاؤ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ پرچم لہراتے ہوئے قلعے کی طرف روانہ ہوئے، پھر قلعے کے نیچے پہنچ کر انہوں نے جھنڈے کو نصب کر دیا۔ قلعے کے اوپر بیٹھے ہوئے ایک یہودی نے انہیں دیکھ کر پوچھا

"تم کون ہو؟"

جواب میں انہوں نے فرمایا:

"میں علی بن ابی طالب ہوں۔"

اس پر اس یہودی نے کہا

"تم لوگوں نے بہت سر اٹھایا ہے، حالانکہ حق وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔"

پھر یہودی قلعے سے نکل کر ان کی طرف بڑھے۔ ان میں سب سے آگے حارث تھا، وہ مرحب کا بھائی تھا۔ یہ شخص اپنی بہادری کے سلسلے میں بہت مشہور تھا۔ اس نے نزدیک آتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا وار روکا اور جوابی حملہ کیا۔ اس طرح دونوں کے درمیان تلوار چلتی رہی۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے خون میں نہلا دیا۔ اس کے گرتے ہی مرحب آگے آیا۔ یہ اپنے بھائی سے زیادہ بہادر اور جنگجو تھا۔ آتے ہی اس نے زبردست حملہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار کیا۔

وقت تھوڑے سے آگے بڑھ کر پیچھے ٹھہرے تھے۔ اس حالت میں حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ پوری طرح ثابت قدم رہے اور جم کر لڑتے رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پکارا اور جوش دلایا تو وہ پلٹے اور یہودیوں پر حملہ آور ہوئے۔ انھوں نے یہودیوں پر ایک بھرپور حملہ کیا۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے بھی زبردست یلغار کی۔ یہودی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور تیزی سے پیچھے ہٹے۔ یہاں تک کہ اپنی حویلیوں تک پہنچ گئے۔ اندر گھستے ہی انھوں نے دروازے بند کر لیے۔ اب مسلمانوں نے یلغار کی اور یہودیوں کو قتل کرنے لگے۔ ساتھ ہی انھیں گرفتار کرنے لگے۔ آخر قلعہ فتح ہو گیا۔ اس قلعہ میں مسلمانوں کو بڑے پیمانے پر گیہوں، کھجوریں، گھی، شہد، شکر، زیتون کا تیل اور چربی ہاتھ لگی۔ یہاں سے مسلمانوں کو بہت سا جنگی سامان بھی ہاتھ لگا۔ اس میں منجنیق، زرہیں، تلواریں وغیرہ شامل تھیں۔ اس قلعہ سے جو یہودی جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوئے، انھوں نے قلہ نامی قلعہ میں پناہ لی۔ یہ قلعہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ مسلمانوں نے اس کو بھی محاصرے میں لے لیا۔ محاصرے کو تین دن گزرے تھے کہ ایک یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا:

”اے ابوالقاسم! آپ اگر میری جان بخشی کر دیں تو میں آپ کو ایسی خبر دوں کہ اس کے ذریعے آپ اطمینان سے قلعہ فتح کر لیں گے۔ ورنہ آپ اگر اس قلعہ کا ایک مہینے تک بھی محاصرہ کیے رہے تو بھی اس کو فتح نہیں کر سکیں گے، کیونکہ اس قلعہ میں زمین دوز نہریں ہیں۔ یہ لوگ رات کو نکل کر نہروں میں سے ضرورت کا پانی لے لیتے ہیں۔ اب اگر آپ ان کا پانی بند کر دیں تو یہ لوگ آسانی سے شکست مان لیں گے۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان دے دی۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ان نہروں پر تشریف لے گئے اور یہودیوں کا پانی بند کر دیا۔ اب یہودی قلعہ سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ انھوں نے جنگ کی اور آخرکار یہودی شکست کھا گئے۔ اس طرح مسلمانوں نے نطات کے تینوں قلعے فتح کر لیے۔ اب شق کے قلعوں کی طرف بڑھے۔ اس میں بھی

کئی قلعے تھے، مسلمان سب سے پہلے قلعہ ناعم کی طرف بڑھے، یہاں زبردست جنگ ہوئی۔ سب سے پہلے یہودیوں میں سے ایک جنگجو باہر نکلا۔ اس کا نام عزوال تھا۔ اس نے مسلمانوں کو مقابلے کی دعوت دی۔ اس کی للکار پر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ آگے آئے۔ انھوں نے نزدیک پہنچتے ہی عزوال پر حملہ کر دیا۔ پہلے ہی وار میں اس کا دایاں ہاتھ کلائی پر سے کٹ گیا... وہ زخمی ہو کر واپس بھاگا۔ حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے اس کا پیچھا کیا... اور بھاگتے بھاگتے دوسرا وار کیا، یہ وار عزوال کی ایڑی پر پڑا، وہ تلملا کر رہ گیا، اسی وقت حباب رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اس وقت ایک اور یہودی مقابلے کے لیے نکلا۔ اس کے مقابلے میں ایک اور مسلمان آئے، لیکن وہ اس کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ یہودی اپنی جگہ اکڑا رہا۔ اس مرتبہ اس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں میں سے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نکلے اور نزدیک پہنچتے ہی اس پر حملہ آور ہوئے۔ پہلے وار میں انھوں نے اس کا پاؤں کاٹ ڈالا اور دوسرے وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔

پھر کسی یہودی نے میدان میں آ کر مسلمانوں کو نہ للکارا، اس پر مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور قلعے پر حملہ کر دیا۔ مسلمان قلعے کے اندر گھس گئے۔ ان میں سب سے آگے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس قلعے سے بھی مسلمانوں کو بہت مال ہاتھ لگا۔ مویشی اور کھانے پینے کا سامان بھی ملا۔ قلعے میں جو لوگ تھے، وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور انھوں نے شق کے دوسرے قلعے میں پناہ لی۔ اس کا نام قلعہ بری تھا۔ شق کے دو ہی قلعے تھے، ایک یہ اور دوسرا یہی قلعہ بری۔ یہاں یہودیوں نے بہت زبردست حفاظتی انتظامات کر رکھے تھے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں پر بہت سخت تیر اندازی کی، پھر بھی بہت سے تیر تو اس جگہ آ کر گرے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریوں کی اٹھائی اور اس کو قلعے کی طرف پھینک دیا۔ ان کے پھینکنے سے یہ قلعہ لرز اٹھا، یہودی بھاگ نکلے، یہاں سے بھی مسلمانوں کو مال غنیمت ہاتھ آیا۔ یہودیوں کے

برتن تھے، جو نجس تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کو دھو کر استعمال میں لاؤ۔

اس طرح نطاۃ اور شق کے پانچ قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ان قلعوں سے بھاگنے والے یہودیوں نے کتیبہ کے قلعوں میں پناہ لی۔ کتیبہ کے بھی تین قلعے تھے، ان میں سب سے پہلے قلعہ کا نام قموص تھا، دوسرے کا وطیح اور تیسرے کا نام سلالم تھا۔ ان تمام تر قلعوں میں قموص کا قلعہ سب سے بڑا اور مضبوط تھا۔ مسلمان بیس دن تک اس کا محاصرہ کیے رہے۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اس قلعہ کو بھی فتح کرا دیا۔ اسی قلعہ سے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب گرفتار ہوئیں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ اعزاز عطا فرمایا کہ مسلمان ہوگئیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں۔

قموص کی فتح کے بعد مسلمانوں نے قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم کا محاصرہ کر لیا۔ دونوں کا محاصرہ چودہ دن تک رہا، مگر دونوں میں سے کوئی شخص باہر نہ نکلا۔ چودہ دن بعد انہوں نے صلح کی درخواست کی۔ اس شرط پر صلح ہوئی کہ یہودی اپنے بیوی بچوں کو لے کر وہاں سے نکل جائیں گے اور بدن کے کپڑوں کے علاوہ کوئی چیز ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ اس طرح یہ دونوں قلعے بغیر خون ریزی کے فتح ہوئے۔ مسلمانوں کے ہاتھ ایک بڑا خزانہ بھی لگا۔

خیبر ہی میں آپ کی خدمت میں اشعری اور دوسی قبیلے کے لوگ حاضر ہوئے۔ اشعری لوگوں میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے اور دوسیوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان حضرات کو بھی مال غنیمت دیا گیا۔

خیبر کی فتح کے موقع پر حبشہ سے حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے۔ انھوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، اس موقع پر وہاں سے لوٹے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا۔ مجھے خیبر کی فتح کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنے کی زیادہ خوشی ہے۔"

اس وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کے رہنے والے بہت سے لوگ بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سورۂ یاسین پڑھ کر سنائی۔ اس کو سن کر یہ لوگ رو پڑے اور ایمان لے آئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بہت خاطر تواضع فرمائی اور فرمایا:

"ان لوگوں نے میرے صحابہ کی بہت عزت افزائی کی تھی۔"

مطلب یہ تھا کہ جب مکہ کے مشرکوں نے مسلمانوں پر ظلم ڈھائے تھے تو بہت سے مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے، اس وقت وہاں ان کی بہت عزت افزائی ہوئی تھی۔

حبشہ سے جو لوگ آئے تھے، ان میں حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شامل تھیں۔ حبشہ میں رہتے ہوئے ان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا۔ مکہ سے دوسری ہجرت کے موقع پر انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ اس وقت ان کا پہلا خاوند عبیداللہ بن جحش ساتھ تھا۔ لیکن حبشہ پہنچ کر وہ مرتد ہو گیا تھا۔ اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور اسی حالت میں مر گیا تھا۔ جب کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہی تھیں۔ 7 ہجری محرم کے مہینے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا کہ وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیں۔ چنانچہ یہ نکاح نجاشی نے پڑھایا تھا۔ اس نکاح سے پہلے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا تھا، اس میں انھیں کوئی پکار رہا تھا۔ "ام المومنین" کہہ کر پکار رہا تھا، اس سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا گھبرا گئی تھیں، جب انھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام ملا تب انھیں اس کی تعبیر معلوم ہوئی۔ ان کا مہر بھی نجاشی کی طرف سے ادا کیا گیا۔ شادی کا کھانا بھی اسی کی طرف سے کھلایا گیا۔ نجاشی کی جس نے

کے ذریعے یہ سارے معاملات طے ہو گئے۔ وہ کنیز بھی اللہ کے رسول پر ایمان لے آئی تھیں اور انہوں نے اپنے ایمان لانے کا پیغام حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا۔ آپ کو جب اس کنیز کا پیغام ملا تو آپ مسکرائے اور فرمایا: "اس پر سلامتی ہو۔"

○ ○ ○

لہٰذا مجھے وراثت میں ملنا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ فدک کا علاقہ انھیں دیا جائے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں منع کر دیا اور فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم نبیوں کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، وہ مسلمانوں کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مطمئن ہو گئیں اور پھر دوبارہ یہ مطالبہ نہ کیا۔

جس زمانے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر پہنچے تھے، اس وقت کھجوریں ابھی کچی تھیں، چنانچہ ان کچی کھجوروں کو کھانے سے اکثر صحابہ بخار میں مبتلا ہو گئے، انھوں نے اپنی پریشانی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"مشکیزوں میں پانی بھر لو اور ٹھنڈا کر لو، فجر کے وقت اللہ کا نام پڑھ کر اس پانی کو اپنے اوپر ڈالو۔"

صحابہ نے اس ہدایت پر عمل کیا تو ان کا بخار جاتا رہا۔ خیبر کی جنگ میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ان کے زخموں پر دم کیا، انھیں اسی وقت آرام آ گیا۔

اسی غزوے میں ایک واقعہ پیش آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قضائے حاجت کے لیے جانا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "دیکھو، کوئی اوٹ کی چیز نظر آ رہی ہے یا نہیں۔" عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے چاروں طرف دیکھا... کوئی اوٹ کی جگہ نظر نہ آئی، البتہ انھیں ایک اکیلا درخت نظر آیا، انھوں نے بتایا کہ صرف ایک درخت نظر آ رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ادھر ادھر دیکھو، کوئی اور اوٹ کی چیز نظر آتی ہے۔" اب انھوں نے کچھ ادھر ادھر دیکھا تو ایک اور درخت کافی دور نظر آیا۔ انھوں نے اس دوسرے درخت کے بارے میں آپ کو بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

''ان دونوں درختوں سے کہو، اللہ کے رسول تمہیں حکم دیتے ہیں کہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جاؤ... یعنی آپس میں مل جاؤ۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان دونوں درختوں کو مخاطب کر کے یہ بات کہ دی، فوراً دونوں درخت حرکت میں آئے اور ایک دوسرے سے مل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پردہ بنالیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فارغ ہونے پر دونوں درخت اپنی جگہ پر لوٹ گئے۔

جب خیبر فتح ہو گیا تو ایک عورت مسلمانوں کی طرف آتی نظر آئی، وہ لوگوں سے پوچھ رہی تھی کہ اللہ کے رسول کو بکری کے گوشت کا کون سا حصہ زیادہ پسند ہے، لوگوں نے اسے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند ہے۔

اس عورت کا نام زینب تھا، یہ مرحب کی بھتیجی اور سلام بن مشکم یہودی کی بیوی تھی، یہ بات معلوم کرنے کے بعد وہ واپس لوٹ گئی، اس نے ایک بکری کو ذبح کیا، پھر اس کو بھونا اور اس کے دستی والے حصے میں زہر ملا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز پڑھا کر واپس تشریف لائے تو اس عورت کو منتظر پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے آنے کا سبب پوچھا تو بولی:

''اے ابوالقاسم! میں آپ کے لیے ایک ہدیہ لائی ہوں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اس کا ہدیہ لے لیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا گیا، اس وقت وہاں بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا:

''قریب آجاؤ۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستی سے کھانا شروع فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی بشر بن براء نے بھی دستی سے گوشت کا لقمہ منہ میں ڈال لیا اور اسے نگل گئے، جب

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی لقمہ صرف منہ میں ڈالا تھا، دوسرے لوگوں نے دوسری جگہوں سے لقمہ لیا... جونہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ منہ میں ڈالا فوراً اگل دیا اور فرمایا:

"یا تھوڑا گوشت مجھے بتا رہا ہے کہ اس میں زہر ہے۔"

اس وقت بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، جو لقمہ میں نے کھایا تھا، اس میں مجھے کچھ محسوس ہوا تھا، لیکن میں نے اس کو صرف اس لیے نہیں اگلا کہ آپ کا کھانا خراب ہوگا، پھر جب آپ نے اپنا لقمہ اگل دیا تو مجھے اپنے سے زیادہ آپ کا خیال آیا اور مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے اس کو اگل دیا۔"

اس کے بعد ان کا رنگ نیلا ہو گیا، وہ ایک سال تک اس زہر کے زیر اثر رہے، اور اس کے بعد فوت ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی عورت کو بلوایا اور اس سے پوچھا:

"کیا تو نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا؟"

اس نے پوچھا:

"آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟"

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مجھے گوشت کے اس ٹکڑے نے یہ بات بتائی جو میں نے منہ میں رکھا تھا۔"

اس نے اقرار کیا: "ہاں! میں نے زہر ملایا تھا۔"

تب آپ نے اس سے پوچھا:

"تم نے ایسا کیوں کیا؟"

جواب میں اس نے کہا:

"آپ لوگوں نے (خیبر کی جنگ میں) میرے باپ، بھائی اور میرے شوہر کو قتل کیا

مکہ پہنچ کر مجھے تلاش کرایا، مگر میں وہاں تھا ہی نہیں، آخر اس نے میرے نام خط لکھا۔ اس خط کے الفاظ یہ تھے:

"میرے لیے سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ تم جیسا آدمی آج تک اسلام سے دور بھاگتا پھر رہا ہے، تمہاری عقل پر تعجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے بارے میں مجھ سے پوچھا تھا کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا، اللہ بہت جلد اسے آپ تک لائے گا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس جیسا شخص اسلام سے بے خبر نہیں رہ سکتا، اگر وہ اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکوں کے خلاف استعمال کرے تو ان کے لیے بہتر ہے اور ہم دوسروں کے مقابلے میں انہیں ترجیح دیں گے۔ اس لیے میرے بھائی اب بھی موقع ہے کہ جو کچھ تم کھو چکے ہو اسے پالو، تم سے اچھے اچھے مواقع کھو چکے ہیں۔"

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مجھے اپنے بھائی کا یہ خط ملا تو مجھ میں جانے کی امنگ پیدا ہوگئی، دل اسلام کی محبت میں لگ گیا، ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا، اس سے مجھے بہت زیادہ خوشی محسوس ہوئی۔ پھر رات کو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا۔

○ ○ ○

پہلا عمرہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک انتہائی تنگ اور خشک علاقے میں ہوں لیکن پھر اچانک وہاں سے نکل کر ایک نہایت سرسبز شاداب اور بہت بڑے علاقے میں پہنچ گیا ہوں۔

اس کے بعد جب ہم نے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہونے کا فیصلہ کیا تو مجھے صفوان ملے۔ میں نے ان سے کہا

"صفوان! تم دیکھ رہے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب اور عجم پر چھاتے جا رہے ہیں، اس لیے کیوں نہ ہم بھی ان کے پاس پہنچ کر ان کی اطاعت قبول کر لیں، کیونکہ حقیقت میں ان کی سربلندی خود ہماری ہی سربلندی ہوگی۔"

اس پر صفوان نے کہا: "میرے علاوہ اگر سارا عرب بھی ان کی اطاعت قبول کر لے، میں پھر بھی نہیں کروں گا۔"

اس کا جواب سن کر میں نے سوچا، اس کا باپ اور بھائی جنگ بدر میں مارے گئے ہیں، لہٰذا اس سے امید رکھنا فضول ہے۔ چنانچہ اس سے مایوس ہو کر میں ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی بات کہی جو صفوان سے کہی تھی، مگر اس نے بھی وہی جواب دیا... میں نے اس سے کہا:

"اچھا خیر... لیکن تم میری بات کو راز میں رکھنا۔"

جواب میں عکرمہ نے کہا: "ٹھیک ہے، میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔"

اس کے بعد میں عثمان بن طلحہ سے ملا، یہ میرا دوست تھا، اس کے بھی باپ اور بھائی وغیرہ غزوہ بدر میں مارے جا چکے تھے، لیکن میں نے اس سے دل کی بات کہ دی، اس نے فوراً میری بات مان لی، ہم نے مدینہ جانے کا وقت، دن اور جگہ طے کر لی... ہم دونوں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے، ایک مقام پر ہمیں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ملے، ہمیں دیکھ کر انھوں نے خوشی کا اظہار کیا، ہم نے بھی انھیں مرحبا کیا، اس کے بعد عمرو نے پوچھا:

"آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟"

ہم نے صاف کہ دیا: "اسلام قبول کرنے جا رہے ہیں۔"

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

"میں بھی تو اسی لیے جا رہا ہوں۔"

اس پر تینوں خوش ہوئے... اور مدینہ منورہ کی طرف چلے، آخر حرہ کے مقام پر پہنچ کر ہم اپنی سواریوں سے اترے، ادھر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری آمد کی اطلاع ہو گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا:

"مکہ نے اپنے جگر پارے تمہارے سامنے لا ڈالے ہیں۔"

اس کے بعد ہم اپنے بہترین لباس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلے، اسی وقت میرے بھائی ولید ہم تک پہنچ گئے اور بولے:

"جلدی کرو، اللہ کے رسول تمہاری آمد پر بہت خوش ہیں اور تم لوگوں کا انتظار فرما رہے ہیں۔"

چنانچہ اب ہم تیزی سے آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچ گئے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرم جوشی سے سلام کا جواب دیا، اس کے بعد میں نے کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں، جس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی... میں جانتا تھا کہ تم عقل مند ہو، اسی لیے میری آرزو تھی اور مجھے امید تھی کہ تم خیر کی طرف ضرور جھکو گے۔''

اس کے بعد میں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ میری ان غلطیوں کو معاف فرما دیں جو میں نے آپ کے مقابلے پر آ کر کی ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اسلام قبول کرنا سابقہ تمام غلطیوں اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

اسی طرح عمرو بن عاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما آگے آئے اور انھوں نے بھی اسلام قبول کیا۔''

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دراصل اس سے پہلے شاہ حبشہ نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا، اس طرح ایک تابعی کے ہاتھ پر ایک صحابی نے اسلام قبول کیا، کیونکہ نجاشی صحابی نہیں ہیں... انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، لیکن تابعی وہ اس لیے ہیں کہ انھوں نے صحابہ کرام کو دیکھا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ہمیشہ گھڑ سوار دستے کا امیر بنائے رکھا۔

یہ تھی تفصیل ان تین حضرات کے ایمان لانے کی... حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی بہترین جنگی صلاحیتوں کے مالک تھے... وہ خود فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہمارے مسلمان ہونے کے بعد اللہ کے رسول نے جنگی معاملات میں میرے اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھا، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران بھی ہمارا یہی درجہ رہا۔

صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا کہ مسلمان اس سال تو عمرہ کیے بغیر لوٹ جائیں گے، البتہ انھیں آیندہ سال عمرہ کرنے کی اجازت ہوگی، اس معاہدے کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرۂ قضا کی نیت کر کے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ہزار صحابہ تھے، روانہ ہوتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے، ان سب کا ساتھ چلنا ضروری ہے، چنانچہ وہ سبھی صحابہ ساتھ روانہ ہوئے، ان کے علاوہ کچھ وہ تھے جو حدیبیہ میں شریک نہیں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کے جانور بھی تھے، اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاط کے طور پر ہتھیار بھی ساتھ لیے تھے... مسلمانوں میں سے ایک سو آدمی گھڑ سوار تھے، ان کے امیر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے دروازے سے احرام باندھ لیا تھا، قریش کے کچھ لوگوں نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہتھیار دیکھے تو وہ بوکھلا کر مکہ معظمہ پہنچے اور قریش کو بتایا کہ مسلمان ہتھیار لے آئے ہیں... اور ان کے ساتھ تو گھڑ سوار دستہ بھی ہے۔ قریش یہ سن کر بدحواس ہوئے اور کہنے لگے:

"ہم نے تو کوئی ایسی حرکت نہیں کی جو اس معاہدے کے خلاف ہو، بلکہ ہم معاہدے کے پابند ہیں، جب تک صلح نامے کی مدت باقی ہے، ہم اس کی پابندی کریں گے، پھر آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس بنیاد پر ہم سے جنگ کرنے آئے ہیں؟"... آخر قریش نے مکرز ابن حفص کو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا، انھوں نے آپ سے ملاقات کی اور کہا: "آپ ہتھیار بند ہو کر حرم میں داخل ہونا چاہتے ہیں، جب کہ معاہدہ یہ نہیں ہوا تھا۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم ہتھیار لے کر حرم میں داخل نہیں ہوں گے، معاہدے کے تحت صرف میانوں میں رکھی ہوئی تلواریں ہمارے ساتھ ہوں گی... باقی ہتھیار ہم باہر چھوڑ جائیں گے۔"

مکرز نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر اطمینان کا اظہار کیا اور قریش کو جا کر

اطمینان دلایا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ معظمہ میں داخلے کا وقت آیا تو قریش کے بڑے بڑے سردار مکہ معظمہ سے نکل کر کہیں چلے گئے، ان لوگوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض تھا، دشمنی تھی، وہ مکہ معظمہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے نکل گئے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے، صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں تلواریں لیے چل رہے تھے، اور سب "لبیک اللّٰھمّ لبیک" پڑھ رہے تھے۔ روانہ ہونے سے پہلے باقی ہتھیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ محفوظ کرا دیے تھے، وہ جگہ حرم سے قریب ہی تھی، مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان ہتھیاروں کی نگرانی کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔

مکے کے مشرکوں نے مسلمانوں کو بہت مدت بعد دیکھا تھا... وہ انھیں کمزور کمزور سے لگے تو آپس میں کہنے لگے: "یثرب کے بخار نے مہاجرین کو کمزور کر دیا ہے۔"

یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو حکم فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت فرمائے گا جو ان مشرکوں کو اپنی جسمانی طاقت دکھائے گا۔"

اس بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کریں یعنی اکڑ اکڑ کر اور سینہ تان کر چلیں اور مشرکوں کو دکھا دیں کہ ہم پوری طرح طاقت ور ہیں۔

اس کے بعد جب مسلمانوں نے رمل شروع کیا تو مکے کے دوسرے مشرکوں نے ان مشرکوں سے جنھوں نے مسلمانوں کو کمزور بتایا تھا، کہا: "تم لوگ تو کہہ رہے تھے کہ انھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، حالانکہ یہ تو پوری طرح طاقت ور نظر آ رہے ہیں۔"

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر اس طرح اپنے اوپر ڈال رکھی تھی کہ دایاں کندھا کھلا تھا اور اس کا پلو بائیں کندھے پر تھا۔ چنانچہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ایسے ہی کر لیا، اس طرح چادر لینے کو اضطباع کہتے ہیں... اور اکڑ کر چلنے کو رمل کہتے

تھیں... یہ اسلام میں پہلا اضطباع اور پہلا رمل تھا... اب حج کرنے والے ہوں یا عمرہ کرنے والے، انھیں یہ دونوں کام کرنے ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاہدے کے مطابق تین دن تک مکہ معظمہ میں ٹھہرے، تین دن پورے ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے باہر نکل آئے۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ ان کا پہلا نام برہ تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام تبدیل کرکے میمونہ رکھا۔

○ ○ ○

فرمایا:

"اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ جعفر بن ابی طالب لشکر کے امیر ہوں گے، اگر جعفر بن ابی طالب بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ لیں گے اور اگر عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس پر راضی ہوں اسے اپنا امیر بنا لیں۔"

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایات فرمائیں، اس وقت ایک یہودی شخص بھی وہاں موجود تھا اور یہ سب سن رہا تھا۔ اس نے کہا:

"اگر یہ واقعی نبی ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں کے نام انہوں نے لیے ہیں وہ سب شہید ہو جائیں گے۔"

یہ بات حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے سنی تو بولے: "میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید رنگ کا پرچم تیار کیا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ پھر آپ نے مجاہدین کو نصیحت فرمائی:

"جہاں حارث بن عمیر قتل کیے گئے ہیں، جب تم وہاں پہنچو تو پہلے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ دعوت قبول کر لیں تو ٹھیک، ورنہ اللہ تعالیٰ سے ان کے مقابلے میں مدد مانگنا اور ان سے جنگ کرنا۔"

لشکر کو رخصت کرتے وقت مسلمانوں نے کہا: "اللہ تمہارا ساتھی ہو، تمہاری مدد فرمائے، اور تم لوگوں کو خیر اور خوشی کے ساتھ ہمارے درمیان واپس لائے۔"

جب یہ لشکر روانہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثنیۃ الوداع تک انہیں رخصت کرنے کے لیے ساتھ چلے، وہاں پہنچ کر انہیں نصیحت کی: "میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں، تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں ان سب کے لیے بھلائی چاہتا ہوں، اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو، اللہ کے اور اپنے دشمنوں سے شام کی سرزمین میں جا کر جنگ کرو... وہاں تمہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں رہنے والے ایسے لوگ ملیں گے

یہ پرجوش الفاظ سن کر صحابہ کرام بول اٹھے:

''اللہ کی قسم! ابن رواحہ نے بالکل ٹھیک کہا۔'' چنانچہ اس کے بعد لشکر آگے روانہ ہوا اور یہاں تک کہ موتہ کے مقام پر پہنچ گئے، اسی مقام پر رومی لشکر بھی مسلمانوں کے سامنے آ گیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم ہاتھ میں لیا اور دشمن کی طرف بڑھے... صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کی قیادت میں رومی لشکر پر حملہ آور ہوئے۔

مسلمانوں نے زبردست حملہ کیا تھا... ادھر رومی بھی آخر تین لاکھ تھے... انھوں نے بھی بھرپور حملہ کیا، تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں... نیزے اور تیر چلنے لگے، زخمیوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں... گھوڑوں کے ہنہنانے اور اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں گونجنے لگیں... اس حالت میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پرچم اٹھائے جنگ کر رہے تھے اور مسلسل آگے بڑھ رہے تھے... ان پر جوش کی ایک ناقابل بیان کیفیت طاری تھی... ان کے ہاتھوں کتنے ہی رومی جہنم رسید ہوئے... آخر وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

اسی وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے پرچم لے لیا... وہ اپنے سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھے... اب مسلمان ان کی قیادت میں جنگ کرنے لگے، انھوں نے اس قدر شدید جنگ کی کہ بیان سے باہر ہے... لڑتے لڑتے ان کا ایک بازو کٹ گیا... انھوں نے پرچم بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا... کچھ ہی دیر بعد کسی نے ان کے بائیں بازو پر وار کیا اور وہ بھی کٹ گیا، انھوں نے پرچم کو اپنی گود کے سہارے سنبھالے رکھا اور اسی حالت میں شہادت کا جام نوش فرمایا...

اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آگے آئے اور پرچم اٹھا لیا... انھوں نے گھوڑے کے بجائے پیدل جنگ کرنا مناسب جانا اور دشمنوں سے مقابلہ شروع کر دیا، انھوں نے بھی بہت دلیری سے جنگ کی... یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

اب مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کی صفوں میں گھس چکے تھے... اور جنگ گھمسان کی ہو رہی تھی... کافروں کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی اور مسلمان صرف تین ہزار تھے... لہذا ان کی تعداد کو اس تعداد سے کوئی نسبت ہی نہیں تھی۔ اس لیے ان حالات میں بعض مسلمانوں نے پسپائی اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اسی وقت حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ پکارے۔

"لوگو! اگر انسان سینے پر زخم کھا کر شہید ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ پیٹھ پر زخم کھا کر مرے۔"

ایسے میں حضرت ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر گرا ہوا پرچم اٹھا لیا اور بلند آواز میں بولے۔

"مسلمانو! اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لو... تاکہ یہ پرچم اسے دیا جا سکے۔"

بہت سے صحابہ پکار اٹھے:

"آپ ہی ٹھیک ہیں۔"

یہ سن کر وہ بولے۔

"لیکن میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا۔"

ان حالات میں سب کی نظریں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر پڑیں... سب نے انہیں امیر بنانے پر اتفاق کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود حضرت ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ہی یہ پرچم ان کے حوالے کیا تھا اور کہا تھا:

"جنگ کے اصول اور فن آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔"

اس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ بولے۔

"تمہارے مقابلے میں آپ اس پرچم کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہو چکے ہیں۔"

آخر سب کا اتفاق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر ہو گیا۔ اب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جنگ شروع ہوئی۔

اللہ کی تلوار

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پے در پے دشمن پر زبردست حملہ کیا، اس طرح جنگ کا پانسہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں پلٹ گیا۔ اس طرح کفار پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا اور وہ مزید لڑائی سے گھبرانے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باہمی مشورے سے اس حد تک کامیابی حاصل کرنے کے بعد واپسی شروع کی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوج کا امیر بنتے ہی لشکر کا اگلا حصہ پیچھے کر دیا اور پچھلے حصے کو آگے لے آئے۔ اسی طرح دائیں حصے کو بائیں جانب اور بائیں حصے کو دائیں جانب لے آئے۔ اس طرح انھوں نے پورے لشکر کی ترتیب بدل کر رکھ دی۔ جب رومیوں سے آمنا سامنا ہوا تو انھیں ہر طرف نئے چہرے نظر آئے۔ اس طرح انھوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی ہے۔

یہ جنگ مسلسل سات دن تک جاری رہی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنگ موتہ کے موقع پر ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں، صرف ایک یمنی تلوار باقی رہ گئی تھی، جو آخر تک ان کے ہاتھ میں رہی۔

ادھر تو موتہ کے مقام پر یہ جنگ ہو رہی تھی اور ادھر مدینہ منورہ میں کیا ہو رہا تھا، وہاں کا منظر یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا معرکہ دکھا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے صحابہ کرام کو جنگ کی خبریں سنانے کے لیے مسجد نبوی میں بلا لیا اور خود منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ آپ نے بتانا شروع کیا۔

''لوگو! خیر کا دروازہ... خیر کا دروازہ... خیر کا دروازہ کھل گیا ہے۔ میں تمہیں تمہارے لشکر کے بارے میں بتاتا ہوں، ان غازیوں کے بارے میں بتاتا ہوں، وہ لوگ یہاں سے رخصت ہو کر چلے، یہاں تک کہ دشمن سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی اور زید بن حارثہ شہید ہو گئے، ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگو، پھر جعفر نے پرچم لیا اور بڑی ثابت قدمی سے لڑتے، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے، ان کے لیے بھی مغفرت کی دعا کرو، پھر عبداللہ بن رواحہ نے پرچم اٹھایا اور وہ بھی شہید ہو گئے، پھر خالد بن ولید نے پرچم اٹھا لیا، وہ لشکر کے امیر نہیں تھے۔ وہ خود اپنی ذات کے امیر تھے... مگر وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں، اس لیے اللہ کی مدد تیار ہے، اللہ تعالیٰ نے اس تلوار کو کافروں پر سونت دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے دشمن پر فتح نصیب فرمائی۔''

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں دعا فرمائی۔

''اے اللہ! وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، تو اس کی مدد فرما۔''

اسی دن سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کہا جانے لگا۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، جس روز اس لڑائی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی شہید ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا:

''جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بچوں کو آپ کے پاس لے آئیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پیار کرنے لگے اور ساتھ میں روتے بھی رہے، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی... حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو حیرت ہوئی، پوچھنے لگیں:

''اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کیوں رو رہے ہیں، کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟''

جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں! وہ اور ان کے ساتھی آج ہی شہید ہوئے ہیں۔''

وہ یک دم کھڑی ہوگئیں اور رونے لگیں... یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس وقت حضرت جعفر اور ان کے ساتھی مدینہ منورہ سے بہت فاصلے پر ملک شام میں لڑ رہے تھے اور وہاں سے کسی طرح بھی خبر آنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اب ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی، آپ نے حضرت اسماء کو بلند آواز سے روتے دیکھا تو فرمایا:

''اے اسماء! نہ بین کرنا چاہیے اور نہ رونا پیٹنا چاہیے۔''

جلد ہی وہاں عورتیں بھی جمع ہوگئیں... وہ بھی یہ خبر سن کر رونے لگیں، نوحہ اور ماتم کرنے لگیں، کسی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر بتایا۔

''عورتیں بہت ماتم اور نوحہ کر رہی ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا۔

''جا کر انھیں خاموش کرو۔''

وہ گئے اور جلد ہی واپس آکر بولے:

''اللہ کے رسول! وہ خاموش نہیں ہو رہیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جاؤ! انھیں خاموش کرنے کی کوشش کرو اور اگر نہ مانیں تو ان کے منہ میں مٹی پھینکو۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کے بارے میں دعا فرمائی:

"اے اللہ! جعفر بہترین ثواب کے حق دار ہو گئے ہیں، تو ان کی اولاد کو ان کا بہترین جانشین بنا۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس تشریف لائے اور اپنے گھر والوں سے فرمایا:

"جعفر کے بیوی بچوں سے غافل نہ ہو جانا، آج وہ بہت غمگین ہیں، ان کے لیے کھانا تیار کر کے بھیجو۔"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جعفر کے دونوں بازوؤں کی جگہ دو پنکھ دے دیے ہیں، وہ ان کے ذریعے جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی لاش پر ان کے سینے اور مونڈھوں کے درمیانی حصے میں نوے زخم آئے تھے، یہ تلوار اور نیزے کے تھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اس روز تھے بھی روزے سے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت جعفر کے پاس شام کے وقت پہنچا، وہ میدان جنگ میں زخموں سے چور پڑے تھے۔ میں نے انہیں پانی پیش کیا تو انہوں نے فرمایا:

"میں روزے سے ہوں، تم یہ پانی میرے سر کے پاس رکھ دو، اگر میں سورج غروب ہونے تک زندہ رہا تو اس پانی سے روزہ افطار کروں گا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی وہ شہید ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ فرمایا، لوگوں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! آپ نے کیوں فرمایا؟"

جواب میں ارشاد فرمایا:

''ابھی میرے پاس سے جعفر ابن ابی طالب فرشتوں کے جھرمٹ میں گزرے ہیں، انھوں نے مجھے سلام کیا تھا۔''

غزوہ موتہ سے واپس آنے والا لشکر جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچا، تو وہیں آ کر اللہ کے رسول اور مسلمانوں نے ان سے ملاقات کی۔ شہر میں بچوں نے اشعار گا کر انھیں خوش آمدید کہا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تشریف لا رہے تھے، ان بچوں کو دیکھ کر فرمایا:

''انھیں اٹھا کر سواریوں پر بٹھا لو اور جعفر کے بچوں کو میرے پیچھے بٹھا دو۔''

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس طرح یہ لشکر مدینہ منورہ میں داخل ہوا، تین لاکھ دشمنوں کے مقابلے میں صرف تین ہزار صحابہ کا مقابلہ کرنا اور ان کے بے شمار لوگوں کو قتل کر کے لشکر کا صحیح سلامت واپس مدینہ منورہ لوٹ آنا ایک بہت بڑی کامیابی تھی... اس بہت بڑی کامیابی پر جس قدر بھی خوشی محسوس کی جاتی کم تھی۔

اس جنگ کے بعد مکہ فتح ہوا۔ یہ غزوہ رمضان 8 ہجری میں پیش آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر جو معاہدہ ہوا تھا، اس میں یہ بھی طے پایا تھا کہ دوسرے عرب قبیلوں میں سے کوئی قبیلہ بھی دونوں فریقوں میں سے کسی بھی طرف سے اس صلح نامے میں شامل ہو سکتا ہے، یعنی اگر کوئی قبیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، اس صورت میں وہ قبیلہ بھی ان شرائط کا پابند ہوگا، جن کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پابند ہیں، اور جو قبیلہ قریش کی طرف سے اس میں شامل ہونا چاہے، وہ ایسا کر سکتا ہے، اس صورت میں وہ ان شرائط کا پابند ہوگا، جن کے پابند قریش تھے۔

اس شرط کی رو سے بنی بکر کا قبیلہ قریش کی طرف سے اور بنی خزاعہ کا قبیلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس صلح میں شامل ہوا، جب کہ ان دونوں قبیلوں میں بہت پرانی دشمنی تھی، دونوں کے درمیان کافی قتل و غارت گری ہو چکی تھی، خون کے بدلے باقی تھے...

لیکن اسلام کی آمد نے ان دشمنیوں کو دبا دیا تھا۔

اب ہوا یہ کہ بنی بکر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز شعر کہے اور ان کو گانے لگا۔ بنی خزاعہ کے ایک نوجوان نے ان اشعار کو سن لیا۔ اس نے بنی بکر کے شخص کو پکڑ کر مارا۔ اس سے وہ زخمی ہو گیا۔ اس پر دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، کیونکہ پرانی دشمنی تو ان میں پہلے سے چلی آ رہی تھی۔

○ ○ ○

قریش کی بدعہدی

بنی بکر نے ساتھ ہی قریش سے بھی مدد مانگ لی۔ قریشی سرداروں نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ ان کی مدد کے لیے آدمی بھی دیے اور ہتھیار بھی۔ پھر یہ سب مل کر ایک رات اچانک بنی خزاعہ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ لوگ اس وقت بے فکری سے سوئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے بنی خزاعہ کو بے دردی سے قتل کرنا شروع کیا۔ بنی خزاعہ کے بعض افراد جانیں بچانے کے لیے وہاں سے بھاگے اور ایک مکان میں گھس گئے... قریش نے انہیں وہاں بھی جا گھیرا اور پھر اس مکان میں گھس کر انہیں قتل کیا۔

اس طرح قریش نے بنی بکر کی مدد کے سلسلے میں اس صلح نامے کی دھجیاں اڑا دیں... جب یہ سب کر بیٹھے تو احساس ہوا کہ یہ ہم نے کیا کیا۔ اب وہ جمع ہو کر اپنے سردار ابوسفیان کے پاس آئے۔ سارا واقعہ سن کر انہوں نے کہا:

"یہ ایسا واقعہ ہے کہ میں اگرچہ اس میں شریک نہیں ہوں لیکن بے تعلق بھی نہیں رہا اور یہ بہت برا ہوا۔ اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب ہم سے جنگ ضرور کریں گے... اور میں تمہیں بتائے دیتا ہوں... میری بیوی ہندہ نے ایک بہت بھیانک خواب دیکھا ہے۔ اس نے دیکھا ہے کہ حجون کی طرف سے خون کا ایک دریا بہتا ہوا آیا اور خندمہ تک پہنچ گیا۔ لوگ اس دریا کو دیکھ کر سخت پریشان اور بدحواس ہو رہے ہیں۔"

اس پر قریش نے ان سے کہا۔

"جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا، اب آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائیں اور ان سے نئے سرے سے معاہدہ کریں۔ آپ کے سوا یہ کام کوئی اور نہیں کر سکتا۔"

اس پر ابوسفیان اپنے ایک غلام کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے... ادھر ان سے پہلے ہی بنی خزاعہ کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا اور جو کچھ ہوا تھا، تفصیل سے بیان کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبوی میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے، بنی خزاعہ کی دردبھری روداد سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اور ارشاد فرمایا:

"اگر میں بنی خزاعہ کی مدد انہی چیزوں سے نہ کروں، جن سے میں اپنی مدد کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ میری مدد نہ فرمائے۔"

اسی وقت آسمان پر ایک بدلی گرجنے لگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر ارشاد فرمایا

"یہ بدلی بنی خزاعہ کی مدد کے لیے چمک رہی ہے۔"

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تھے، رات میں اٹھ کر انہوں نے نماز پڑھنے کے لیے وضو کیا، اسی حالت میں، میں نے انہیں لبیک لبیک لبیک فرماتے سنا... یعنی میں حاضر ہوں... میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

"میں مدد کروں گا، میں مدد کروں گا، میں مدد کروں گا۔"

اب وہاں کوئی اور تو تھا نہیں... چنانچہ میں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو تین بار لبیک اور میں مدد کروں گا فرماتے ہوئے سنا ہے... یہ کیا معاملہ ہے؟"

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بنی خزاعہ کے ساتھ کوئی واقعہ ہو گیا ہے۔''

اس کے تین دن بعد بنی خزاعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تھے... گویا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دی تھی، جب کہ ابوسفیان اس کوشش میں تھے کہ اس سلسلے میں سب سے پہلے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملیں... یعنی ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کو اس واقعہ کی خبر نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی پہلے ہی ان الفاظ میں خبر دے دی تھی:

''بس یوں سمجھو نئے سرے سے معاہدہ کرنے اور اس کی مدت بڑھانے کے لیے ابو سفیان آیا ہی چاہتا ہے۔''

پھر ابوسفیان سے پہلے ہی بنی خزاعہ کا وفد مدینہ منورہ پہنچ گیا، یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر واپس روانہ ہوئے تو راستے میں ابوسفیان سے اُن کا سامنا ہوا، ابوسفیان نے ان سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی، لیکن وہ بتائے بغیر آگے بڑھ گئے... تاہم ابوسفیان نے بھانپ لیا کہ یہ لوگ اسی سلسلے میں مدینہ منورہ گئے تھے۔

مدینہ پہنچتے ہی ابوسفیان سیدھے اپنی بیٹی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام المومنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے... گھر میں داخل ہونے کے بعد جب ابوسفیان نے بستر پر بیٹھنا چاہا تو ام المومنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر لپیٹ دیا، یہ دیکھ کر ابوسفیان حیرت زدہ رہ گئے، انھوں نے کہا:

''بیٹی یہ کیا! مہمان کے آنے پر بستر بچھاتے ہیں کہ اٹھاتے ہیں۔''

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے... اور آپ ابھی مشرک ہیں۔''

یہ سن کر ابوسفیان بولے:

''اللہ کی قسم! میرے پاس سے آنے کے بعد تجھ میں خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔''

اس پر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"یہ بات نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ مجھے اسلام کی ہدایت عطا ہوگئی ہے، جب کہ آپ پتھروں کو پوجتے ہیں، ان بتوں کو جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں... آپ پر تعجب ہے، آپ قبیلہ قریش کے سردار اور بڑے ہیں، مگر ابھی تک شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں۔"

ان کے جواب میں ابوسفیان بولے:

"تو کیا میں اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو اختیار کر لوں!!"

پھر ابوسفیان وہاں سے نکل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ کرنے سے انکار فرما دیا۔ اب وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے... انہوں نے بھی کوئی بات نہ کی... وہ باری باری بڑے لوگوں کے پاس گئے... لیکن کسی نے ان سے بات نہ کی... آخر ابوسفیان مایوس ہو گئے اور واپس مکہ لوٹ گئے۔ انہوں نے قریش کو بتایا کہ وہ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔

ادھر ابوسفیان کے روانہ ہونے کے بعد ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کوچ کا حکم فرمایا۔ مسلمانوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو بھی تیاری کا حکم فرمایا، لیکن یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ کہاں جانا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آس پاس کے دیہاتوں میں بھی پیغام بھیج دیا، ان لوگوں کو حکم ہوا کہ رمضان کا مہینہ مدینہ منورہ میں گزاریں۔ اس اعلان کے فوراً بعد چاروں طرف سے لوگوں کی آمد شروع ہو گئی۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! قریش کے جاسوسوں اور خبر لینے والوں کو روک دے، تاکہ ہم ان کے علاقے میں اچانک جا پہنچیں۔"

ادھر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے کہ کسی طرح قریش کو ان کی تیاریوں

کا علم نہ ہو... اُدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کے تین بڑے بڑے سرداروں کے نام خط لکھا۔ اس خط میں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاریوں کی اطلاع دی تھی، یہ خط انھوں نے ایک عورت کو دیا اور اس سے کہا:

''اگر تم یہ خط قریش تک پہنچادو تو تمہیں زبردست انعام دیا جائے گا۔''

اس نے خط پہنچانا منظور کر لیا۔ اس پر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اسے دس دینار اور ایک قیمتی چادر دی اور اس سے کہا:

''جہاں تک ممکن ہو، اس خط کو پوشیدہ رکھنا اور عام راستوں سے سفر نہ کرنا... کیونکہ جگہ جگہ نگرانی کرنے والے بیٹھے ہیں۔''

وہ عورت عام راستہ چھوڑ کر ایک اور راستے سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئی، اس کا نام سارہ تھا، وہ مکہ کی ایک گلوکارہ تھی، مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مسلمان ہوئی تھی، اس نے اپنی خستہ حالی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مدد بھی کی تھی، پھر یہ مکہ چلی گئی، لیکن وہاں جا کر اسلام سے پھر گئی... پھر یہ وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز اشعار پڑھنے لگی، ان دنوں سارہ دوبارہ مدینہ آئی ہوئی تھی... حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اسے یہ خط دیا تو وہ یہ کام کرنے پر رضامند ہوگئی۔

اس نے وہ خط اپنے سر کے بالوں میں چھپالیا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئی... اِدھر یہ روانہ ہوئی، اُدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کے بارے میں خبر بھیج دی۔ آسمان سے اطلاع ملتے ہی آپ نے اپنے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''وہ عورت تمہیں فلاں مقام پر ملے گی... اس کے پاس ایک خط ہے، خط میں قریش کے خلاف ہماری تیاریوں کی اطلاع ہے، تم لوگ اس عورت سے وہ خط چھین لو... اگر وہ

مکہ کی طرف کوچ

انھوں نے اس عورت سے پوچھا:

''وہ خط کہاں ہے؟''

اس نے قسم کھا کر کہا:

''میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔''

آخر اسے اونٹ سے نیچے اتار لیا گیا۔ تلاشی لی گئی مگر خط نہ ملا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غلط بات نہیں کہتے......''

جب اس عورت نے دیکھا کہ یہ لوگ کسی طرح نہیں مانیں گے تو اس نے اپنے سر کے بال کھول ڈالے اور ان کے بیچ چھپا ہوا خط نکال کر انھیں دے دیا۔ پھر وہاں ان حضرات نے خط لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ خط حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا اور اس میں درج تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری شروع کر دی ہے اور یہ تیاری ضرور تم لوگوں کے خلاف ہے۔ میں نے مناسب جانا کہ تمہیں اطلاع دے کر تمہارے ساتھ بھلائی کروں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ انھیں خط دکھایا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الممتحنہ کی یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین آ چکا ہے، وہ اس کے منکر ہیں۔ وہ رسول کو اور تمہیں اس بنا پر شہر بدر کر چکے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہو۔''

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے کوچ فرمایا۔ مدینہ میں اپنا قائم مقام ابو حضرت رہم کلثوم ابن حصین انصاری رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم 10 رمضان کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ اس غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 10 ہزار صحابہ تھے۔ یہ تعداد انجیل میں بھی آئی ہے... وہاں یہ کہا گیا ہے کہ ''وہ رسول دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران کی چوٹیوں سے اترے گا۔''..... اس موقع پر مہاجرین اور انصار میں سے کوئی پیچھے نہیں رہا تھا۔ ان کے ساتھ تین سو گھوڑے اور نو سو اونٹ تھے۔ ان مقدس صحابہ کے علاوہ راستے میں کچھ قبائل بھی شامل ہو گئے تھے۔

اس سفر میں روزوں کی رخصت کی اجازت بھی ہوئی، یعنی جس کا جی چاہے سفر میں روزہ رکھ لے، جو رکھنا نہ چاہے، وہ بعد میں رکھے... اس طرح سفر اور جنگ کے موقعوں پر یہ اجازت ہو گئی۔ سفر کرتے کرتے آخر لشکر مرظہران کے مقام پر پہنچ گیا۔ اس مقام کا نام اب بطن مرو ہے۔ لشکر کی روانگی سے پہلے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی کہ قریش کو اسلامی لشکر کی آمد کی خبر نہ ہو... اس لیے انھیں خبر نہ ہو سکی۔

مرظہران کے مقام پر پہنچ کر رات کے وقت مسلمانوں نے آگ جلائی۔ چونکہ بارہ ہزار کے قریب تعداد تھی، اس لیے بہت دور دور تک آگ کے الاؤ روشن ہو گئے۔ جس وقت یہ لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا تھا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تھے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیں... لیکن نبی اکرم صلی اللہ

"کون! اللہ کا دشمن ابوسفیان۔"

یہ کہتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے... یہ دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی خچر کو ایڑ لگادی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے... پھر جلدی سے خچر سے اتر کر خیمے میں داخل ہو گئے۔ ان کے فوراً بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی خیمے میں داخل ہو گئے... اور بول اٹھے:

"یا رسول اللہ! یہ دشمن خدا ابوسفیان ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر بغیر کسی معاہدے کے ہمیں قابو عطا فرمایا ہے، لہٰذا مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔"

مگر اس کے ساتھ ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے اللہ کے رسول! میں انھیں پناہ دے چکا ہوں۔"

اب منظر یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار سونتے کھڑے تھے کہ ادھر حکم ہو، ادھر وہ ابوسفیان کا سر قلم کر دیں... دوسری طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے:

"اللہ کی قسم! آج رات میرے علاوہ کوئی شخص اس کی جان بچانے کی کوشش کرنے والا نہیں ہے۔"

○ ○ ○

جب بت منہ کے بل گرنے لگے

آخر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عباس! ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے جاؤ اور صبح انھیں میرے پاس لے آنا۔"

صبح کو اذان ہوئی تو لوگ تیزی سے نماز کے لیے نکلنے لگے۔ ابوسفیان لشکر میں یہ ہل چل دیکھ کر گھبرا گئے۔ انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

"ابوالفضل! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا:

"لوگ نماز کے لیے جا رہے ہیں۔"

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ دراصل اس خیال سے گھبرائے تھے کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی حکم نہ دیا گیا ہو۔ پھر انھوں نے دیکھا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی جمع کر رہے ہیں۔ پھر انھوں نے دیکھا اللہ کے رسول رکوع کرتے ہیں تو سب لوگ بھی آپ کے ساتھ رکوع کرتے ہیں اور آپ سجدہ کرتے ہیں تو لوگ بھی سجدہ کرتے ہیں۔

نماز کے بعد انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے عباس! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو حکم بھی دیتے ہیں، لوگ فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں۔"

جواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے

"ہاں! اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کھانے پینے سے روک دیں تو یہ اس حکم پر بھی عمل کریں گے۔"

اس پر ابوسفیان بولے۔

"میں نے تو زندگی میں ان جیسا بادشاہ نہیں دیکھا۔ نہ کسریٰ ایسا ہے، نہ قیصر اور نہ بنی الاصفر کا بادشاہ۔"

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"یہ بادشاہت نہیں، نبوت ہے۔"

پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا:

"ابوسفیان! افسوس ہے، کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم "لا الٰہ الا اللہ" کی گواہی دو۔"

ابوسفیان فوراً بولے

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

ان کے ساتھ بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام بھی ایمان لے آئے... یہ لوگ واپس نہیں گئے تھے۔ کہیں رک کر حالات کا انتظار کرنے لگے تھے۔

اس کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا

"اے اللہ کے رسول! لوگوں میں امان اور بچاؤ کی منادی کرا دیجیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"جس شخص نے ہاتھ روک لیا (یعنی ہتھیار نہ اٹھایا) اسے امان ہے، جس شخص نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اسے امان ہے اور جو شخص تمہارے گھر میں آ جائے گا اسے بھی امان ہے... اور جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امان ہے۔"

ساتھ ہی آپ نے ابو رویحہ رضی اللہ عنہ کو ایک پرچم دے کر فرمایا:

"جو شخص ابو رویحہ کے پرچم کے نیچے آجائے گا اسے بھی امان ہے۔"

پھر آپ نے ابو سفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کے بارے میں ہدایت فرمائی:

"ان تینوں کو وادی کے تنگ حصے کے پاس روک لو تاکہ جب اللہ کا لشکر وہاں سے گزرے تو وہ اس کو اچھی طرح دیکھ سکیں۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا... اس طرح تمام قبائل حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرے۔ جو قبیلہ بھی ان کے سامنے سے گزرتا تین مرتبہ نعرۂ تکبیر بلند کرتا۔ اس عظیم لشکر کو دیکھ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

"اللہ کی قسم ابوالفضل! آج تمہارے بھتیجے کی سلطنت بہت زبردست ہو چکی ہے۔"

جواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ سلطنت اور حکومت نہیں بلکہ نبوت اور رسالت ہے۔"

پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے قریب پہنچے تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بلند آواز میں کہا:

"اے گروہ قریش! یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا عظیم الشان لشکر لے کر تمہارے سروں پر پہنچ گئے ہیں... اس لیے اب جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امان ہو گی۔"

یہ سن کر قریش کہنے لگے:

"کیا تمہارا گھر ہم سب کے لیے کافی ہو جائے گا؟"

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اسے بھی امان ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امان ہے اور جو حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے گا اسے بھی امان ہے اور جو ہتھیار ڈال دے گا اسے بھی امان ہے۔"

یہ سنتے ہی لوگ دوڑ پڑے... اور جسے پناہ کی جو جگہ بھی مل گئی... وہاں جا گھسے۔ اس طرح مکہ معظمہ جنگ کے بغیر فتح ہوا۔ یہ تاریخ انسانیت کا منفرد واقعہ ہے کہ ایک مغلوب قوم بغیر کشت و خون کے اپنے جانی دشمنوں پر غالب آ گئی ہو اور اس نے کوئی انتقام نہ لیا ہو۔

اس عام معافی کے اعلان سے باوجود گیارہ آدمی ایسے تھے جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی خانہ کعبہ کا پردہ بھی پکڑ کر کھڑا ہو جائے تو اسے بھی قتل کیا جائے۔ ان میں عبداللہ بن ابی سرح بھی تھے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، اس لیے قتل نہیں کیے گئے۔ دوسرے عکرمہ بن ابو جہل تھے، یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ غرض ان گیارہ میں سے زیادہ تر مسلمان ہو گئے تھے، اس لیے قتل ہونے سے بچ گئے۔

اس روز کچھ مشرکوں نے مقابلہ کرنے کی بھی ٹھانی۔ ان میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو شامل تھے۔ یہ لوگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خندمہ کے مقام پر جمع ہوئے۔ خندمہ مکہ معظمہ کا ایک پہاڑ ہے۔ ان لوگوں کے مقابلے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اس مقابلے میں اٹھائیس کے قریب مشرک مارے گئے۔ باقی بھاگ نکلے۔

آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی چادر کا ایک پلہ سر پر لپیٹ رکھا تھا... اور عاجزی اور انکساری سے سر کو کجاوے پر رکھا ہوا تھا... اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

"اے اللہ! زندگی اور عیش صرف آخرت ہی کا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کداء کے مقام سے مکہ میں داخل ہوئے۔ یہ مقام مکہ کی

بالائی حصے میں ہے۔ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل بھی فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعب ابی طالب کے مقام پر قیام فرمایا۔ یہ وہی گھاٹی تھی جس میں قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سال تک رہنے پر مجبور کر دیا تھا... اور وہ تین سال مسلمانوں کے لیے انتہائی دکھ درد کے سال تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے اور مکہ کے مکانات پر نظر پڑی تو اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔

مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن داخل ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی تھی، وہ بھی پیر کا دن تھا۔ آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں داخل ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر چل رہے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے باتیں کر رہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے ہی کعبہ کے سات طواف کیے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ ان چکروں کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ میں لکڑی سے حجر اسود کا استلام کیا یعنی بوسہ دینے کا اشارہ کیا۔

اس وقت کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ عرب کے ہر قبیلے کا بت تھا۔ نبی اکرم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اس وقت ایک لکڑی تھی، اس سے بتوں کو مارتے چلے گئے... بت منہ کے بل گرتے چلے گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 81 تلاوت فرما رہے تھے... جس کا ترجمہ یہ ہے:

"حق آیا اور باطل گزر گیا اور واقعی باطل چیز تو یونہی آتی جاتی ہے۔"

طواف کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہبل بت کے پاس پہنچے۔ قریش والے اس بت پر بہت فخر کرتے تھے، وہ اس کی عبادت بہت فخر سے کیا کرتے تھے۔ یہ قریش کے سب سے بڑے بتوں میں سے ایک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لکڑی اس بت کی آنکھوں پر ماری... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بت کو توڑ کر ٹکڑے کر دیا گیا۔

اس وقت حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے ابوسفیان! ہبل توڑ دیا گیا... تم اس پر فخر کیا کرتے تھے۔''

یہ سن کر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بولے:

''اے ابن عوام! اب ان باتوں کا کیا فائدہ۔''

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم پر پہنچے۔ اس وقت یہ مقام خانہ کعبہ سے ملا ہوا تھا... اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''میرے کندھوں پر کھڑے ہو کر کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور چھت پر بنی خزاعہ کا جو بت ہے... اس پر چوٹ مارو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی اور چھت پر چڑھ کر بت کو ضرب لگائی... یہ آہنی سلاخوں سے نصب کیا گیا تھا... آخر اکھڑ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اٹھا کر نیچے پھینک دیا۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''بلال!! عثمان بن ابی طلحہ سے کعبہ کی چابیاں لے آؤ۔''

○ ○ ○

فتح مکہ کے بعد

چابیاں آگئیں تو دروازہ کھولا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ کعبہ میں پہنچ کر وہاں بنی ہوئی تصاویر کو مٹا دیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی تصاویر مٹائی جا چکی تھیں، لیکن ان تصاویر میں ایک تصویر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں مٹایا تھا۔ اس پر نظر پڑی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"عمر! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ کعبہ میں کوئی تصویر باقی نہ چھوڑنا۔"

اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک کرے جو ایسی چیزوں کی تصاویر بناتے ہیں جنہیں وہ پیدا نہیں کر سکتے... اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ نصرانی بلکہ وہ پکے سچے مسلمان تھے۔"

اس کے بعد اس تصویر کو بھی مٹا دیا گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں دو ستونوں کے درمیان میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ جب آپ اور آپ کے چند ساتھی کعبہ کے اندر داخل ہوئے تھے، اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پہرہ دینے کے لیے

والد ابو قحافہ کے اسلام کے مقابلے میں آپ کے چچا ابو طالب ایمان لے آتے تو یہ میرے لیے زیادہ خوشی کی بات ہوتی۔''

اس وقت حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے بال بڑھاپے کی وجہ سے بالکل سفید ہو چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

''ان بالوں کو مہندی سے رنگ لو... لیکن سیاہ خضاب نہ لگاؤ۔''

مورخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بالوں کی سفیدی کا احساس ہوا تھا۔ جب زیادہ عمر ہونے پر بال سفید ہونے لگے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ! یہ کیسی بدصورتی ہے جس سے میرا روپ بدنما ہو گیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''یہ چہرے کا وقار ہے، اسلام کا نور ہے۔ میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! جس نے یہ گواہی دی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میری خدائی میں کوئی شریک نہیں اور اس کے بال بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو گئے تو قیامت کے دن مجھے اس بات سے حیا آئے گی کہ اس کے لیے میزانِ عدل قائم کروں یا اس کا نامہ اعمال سامنے لاؤں یا اسے عذاب دوں۔''

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

''اے پروردگار! پھر تو اس سفیدی کو میرے لیے اور زیادہ کر دے۔''

چنانچہ اس کے بعد ان کا سر برف کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑھاپے کی سفیدی اور خود بڑھاپا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور مومن کے لیے عمر کی یہ منزل بھی شکر کا مقام ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ ان کا سارا کا سارا گھرانہ ہی مسلمان ہوا۔ کوئی ایک فرد بھی نہیں رہا جو مسلمان نہ ہوا ہو۔

عکرمہ بن ابی جہل ان گیارہ افراد میں سے ایک تھے جن کے قتل کا حکم آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اور ان کے باپ ابوجہل نے مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادتیاں کی تھیں۔ یہ حکم سنتے ہی حضرت عکرمہ یمن کی طرف بھاگ نکلے۔ اس وقت تک ان کی بیوی حضرت ام حکیم بنت حارث مسلمان ہو چکی تھیں۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عکرمہ کے لیے امان طلب کرلی اور ان کے تعاقب میں نکلیں۔ حضرت عکرمہ بحری جہاز میں سوار ہو چکے تھے تاکہ کسی دوسرے ملک چلے جائیں۔ یہ بھی جہاز تک جا پہنچیں اور ان سے کہا:

"میں تمہاری طرف اس شخص کے پاس سے آئی ہوں جو سب سے زیادہ رشتے داریوں کا خیال کرنے والے اور سب سے بہترین انسان ہیں۔ تم اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو، میں نے تمہارے لیے امان حاصل کرلی ہے۔"

اس طرح حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بہت بہترین مسلمان ثابت ہوئے۔ وہ بہت زبردست جنگجو بھی تھے۔ خوب جہاد کیا۔ بڑے صحابہ میں آپ کا شمار ہوا۔ جنگ یرموک میں رومیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

اسی طرح باقی لوگوں کو بھی امان مل گئی۔ ان میں حضرت ہند بنت عتبہ بھی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا بھی حکم دیا تھا۔ یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں... ان کے قتل کا حکم آپ نے اس بنا پر دیا تھا کہ غزوۂ احد میں انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا، یعنی ان کے ناک کان وغیرہ کاٹے تھے... لیکن انہیں بھی معافی مل گئی اور یہ بھی مسلمان ہوگئیں۔

صفوان بن امیہ کے بھی قتل کا حکم ہوا تھا، انہیں بھی معافی مل گئی اور یہ بھی مسلمان ہوگئے۔ کعب بن زہیر کو بھی معافی مل گئی۔ یہ اپنے اشعار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتے تھے۔ یہ بھی مسلمان ہوگئے۔

اسی طرح وحشی نے غزوۂ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا... آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھی قتل کا حکم فرمایا تھا، لیکن یہ بھی مسلمان ہو گئے۔

پھر اسی روز یعنی فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر جا بیٹھے اور لوگ گروہ در گروہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے رہے۔ تمام چھوٹے بڑے مرد حاضر ہوئے، عورتیں بھی آئیں۔ سب اپنے اسلام کا اعلان کرتے رہے۔

ایک اور صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب سے کانپنے لگے اور دہشت زدہ ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حالت دیکھ کر فرمایا:

''ڈرو نہیں! میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں... بلکہ میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو معمولی کھانا کھایا کرتی تھی۔''

اس وقت جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان میں حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہی اسلام کی محبت میرے دل میں گھر کر چکی تھی۔ میں نے اس بات کا ذکر اپنی والدہ سے کیا تو انھوں نے کہا:

''خبردار! اپنے والد کی خلاف ورزی نہ کرنا۔''

اس کے باوجود میں نے اسلام قبول کر لیا مگر اسے چھپائے رہا۔ پھر کسی طرح میرے والد ابوسفیان کو پتا چل گیا... انھوں نے ناراضی کے انداز میں مجھ سے کہا:

''تمہارا بھائی تم سے کہیں بہتر ہے... کیونکہ وہ میرے دین پر قائم ہے۔''

پھر فتح مکہ کے موقع پر میں نے اپنے دین کو ظاہر کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خوش آمدید کہا۔ پھر میں کاتب وحی بن گیا یعنی قرآن کی نازل ہونے والی آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے لکھوا دیا کرتے تھے۔ اسی روز حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہندہ رضی اللہ عنہا بھی مسلمان ہو گئیں۔ ان کے علاوہ بے شمار عورتیں اس روز اسلام

''نہیں بلکہ اس دن آباد اور سربلند ہو جائیں گے۔''

حضرت عثمان بن طلحہ کو یہ تمام باتیں اس وقت یاد آگئیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چابی ان کے حوالے کی... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عثمان! میں نے تم سے کہا تھا نا کہ ایک دن تم دیکھو گے، یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا یہ چابی اسے دوں گا۔''

یہ سن کر حضرت عثمان بن طلحہ نے کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

○ ○ ○

غزوہ حنین

پھر اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

''جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ چھوڑے، اس کو توڑ دے۔''

لوگ بتوں کو توڑنے لگے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ رضی اللہ عنہا جب مسلمان ہوگئیں تو اپنے گھر میں رکھے بت کی طرف بڑھیں اور لگیں اس کو ٹھوکریں مارنے، ساتھ میں کہتی جاتی تھیں:

''ہم لوگ تیری وجہ سے بہت دھوکے اور غرور میں تھے۔''

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گردو نواح میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا... تاکہ ان علاقوں میں رکھے بتوں کو بھی توڑ دیا جائے۔ بعض علاقوں میں لوگوں نے باقاعدہ عبادت گاہیں بنا رکھی تھیں۔ ان میں بت رکھے گئے تھے... مشرکین ان بتوں اور عبادت خانوں کا اتنا ہی احترام کرتے تھے جتنا کہ کعبہ کا۔ وہ ان میں جانور بھی قربان کرتے تھے جس طرح کہ کعبہ میں کیے جاتے تھے، حد یہ کہ ان عبادت خانوں کا طواف بھی کیا جاتا تھا۔

غرض ہر خاندان کا الگ بت تھا۔

فتح مکہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس دن تک وہاں قیام فرمایا۔ اس دوران آپ قصر نمازیں پڑھتے رہے۔ اس دوران ایک عورت نے چوری کرلی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ اس کی قوم کے لوگ جمع ہوکر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کر دیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب اس عورت کی سفارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا فرمایا:

''کیا تم اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں میں سفارش کرتے ہو؟''

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فوراً عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے لیے استغفار فرمایئے۔''

آنحضرت اسی وقت کھڑے ہوئے۔ پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر یہ خطبہ دیا:

''لوگو! تم سے پہلی قوموں کو صرف اسی بات نے ہلاک کیا کہ اگر ان میں کوئی باعزت آدمی چوری کرلیتا تو اسے سزا نہیں دیتے تھے، لیکن اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اسے سزا دیتے تھے... قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے... اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتیں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ کا والی مقرر فرمایا۔ انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں۔ یہ پہلے امیر ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد مکہ میں جماعت سے نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے پاس چھوڑا... تاکہ وہ لوگوں کو حدیث اور فقہ کی تعلیم دیں۔

عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ دھوکے بازوں اور بے نمازوں پر بہت سخت تھے... وہ

ادھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبریں ملیں کہ بنی ہوازن نے ایک بڑا لشکر جمع کرلیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو ان کی جاسوسی کے لیے روانہ کیا اور رخصت کرتے ہوئے ان سے فرمایا:

"ان کے لشکر میں شامل ہوجانا اور سننا کہ وہ کیا فیصلے کر رہے ہیں؟"

چنانچہ وہ بنی ہوازن کے لشکر میں شامل ہوگئے... ان کی باتیں سنتے رہے۔ پھر واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری تفصیلات سنائیں۔ قبیلہ بنی ہوازن والے اپنے ساتھ اپنی عورتیں، بچے اور مال اور دولت بھی لے آئے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو مسکرائے اور ارشاد فرمایا:

"انشاءاللہ! کل یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بنے گا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہوازن سے مقابلے کے لیے بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ ان میں دو ہزار تو نوجوان مکہ معظمہ اور گردونواح کے تھے۔ باقی دس ہزار وہ صحابہ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے اور جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرایا تھا۔ جب اسلامی لشکر دشمن کے پڑاؤ کے قریب پہنچ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی صف بندی فرمائی۔ مہاجرین اور انصار میں جھنڈے تقسیم فرمائے۔ مہاجرین کا پرچم آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ ایک پرچم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اور ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی عنایت فرمایا۔ انصار میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ایک پرچم اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہوئے تو دو زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ خود (لوہے کی ٹوپی) بھی پہن رکھا تھا... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھے۔

مشرکوں کے لشکر کی تعداد بیس ہزار تھی اور انھوں نے اپنے لشکر کو پہاڑوں اور وادیوں میں

اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''عباس! لوگوں کو پکارو! اور کہو! اے گروہ انصار! اے بیعت رضوان والو! اے مہاجرین۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بلند آواز میں پکارے... مسلمانوں کو بلایا... جو مسلمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع تھے، انھوں نے کافروں پر زبردست حملہ کردیا... ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور کافروں کی طرف پھینک دی، ساتھ ہی فرمایا:

''یہ چہرے بگڑ جائیں۔''

اس وقت تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے صحابہ کی آواز سن کر بھاگتے ہوئے مسلمان بھی واپس پلٹ چکے تھے اور انھوں نے جم کر لڑنا شروع کردیا تھا... اس طرح جنگ ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی... کنکریوں کی اس مٹھی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے کافروں کی آنکھوں تک پہنچا دیا... یہ ان کی آنکھوں میں کیا گری کہ وہ بری طرح بدحواس ہوگئے... وہ بری طرح بھاگ نکلے۔ اس جنگ کے شروع ہونے سے پہلے لشکر کی تعداد دیکھ کر ایک صحابی نے یہ کہا تھا:

''اے اللہ کے رسول! آج ہماری تعداد اس قدر ہے کہ دشمن سے شکست نہیں کھا سکتے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت ناگوار گزری تھی، یہ الفاظ بہت گراں محسوس ہوئے تھے... کیونکہ ان میں فخر اور غرور کی بو تھی... اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہ جملہ ناپسندیدہ تھا... شاید اسی لیے شروع میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی... لیکن پھر اللہ نے کرم فرمایا اور مسلمانوں کے قدم جم گئے... پھر جب مشرکوں کو شکست ہوئی تو وہ بری طرح بھاگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''جو مشرک ہاتھ لگے اسے قتل کردیا جائے۔''

○ ○ ○

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہے...

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''تمام قیدی اور مال غنیمت ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔''

جب یہ مال اور قیدی جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ جعرانہ کے مقام پر بھجوا دیا... غزوہ طائف سے واپسی تک یہ سارا سامان وہیں رہا، یعنی اس کے بعد مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنی ہوازن اور اس کا سالار مالک بن عوف شکست کھانے کے بعد طائف پہنچ گئے ہیں۔ طائف اس وقت بھی ایک بڑا شہر تھا۔ ان لوگوں نے وہاں ایک قلعہ میں پناہ لے رکھی تھی۔

یہ اطلاع ملنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے ہر اول دستہ پہلے روانہ فرمایا۔ اس دستے کا سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ آخر یہ لشکر طائف پہنچ گیا اور اس قلعہ کے پاس جا ٹھہرا جس میں مالک بن عوف اور اس کا بچا کھچا لشکر پناہ لے چکا تھا۔ مشرکوں نے جونہی اسلامی لشکر کو دیکھا، انھوں نے قلعہ پر سے زبردست تیر اندازی کی... ان تیروں سے بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے۔ ایک تیر حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لگا۔ ان کی آنکھ باہر نکل آئی۔ یہ اپنی آنکھ ہتھیلی پر رکھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میری یہ آنکھ اللہ کے راستے میں جاتی رہی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم چاہو تو میں دعا کروں گا اور تمہاری یہ آنکھ واپس اپنی جگہ پر ٹھیک ہو جائے گی... اگر آنکھ نہ چاہو تو پھر بدلے میں جنت ملے گی۔''

اس پر انھوں نے فرمایا:

''مجھے تو جنت ہی عزیز ہے۔''

برچھیاں اور تیر پھینک دیے...

غزوہ طائف میں جو لوگ تیروں سے زخمی ہوئے تھے ان میں سے بارہ آدمی شہادت پا گئے۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قلعے کے پاس سے ہٹ کر اس جگہ آ گئے جہاں اب مسجد طائف ہے۔

قلعہ کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ لشکر سے نکل کر آگے بڑھے اور پکارے۔

"کوئی ہے جو مجھ سے مقابلے پر آئے؟"

ان کی للکار کے جواب میں کوئی مقابلے کے لیے نہ آیا۔ قلعے کے اوپر سے عبدیالیل نے کہا:

"ہم میں سے کوئی شخص بھی قلعے سے اتر کر تمہارے پاس نہیں آئے گا، ہم قلعہ بند رہیں گے، ہمارے پاس اتنا سامان ہے کہ کئی برسوں تک کافی ہو سکتا ہے... جب تک ہمارا غلہ ختم نہیں ہو جاتا، ہم باہر نہیں نکلیں گے۔ تم اس وقت تک ٹھہر سکتے ہو تو ٹھہرے رہو۔"

محاصرے کو جب کئی دن گزر گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"آپ طائف والوں پر فیصلہ کن حملہ کیوں نہیں فرما رہے؟"

اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابھی مجھے طائف والوں کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم نہیں ملا۔ میرا خیال ہے کہ ہم اس وقت اس شہر کو فتح نہیں کر سکیں گے۔"

آخر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ ملا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا حکم فرما دیا۔ لوگوں کو فتح کے بغیر واپس جانا اچھا نہ لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ناگواری بھانپ لی، چنانچہ فرمایا:

"اچھا تو پھر حملے کی تیاری کرو۔"

ہوئے تھے اس زخم کے اثر سے دو ڈھائی سال بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال کر گئے۔

واقدی کے مطابق جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ کے مقام پر پہنچنے کے لیے خیمہ میں ٹھہرے تو وہاں سراقہ بن مالک ملے۔ سراقہ وہ شخص ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو انہوں نے انعام کے لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا تھا۔ نزدیک پہنچنے پر ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے۔ انہوں نے معافی مانگی تو گھوڑے کے پاؤں نکل گئے۔ پھر قتل کے ارادے سے آگے بڑھے تو پھر گھوڑے کے پاؤں دھنس گئے۔ تین بار ایسا ہوا۔ آخر انہیں عقل آگئی اور سچے دل سے معافی مانگی۔ پھر واپس لوٹ گئے تھے۔ اس وقت یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا:

"اے محمد! میں جانتا ہوں۔ ایک دن ساری دنیا میں آپ کا بول بالا ہونے والا ہے۔ آپ لوگوں کی جانوں کے مالک ہوں گے۔ اس لیے مجھے اپنی طرف سے ایک تحریر لکھ دیجئے۔ جب آپ کی حکومت کے دور میں آپ کے پاس آؤں تو آپ میرے ساتھ عزت سے پیش آئیں۔"

ان کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا ان کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سے تحریر لکھوا کر انہیں دی تھی۔ سراقہ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے ہی آئے تھے اور جعرانہ کے مقام پر یہ ملاقات ہوئی۔ اسی مقام پر مسلمان غزوہ حنین کا مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ سراقہ بن مالک اس وقت یہ پکار رہے تھے

"میں سراقہ بن مالک ہوں۔ اور میرے پاس اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر موجود ہے۔"

ان کے یہ الفاظ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

غزوہ تبوک

اس پر شیما نے اپنی قوم کے قیدیوں کو رہا کرنے کا مطالبہ کیا۔ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب قیدی شیما کے حوالے کر دیے اور انھوں نے سب کو چھوڑ دیا۔ یہ بے حد درجے شریفانہ سلوک تھا۔ اس طرح شیما اپنی قوم کے لیے بے حد برکت ثابت ہوئیں... اس کے بعد بنی ہوازن کے دوسرے قیدیوں کو بھی رہائی مل گئی۔ مالک بن عوف جنگ کے میدان سے فرار ہو کر طائف چلے گئے تھے۔ جب ان کے گھر والے قیدی بنا لیے گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی رہا کر دیا۔ جب مالک بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر والوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک کا پتا چلا تو وہ بھی طائف سے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جعرانہ کے مقام پر تھے... انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بنی ہوازن کے ان لوگوں کا امیر بنا دیا جو مسلمان ہو گئے تھے۔

جعرانہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ روانہ ہونے لگے تو عمرے کا احرام باندھ لیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر رات کے وقت مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل تلبیہ (یعنی لبیک) پڑھتے رہے۔ عمرے سے فارغ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

۲۷ ذی قعدہ کو مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے تمام قبائل پر اسلام کی سچائی پہنچ چکی اور وہ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔

رجب ۹ ہجری میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اطلاعات ملیں کہ رومیوں نے شام میں بہت زبردست لشکر جمع کر لیا ہے اور یہ کہ انھوں نے اپنے ہراول دستوں کو بلقاء کے مقام تک پھیلا دیا ہے۔ بلقاء ایک مشہور مقام تھا۔ ان اطلاعات کی بنیاد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری کا حکم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنگ کی تیاری کا حکم فرماتے تھے تو یہ نہیں بتاتے تھے کہ جانا کہاں ہے۔ مطلب یہ کہ اس بات کو خفیہ رکھتے تھے لیکن غزوہ تبوک کی باری میں آپ نے صاف بتا دیا۔ اس لیے کہ رومیوں کا لشکر بہت زیادہ فاصلے پر تھا۔ راستے کی تکلیف کا اندازہ کیے بغیر چل پڑنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے علاوہ دشمن کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ اس لیے اس کے مطابق تیاری کرنے کی ضرورت تھی۔

غزوہ تبوک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوے میں تشریف نہ لے جا سکے۔ البتہ مہمات کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرماتے رہے۔

سامان جنگ اور ضرورت کی دوسری چیزوں کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امداد کا اعلان فرمایا۔ اس اعلان کا ہونا تھا کہ صحابہ کرام نے اپنا مال اور دولت پانی کی طرح خرچ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو اس قدر دولت لٹائی کہ کوئی دوسرا شخص مقدار کے لحاظ سے ان کی برابری نہ کر سکا۔ انھوں نے نو سو اونٹ، ایک سو گھوڑے، دس ہزار دینار اور ان کے علاوہ بے شمار سامان دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فیاضی کا حال دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں، تو بھی ان سے راضی ہو جا۔"

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافی رات گئے تک ان کے لیے دعا

فرماتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے:

''آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل انھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

یہ الفاظ کہتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ جو دوسرے مال دار صحابہ تھے، انھوں نے بھی لشکر کی تیاری میں زبردست امداد دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو قربانی میں سب سے بڑھ گئے۔ وہ اپنے گھر کا سارا سامان لے آئے۔ اس کی تعداد چار ہزار درہم کے برابر تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے یا نہیں۔''

جواب میں انھوں نے عرض کیا:

''میں نے ان کے لیے اللہ اور اللہ کا رسول چھوڑا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا نصف مال لائے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی بہت سا مال لائے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی بہت مال لائے۔ عورتوں نے اپنے زیورات اتار کر بھیجے۔ حضرت عاصم ابن عدی رضی اللہ عنہ نے ستر وسق کھجوریں دیے۔ ایک وسق اتنے وزن کو کہتے ہیں جتنا وزن ایک اونٹ پر لادا جاسکے... یہ وزن تقریباً پونے چار ٹن بنتا ہے۔

آخرکار جنگ کی تیاری مکمل ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔

اس لشکر میں کچھ منافقین بھی شامل ہوگئے... ان میں منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی سلول بھی تھا... یہ مہم چونکہ بہت دشوار تھی... طویل فاصلے والی تھی، اس لیے اکثر منافقین تو شروع ہی سے ساتھ نہیں دیتے تھے، پھر جانے والوں میں سے بھی بہت سوں کی ہمتیں

جواب دے سکیں اور وہ تھوڑی دور تک چلنے کے بعد واپس لوٹ گئے۔ اس طرح منافقوں کا پول کھل گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوے کے لیے کئی پرچم تیار کرائے تھے۔ سب سے بڑا پرچم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہی میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پریشانی محسوس ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تمہاری حیثیت میرے لیے وہی ہو جو موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام کی تھی، فرق یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی تھے... اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے۔ سوائے غزوہ تبوک کے اور کوئی غزوہ ایسا نہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شریک نہ ہوئے ہوں۔

اس سفر کے دوران تبوک کی طرف جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کھنڈرات کے پاس سے گزرے جو قوم ثمود کا وطن تھا اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے عذاب سے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اس مقام سے گزرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر کپڑا ڈال لیا تھا اور سواری کی رفتار تیز کر دی تھی تاکہ جلد از جلد وہاں سے گزر جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا:

''ان کھنڈرات کے پاس سے روتے ہوئے گزرو، کہیں تم بھی اس بلا میں گرفتار نہ ہو جاؤ جس میں یہ قوم ہوئی تھی۔'' آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا: ''آج رات ان پر آندھی کا زبردست طوفان آئے گا۔ جس کے پاس اونٹ یا گھوڑا ہے، وہ اس کو باندھ کر رکھے۔''

ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''آج رات کوئی شخص تنہا اپنے پڑاؤ سے باہر نہ جائے بلکہ کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ ضرور رکھے۔''

پھر اتفاق ایسا ہوا کہ ایک شخص کسی ضرورت سے تنہا باہر نکل گیا۔ نتیجہ یہ کہ اس کا دم گھٹ گیا۔ ایک دوسرا شخص اپنے اونٹ کی تلاش میں نکل گیا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ ہوا اسے اڑا لے گئی اور پہاڑوں پر جا پھینکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان دو واقعات کا علم ہوا تو فرمایا:

"کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ کوئی تنہا نہ جائے؟ اور جانا پڑ جائے تو کسی کو ساتھ لے کر نکلے۔"

اس سفر کے دوران ایک روز پانی بالکل ختم ہو گیا۔ پیاس نے لوگوں کو پریشان کر دیا۔ آخر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ہاتھ اٹھائے رہے جب تک کہ بارش شروع نہ ہو گئی۔ اور اتنی بارش ہوئی کہ سب سیراب ہو گئے۔ لشکر نے اپنے برتن بھی بھر لیے۔ ان حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا۔ لشکر میں کچھ منافق بھی تھے... وہ دونوں قسم کے تھے... اس موقع پر وہ کہنے لگے:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ نبی ہیں... اور یہ مسلمانوں کو آسمان کی خبریں سناتے ہیں، لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک منافقین کی یہ باتیں فوراً ہی پہنچ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے ارشاد فرمایا:

"مجھ تک کچھ لوگوں کی یہ بات پہنچی ہے۔ اللہ کی قسم! میں انہی باتوں کو جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتا دیتے ہیں... اور اونٹنی کے بارے میں مجھے ابھی اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ فلاں وادی میں ہے۔ اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں پھنس گئی ہے۔ تم لوگ وہاں جاؤ اور اونٹنی کو میرے پاس لے آؤ۔"

لوگ وہاں گئے تو اونٹنی کو اسی حالت میں پایا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا تھا۔

سفر جاری تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا... جب اونٹ کسی طرح چلنے کے لیے تیار نہ ہوا تو تنگ آ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سامان اس پر سے اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا اور پیدل چل پڑے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی خبر دے چکے تھے کہ ابوذر پیچھے رہ گئے ہیں... کیونکہ ان کا اونٹ تھک گیا ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو... اگر ابوذر میں کوئی خیر ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تم تک پہنچا دے گا اور اگر خیر کے بجائے برائی ہے تو سمجھ لو... اللہ نے تمہیں اس سے امن دے دیا۔"

پھر لوگوں نے دور سے کسی کو آتے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابوذر ہوں گے۔ اللہ ان پر رحمت فرمائے، اکیلے ہی پیدل چلے آرہے ہیں، اکیلے ہی مریں گے۔" (یعنی ان کی موت ویرانے میں ہوگی) اور اکیلے ہی دوبارہ زندہ ہو کر قیامت میں اٹھیں گے۔"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ ربذہ کے ویران مقام پر چلے گئے تھے... وہیں ان کی موت واقع ہوئی تھی۔

آخر اسلامی لشکر نے تبوک کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

○ ○ ○

کو اس طرح جاتے دیکھا تو ان سے فرمایا:

"اسے چھوڑ دو۔"

پھر اس سے ارشاد فرمایا:

"کیا تم ہمیں اپنے پانی کو استعمال کرنے کی اجازت دو گی، تمہارا پانی جوں کا توں رہے گا، تم جتنا لے کر آئی ہو اتنا ہی موجود رہے گا؟"

بڑھیا بولی: "ٹھیک ہے۔"

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ایک برتن لے آؤ۔"

وہ برتن لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا مشکیزہ کھلوایا اور اس برتن میں تھوڑا سا پانی لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس میں ڈالا... اور لوگوں سے فرمایا: "میرے قریب آجاؤ اور پانی لینا شروع کر دو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا... پانی اس برتن میں چشمے کی طرح ابل رہا تھا، یوں لگتا تھا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے نکل رہا ہو۔ سب اس برتن سے پانی لینے لگے... پینے لگے... اپنے جانوروں کو بھی پلانے لگے۔ پھر انہوں نے اپنے خالی برتن بھر لیے۔ یہاں تک کہ تمام جانور سیر ہو گئے... تمام برتن بھر گئے اور پانی اس برتن میں اسی طرح جوش مار رہا تھا... اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پانی واپس اس عورت کے مشکیزے میں ڈال دیا اور اس کا منہ بند کرنے کے بعد فرمایا:

"تم لوگوں کے پاس جو کچھ ہو، لے آؤ۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا بچھا دیا... صحابہ کرام اس پر روٹی کے ٹکڑے اور کھجور وغیرہ رکھنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب اسے دے کر فرمایا:

"ہم نے تمہارے پانی میں سے کچھ نہیں لیا... یہ چیزیں لے جاؤ... اپنے بچوں کو کھلا دینا۔"

تبوک کے مقام پر جنگ نہ ہو سکی۔

اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصر نمازیں پڑھتے رہے یعنی مسافر کی نماز۔ جس میں ظہر، عصر اور عشاء کی فرض نمازوں میں چار چار رکعت کی بجائے دو دو رکعت ادا کی جاتی ہیں۔

آخر تبوک سے واپسی کا سفر شروع ہوا... راستے میں چند منافقوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھاٹی میں دھکا دے کر قتل کرنے کی سازش تیار کی۔ لیکن ان کی سازش کی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے خبر دے دی... اس طرح ان کی سازش ناکام ہوئی...

مدینہ منورہ کا سفر ابھی ایک دن کا باقی تھا اور اسلامی لشکر ذی اوان کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا کہ مسجد ضرار کو گرا دیں... یہ مسجد منافقوں نے بنائی تھی... وہ اس مسجد کو اپنی سازشوں کا مرکز بنانا چاہتے تھے... جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے لیے روانہ ہوئے تھے اور اس مسجد کے پاس سے گزرے تھے، تب ان منافقوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسجد میں دو رکعت ادا کرنے کی درخواست کی تھی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ واپسی پر پڑھوں گا... لیکن واپسی پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش سے باخبر کر دیا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا:

"اس مسجد میں جاؤ اور جن لوگوں نے وہ مسجد بنائی ہے ان کی آنکھوں کے سامنے اس کو آگ لگا کر گرا دو۔ اس مسجد کو بنانے والے بڑے ظالم لوگ ہیں۔"

چنانچہ صحابہ نے حکم کی تعمیل کی۔ مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں ایسا کیا گیا۔ مسجد کو بالکل زمین کے برابر کر دیا گیا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہونے تو فرمایا:

"یہ شہر پاکیزہ اور پرسکون ہے۔ میرے پروردگار نے اس کو آباد کیا ہے۔ یہ شہر اپنے

باشندوں سے میل کچیل کو اسی طرح نکال دیتا ہے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کرکے صاف کر دیتی ہے۔"

پھر احد کے پہاڑ کے لیے فرمایا:

"یہ احد کا پہاڑ ہے یہ پہاڑ ہم سے بہت محبت کرتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔"

اس سفر میں جانے سے کچھ لوگوں نے جی چرایا تھا... مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔

"جب تک میں حکم نہ دوں، تم اس وقت تک ان لوگوں سے نہ بولنا، نہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔"

○ ○ ○

واقعۂ رجیع اور بئر معونہ

یہ حکم ملتے ہی سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان سے بات چیت بند کردی۔ صحابہ کرام نے تو یوں عمل کیا کہ اگر ان دنوں میں کسی کا باپ اور بھائی بھی تھا تو اس نے اس سے بھی بات چیت ترک کردی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے لیے روانہ ہوئے تھے، اس وقت منافقوں کی ایک جماعت مدینہ منورہ میں رہ گئی تھی۔ ان کی تعداد ۸۰ کے قریب تھی۔ انھوں نے جہاد پر نہ جانے کے لیے مختلف حیلے بہانے کیے تھے۔ پھر ان کے علاوہ تین مسلمان ایسے تھے جو صرف سستی کی وجہ سے رہ گئے تھے۔ یہ حضرت کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ان حضرات سے مسلمانوں نے بات چیت ترک کردی۔ جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا عذر پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا

"تم جاؤ! اللہ تمہارے حق میں فیصلہ فرمائیں گے۔"

چند دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کو اپنی بیویوں سے بھی الگ رہنے کا حکم فرمادیا۔ انھوں نے بیویوں کو اپنے ماں باپ کے گھر بھیج دیا۔ البتہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ

رک گئے۔ یہ سازش پہلے ہی تیار کر لی گئی تھی۔ چنانچہ انھیں سازش کے تحت لے گئے۔ قبیلہ ہذیل کے آدمیوں کی تعداد سو کے قریب تھی۔

ان لوگوں نے ان حضرات کو گھیر لیا۔ انھوں نے بھی تلواریں سونت لیں۔ اس طرح جنگ شروع ہوگئی۔ اس جنگ کے نتیجے میں حضرت مرثد، خالد بن بکیر، حضرت عاصم اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ زید بن دثنہ اور خبیب بن عدی رضی اللہ عنہما گرفتار ہوئے۔ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر میں امیہ بن خلف کو قتل کیا تھا۔ اس کے بیٹے صفوان نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے انھیں ان لوگوں سے خرید لیا اور قتل کرا دیا۔ رہے خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ، انھیں عقبہ نے خرید کر قتل کرانا چاہا تاکہ انھیں پھانسی پر لٹکا دیں۔ اس وقت حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"مناسب سمجھو تو قتل کرنے سے پہلے مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔"

انھوں نے اجازت دے دی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دو رکعت پڑھیں اور بہت اطمینان سے پڑھیں۔ پھر ان لوگوں سے فرمایا:

"اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے، میں موت کے ڈر سے نماز لمبی کر رہا ہوں۔"

تاریخ اسلام میں قتل سے پہلے دو رکعت نماز سب سے پہلے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ نے ادا کی۔ اس کے بعد آپ کو پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا گیا اور رسی سے باندھ دیا گیا۔ اس وقت انھوں نے فرمایا:

"اے اللہ! ہم نے تیرے رسول کا پیغام پہنچا دیا، تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر پہنچا دے کہ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے۔"

اس کے بعد یہ دعا کی:

"اے اللہ! ان ظالموں کو گن لے اور انھیں ایک ایک کر کے قتل کر اور ان میں سے کسی کو

بھی نہ چھوڑ۔''

اس کے بعد کفار نے انھیں شہید کر دیا۔

قریش مکہ کی ایک عورت سلافہ کے دو بیٹے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اس نے منت مانی تھی کہ کوئی مجھے عاصم رضی اللہ عنہ کا سر لا کر دے گا تو میں اس کی کھوپڑی میں شراب ڈال کر پیوں گی... حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو اس کی اس منت کا پتا تھا، چنانچہ شہید ہونے سے پہلے انھوں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ میری لاش ان کے ہاتھ نہ لگے... چنانچہ جب انھیں شہید کر دیا گیا اور وہ لوگ لاش کو اٹھانے کے لیے بڑھے تو ان پر شہد کی مکھیوں نے حملہ کر دیا... وہ بھاگ کھڑے ہوئے، پھر انھوں نے فیصلہ کیا کہ رات کے وقت لاش اٹھا لیں گے، رات کو تو شہد کی مکھیاں نہیں ہوں گی... لیکن رات کو اللہ تعالیٰ نے پانی کا ایک ریلہ بھیجا جو لاش کو بہا لے گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش کی حفاظت فرمائی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی دعا بھی پوری ہوئی... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتایا گیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بھی یہ خبر سنائی۔

واقعہ رجیع کے دنوں ہی میں بئر معونہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ بنی عامر کا سردار ابو عامر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اسلام قبول کرنے کی بجائے اس نے کہا:

''میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا پیغام نہایت شریفانہ اور اچھا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے کچھ صحابہ کو نجد والوں کی طرف بھیج دیں... وہاں قبیلہ بنی عامر اور بنی سلیم آباد ہیں، وہ وہاں دین کی دعوت دیں، مجھے امید ہے کہ نجد کے لوگ آپ کی دعوت کو قبول کریں گے۔''

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے نجد والوں کی طرف سے اندیشہ ہے... کہیں وہ میرے صحابہ کو نقصان نہ

پہنچیں گے۔"

یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے ارشاد فرمائی کہ ابو عامر کا بھتیجا عامر بن طفیل مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور وہاں کے لوگ بھی سخت مخالف تھے۔ آپ کی بات سن کر ابو عامر نے کہا:

"آپ کے صحابہ میری پناہ میں ہوں گے، میری ذمہ داری میں ہوں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ کر لیا۔ وعدہ لے کر ابو عامر چلا گیا۔ آپ نے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو چالیس یا ستر آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا۔

یہ سب کے سب نہایت عبادت گزار اور متقی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک خط بھی لکھ کر دیا۔ یہ لوگ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور بیر معونہ پر پہنچ کر ٹھہرے۔ بیر معونہ بنی عامر اور بنی سلیم کی سرزمین کے درمیان میں تھا۔ بئر کنویں کو کہتے ہیں۔ گویا معونہ کا کنواں۔ اس علاقے کو حرہ کہا جاتا ہے۔ یہاں سیاہ پتھر کثرت سے تھے۔

یہاں پہنچ کر ان حضرات نے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر عامر بن طفیل کی طرف بھیجا۔

حضرت حرام رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دیا۔ اس نے خط پڑھا بھی نہیں اور ادھر حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے خط دیتے وقت ان سے کہا:

"اے لوگو! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے تمہارے پاس آیا ہوں، اس لیے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔"

ابھی وہ یہ الفاظ کہہ رہے تھے کہ عامر بن طفیل نے ایک شخص کو اشارہ کیا۔ وہ ان کے پیچھے آیا اور پہلو میں نیزہ دے مارا۔ نیزہ ان کے جسم سے آر پار ہو گیا۔ فوراً ہی ان کے منہ سے نکلا:

"اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔"

انہیں شہید کرانے کے بعد عامر بن طفیل نے اپنے لوگوں سے کہا:

"اب اس کے باقی ساتھیوں کو بھی قتل کردو۔"

انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کردیا... کیونکہ انھیں یہ بات معلوم تھی کہ یہ آنے والے حضرات ابو عامر کی پناہ میں ہیں۔ ان کی طرف سے انکار سن کر عامر بن طفیل نے بنی سلیم کو پکارا۔ اس کی پکار پر قبیلہ عصب، رعل اور ذکوان کے لوگ فوراً آگئے۔ یہ سب لوگ مسلمانوں کی طرف بڑھے اور انھیں گھیر لیا۔ مسلمانوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو فوراً تلواریں سونت لیں... جنگ شروع ہوئی... آخر لڑتے لڑتے یہ صحابہ کرام شہید ہوگئے۔ ان میں صرف کعب بن زید رضی اللہ عنہ زندہ بچ گئے، وہ شدید زخمی تھے۔ کفار نے انھیں مردہ خیال کیا... بعد میں انھیں میدان جنگ سے اٹھایا گیا تھا... اور یہ ان زخموں سے تندرست ہوگئے تھے۔

ان کے علاوہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ایک اور صحابی بھی اس لڑائی میں زندہ بچ گئے... جب مشرکوں نے مسلمانوں کو گھیرے میں لیا تھا تو یہ دونوں اس وقت اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے۔ جب ادھر ان صحابہ کو شہید کیا جا رہا تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔

گھیرے میں آنے کے بعد مسلمانوں نے یہ دعا کی تھی:

"اے اللہ! ہمارے پاس تیرے سوا ایسا کوئی ذریعہ نہیں کہ جو ہماری طرف سے تیرے رسول کو یہ خبر پہنچا دے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی... حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے کے دوران ہی یہ خبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنائی۔

"تمہارے بھائی مشرکوں سے دوچار ہوگئے۔ مشرکوں نے انھیں شہید کردیا ہے۔"

ادھر عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے پڑاؤ کی طرف مردار خور پرندوں کو منڈلاتے دیکھا تو پریشان ہوگئے، سمجھ

گئے کہ کوئی خاص واقعہ پیش آگیا ہے۔ چنانچہ یہ فوراً اپنے ساتھیوں کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت تک صحابہ کرام کے قاتل وہیں موجود تھے۔

○ ○ ○

فرمانرواؤں کو دعوتی خطوط

یہ دردناک منظر دیکھ کر حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی نے پوچھا:

"اب کیا ارادہ ہے؟"

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ بولے:

"میرا ارادہ یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جائیں اور اس سانحے کی خبر دیں۔"

اس پر ان کے ساتھی نے فرمایا:

"مگر جس جگہ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ جیسا آدمی شہید ہو چکا ہے، میں وہاں سے اپنی جان بچا کر نہیں جاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے... میں بھی تیار ہوں۔"

اب دونوں نے تلواریں سونت لیں۔ دشمن کو للکارا اور ان سے جنگ شروع کر دی۔۔ آخر کار حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ گرفتار ہو گئے جب کہ ان کے ساتھی صحابی شہید ہو گئے۔ عامر بن طفیل کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مان رکھی تھی... اس نے اپنی ماں کی منت پوری کرنے کی خاطر عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

صدمہ پہنچا۔ سارے صحابہ غمگین ہو گئے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن طفیل کے لیے بددعا کی۔ اس بددعا کے نتیجے میں وہ طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گیا۔

بئر معونہ کی لڑائی کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان شہید ہونے والے صحابہ میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب یہ شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نعش کو اوپر اٹھا لیا۔ ان کی لاش پھر زمین پر اتر دی گئی۔ انہیں قتل ہونے والوں میں تلاش کیا گیا، لیکن ان کی لاش نہ ملی... یہ بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عامر بن فہیرہ کی لاش کو فرشتوں نے دفن کیا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے سے سخت صدمہ ہوا تھا کہ مسلسل ایک ماہ تک صبح کی نماز میں دعائے قنوت نازلہ پڑھتے رہے اور بئر معونہ پر شہید کیے جانے والے صحابہ کے قاتلوں کے حق میں بددعا کرتے رہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ رجیع کے قاتلوں کے حق میں بھی بددعا فرماتے رہے۔

غزوہ تبوک کے بعد سرایا بھیجے جانے کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر طرف سے وفد آتے تھے۔ یعنی لوگ وفدوں کی شکل میں آ آ کر اسلام قبول کرنے لگے۔ ایک روز بنی حنیفہ کا وفد آیا۔ اس میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ ان لوگوں نے اس شخص کو کپڑوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی۔ جس کے سرے پر کچھ پتے بھی تھے۔ مسیلمہ نے آپ کے نزدیک آ کر کہا:

"آپ مجھے اپنی نبوت میں شریک کر لیجیے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس بے ہودہ بات کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"اگر تو مجھ سے یہ ٹہنی مانگے تو میں تو تجھے یہ بھی نہیں دے سکتا۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آمد سے پہلے صحابہ کرام سے فرما چکے تھے کہ میں نے

تھی۔ گورنر باذان نے دو آدمی بھیجے۔ یہ دونوں مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حلیے کو دیکھ کر فرمایا:

"تمہارا برا ہو! تم نے اپنے چہرے کیسے بنا رکھے ہیں۔ تمہیں یہ حلیہ اختیار کرنے کا حکم کس نے دیا؟"

جواب میں وہ بولے:

"ہمارے پروردگار کسریٰ نے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

"مگر میرے پروردگار نے مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کم کرنے کا حکم دیا ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اب تم دونوں کل میرے پاس آنا۔"

دونوں چلے گئے۔ اس دوران اللہ تعالیٰ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے خبر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے کو مسلط کر دیا ہے، وہ فلاں مہینے فلاں رات اسے قتل کر دے گا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلایا اور یہ خبر انہیں دی۔ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کے نام خط لکھوایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کسریٰ کو فلاں مہینے اور فلاں رات قتل کر دیا جائے گا۔

باذان کو یہ خط ملا تو اس نے سوچا، اگر وہ نبی ہیں تو جیسا انہوں نے لکھا ہے، ویسا ہی ہوگا۔

چنانچہ اسی طرح ہوا۔ اس کے بیٹے شیرویہ نے اسی رات اسے قتل کر دیا جس کی خبر دی جا چکی تھی۔ باذان کو جب یہ اطلاع ملی تو اس نے فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قاصد بھیجا اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ نجاشی کے نام بھی خط لکھوایا۔ نجاشی کے پاس جب یہ خط پہنچا تو انہوں نے اس مکتوب مبارک کو آنکھوں سے لگایا، تخت سے اتر کر زمین پر آ بیٹھے اور اسلام قبول کیا۔ پھر ہاتھی دانت کی ڈبیہ منگوا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک اس میں ادب سے رکھا۔ اس خط کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام ایک دوسرا خط بھی لکھوایا تھا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا کہ نجاشی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کر دیں۔

نجاشی نے اس خط کو بھی چوما، آنکھوں سے لگایا اور حکم کی تعمیل کی اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پڑھایا۔ یہ دونوں خط حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔

○ ○ ○

حجۃ الوداع کے لیے روانگی

10ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا۔ اس حج کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم 24 ذی قعدہ 10ھ جمعرات کے دن مدینہ منورہ سے حجۃ الوداع کے لیے روانہ ہوئے۔ روانگی دن کے وقت ہوئی۔ روانہ ہونے سے پہلے بالوں میں کنگھا کیا، سر مبارک میں تیل بھی لگایا، مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں ادا فرمائی۔

اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ ان کی تعداد اس وقت نو تھی۔ انھوں نے اونٹوں پر ہودجوں میں سفر کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے۔ یہ اونٹنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اٹھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت احرام میں تھے۔ قصویٰ پر اس وقت ایک پرانا کجاوہ تھا جو چار درہم قیمت کا رہا ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر چادر بھی معمولی سی کی تھی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھ رہے تھے۔

ترجمہ: ''اے اللہ! اس حج کو مقبول بنا دے اور ایسا بنا دے جس میں نہ تو ریا کاری اور دھوکا ہو اور نہ دکھاوا اور ظاہر داری ہو۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔ یہ دو پہاڑیاں ہیں۔ ان کے درمیان چکر لگانے کو سعی کرنا کہتے ہیں۔ پہلے تین پھیروں میں آپ تیز تیز اور باقی چار میں عام رفتار سے چلے، جب صفا پر چڑھتے اور کعبہ کی طرف منہ کر لیتے تو اس وقت اللہ کی توحید یوں بیان فرماتے:

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تن تنہا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اپنے بندوں کی مدد کی اور اس نے تن تنہا متحدہ لشکروں کو شکست دی۔"

مروہ پر پہنچ کر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائی۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو احرام کھول لینے کا حکم فرمایا جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے۔ جن کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، انہیں حکم فرمایا کہ وہ احرام برقرار رکھیں۔

۸ ذی الحجہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کے لیے روانہ ہوئے۔ منیٰ کی طرف روانگی سے پہلے ان تمام لوگوں نے احرام باندھ لیے جو پہلے احرام کھول چکے تھے۔ منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، رات وہیں گزاری۔ وہ جمعہ کی رات تھی۔ صبح کی نماز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں پڑھی۔ سورج طلوع ہونے کے بعد وہاں سے عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ میرے لیے اونٹ کے بالوں کا ایک قبہ بنا دیا جائے۔ میدان عرفات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی قبے میں ٹھہرے۔ یہاں تک کہ زوال کا وقت ہو گیا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصویٰ کو لانے کا حکم فرمایا۔ قصویٰ پر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی کے اندر پہنچے اور اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے ہی مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اس خطبے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لوگو! میری بات سنو۔ دیکھو، میں جانتا نہیں کہ اس سال کے بعد اس جگہ میں تم سے

کر دو کہ میں نے تو (اللہ کا حکم) پہنچا دیا اور تمہارے اندر وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ کیسی روشن چیز ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

لوگو! میری بات سن کر غور کرو، خوب سمجھ لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، لہٰذا کسی بھی آدمی کے لیے اپنے بھائی کی کوئی چیز (بلا اجازت) حلال نہیں، ہاں مگر اس وقت جب وہ اس کی خوشی سے کوئی چیز خود دے دے۔ پس تم لوگ اپنے آپ پر کسی بھی حالت میں ظلم نہ کرنا۔ لوگو! بتاؤ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟"

لوگوں نے جواب میں کہا: "یقیناً یقیناً۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف رخ کیا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ۔ (اے اللہ آپ گواہ رہیے گا، اے اللہ آپ گواہ رہیے گا، اے اللہ آپ گواہ رہیے گا)۔"

خطبے سے فارغ ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ اذان کے بعد ظہر کی تکبیر کہی گئی اور نماز ادا کی گئی۔ پھر عصر کی نماز کے لیے تکبیر کہی گئی اور نماز ادا کی گئی۔ یعنی دونوں نمازیں ایک ساتھ ادا کی گئیں۔ دونوں نمازوں کے لیے اذان ایک ہی کہی گئی، تکبیریں الگ الگ ہوئیں۔

عرفات میں ایک جماعت خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ انھوں نے پوچھا:

"حج کس طرح کیا جاتا ہے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"حج دراصل وقوف عرفات کا نام ہے، یعنی عرفات میں ٹھہرنا حج کرنا ہے۔ عرفات کا پورا میدان وقوف کی جگہ ہے۔"

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشعر الحرام یعنی مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اطمینان سے چلنے کا حکم فرماتے رہے۔ اس طرح مزدلفہ پہنچے۔ یہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ ادا فرمائیں۔ یہ دونوں نمازیں عشاء کے وقت پڑھی گئیں۔ عورتوں اور بچوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ آدھی رات کے ایک گھنٹے بعد ہی مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہو جائیں تاکہ وہاں ہجوم ہونے سے پہلے شیطان کو کنکریاں مار سکیں۔

فجر کا وقت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں منہ اندھیرے ہی نماز پڑھائی۔ پھر سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ جمرہ عقبہ (بڑے شیطان) پر پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کنکریاں ماریں۔ شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے عمل کو رمی کہتے ہیں۔ یہ کنکریاں مزدلفہ سے چن لی جاتی ہیں۔ ہر کنکری مارتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر فرماتے رہے۔ اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے۔ حضرت بلال اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی لگام پکڑ رکھی تھی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کپڑے سے سایہ کیے ہوئے تھے۔ اس موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطبہ دیا۔ اس میں ایک دوسرے کے مال اور عزت کو حرام قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو حرمت کا دن قرار دیا اور فرمایا:

''اے لوگو! تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت اور ناموس تمہارے درمیان ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ دن تمہارے لیے حرمت کا دن ہے جس طرح اس شہر کی حرمت ہے اور جس طرح اس مہینے کی حرمت ہے۔''

یہ الفاظ کئی بار فرمائے... آخر میں دریافت فرمایا:

''اے لوگو! کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔'' لوگوں نے اقرار کیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اب تم میں سے جو موجود ہے، وہ غائب تک یہ تبلیغ پہنچا دے... میرے بعد تم کفر کی تاریکیوں میں نہ لوٹ جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سے یہ بھی فرمایا کہ وہ مجھ سے حج کے مناسک (ارکان) سیکھ لو۔ کیونکہ ممکن ہے اس سال کے بعد مجھے حج کا موقع نہ ملے۔

(اور ایسا ہی ہوا... کیونکہ اس حج کے صرف تین ماہ بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تھی۔)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں قربانی کی جگہ تشریف لائے اور 63 اونٹ قربان فرمائے۔ یہ سب جانور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہی سے لائے تھے اور اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے۔ گویا اپنی عمر کے ہر سال کے بدلے ایک جانور قربان فرمایا۔

قربانی کے گوشت میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ گوشت پکایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔ باقی اونٹوں کو ذبح کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ کل سو اونٹ تھے۔ اس طرح 37 اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح فرمائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کا گوشت اور دوسری چیزیں لوگوں میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔ منیٰ کا تمام مقام قربانی کرنے کی جگہ ہے... اس کے کسی بھی حصے میں جانور قربان کیا جا سکتا ہے۔

قربانی سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈوایا۔ سر مبارک کے بال صحابہ کرام میں تقسیم کیے گئے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

ترجمہ: ''اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔''

سر منڈوانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

نے خوشبو لگائی۔

اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ جانے کے لیے سواری پر تشریف فرما ہوئے۔ مکہ پہنچ کر ظہر سے پہلے طواف کیا۔ یہ طواف افاضہ تھا جو حج میں فرض ہے۔ اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کے کنویں سے زمزم نوش فرمایا۔ کچھ پانی اپنے سر مبارک پر بھی چھڑکا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ واپس تشریف لے گئے۔ وہیں ظہر کی نماز ادا کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تین دن ٹھہرے۔ تینوں دن تک دن ڈھلے جمرات کی تینوں شیطانوں کو کنکریاں ماریں۔ ہر شیطان کو سات سات کنکریاں ماریں۔ منیٰ کے قیام کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے اور سب کو یہ حکم فرمایا:

"لوگو! اپنے گھروں کو جانے سے پہلے بیت اللہ کا طواف کرو۔"

اس طواف کو طواف وداع کہتے ہیں یعنی رخصت ہوتے وقت کا طواف۔ اور یہ ہر حاجی پر واجب ہے۔

○ ○ ○

لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ

طواف وداع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ واپسی کے سفر میں غدیر خم نامی تالاب کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو جمع فرمایا، ان کے سامنے خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا:

''لوگو! درحقیقت میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں اور بندہ ہوں۔ ممکن ہے اب جلد ہی میرے رب کا ایلچی میرے پاس آ جائے۔ (یعنی میرا بلاوا آ جائے) اور میں اس کے آگے سر تسلیم خم کر دوں۔ میں بھی اللہ کے سامنے جواب دہ ہوں اور تم بھی جواب دہ ہو، اب تم کیا کہتے ہو؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا:

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، اس میں پوری محنت فرمائی اور نصیحت تمام کر دی۔''

تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ جنت، دوزخ اور موت برحق چیزیں ہیں اور یہ کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی چیز ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی

مشہور محدث امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جو ارشاد ہے کہ جس کا میں مولا ہوں، علی اس کے مولیٰ بھی ہیں: کیا اس ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ امامت کے زیادہ حق دار ہیں۔"

اس سوال کے جواب میں امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"اس حدیث سے یہ مطلب نہیں نکلتا بلکہ ان علماء کے نزدیک جو اس میدان میں نمایاں ہیں اور جن کی تحقیق پر اعتماد کیا جاتا ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کا مددگار، آقا اور محبوب میں ہوں تو علی بھی اس کے مددگار، آقا اور محبوب ہیں۔"

اس سفر سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے مقام پر رات بسر فرمائی۔ رات کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہونے کو پسند نہیں فرمایا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مدینہ منورہ پر پڑی تو تین مرتبہ تکبیر کہی اور یہ کلمات پڑھے:

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، حکومت اور تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ہم توبہ کرتے ہوئے اور اپنے پروردگار کو سجدہ کرتے ہوئے اور اس کی تعریفیں کرتے ہوئے لوٹنے والے ہیں۔ اللہ کا وعدہ سچا ہو گیا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور سب گروہوں کو اس تنہا نے شکست دی۔"

پھر صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ ۱۱ھ میں پیر کے دن جب کہ ماہ صفر کی آخری تاریخیں تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کی عظیم سلطنت کے خلاف تیاری کا حکم فرمایا۔ اس سے اگلے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

"اس مقام کی طرف بڑھو جہاں تمہارے والد شہید ہوئے تھے اور اس علاقے کو اسلامی گھوڑوں سے پامال کر دو۔ میں تمہیں اس لشکر کا امیر مقرر کرتا ہوں۔ نہایت تیزی سے

سفر کر کے اپنی منزل کی طرف بڑھو تا کہ جاسوسوں کی اطلاعات سے پہلے دشمن کے سر پر پہنچ جاؤ... اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ان پر فتح عطا فرمائے تو ان لوگوں کے درمیان زیادہ مت ٹھہرنا اور اپنے ساتھ جاسوس اور مخبر لے جانا۔"

اگلے روز بدھ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں درد شروع ہو گیا۔ اس کے بعد بخار بھی ہو گیا۔ جمعرات کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف کے باوجود اپنے دست مبارک سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو پرچم بنا کر دیا، پھر فرمایا:

"اللہ کا نام لے کر اس کے راستے میں جہاد کے لیے جاؤ اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے، ان سے جنگ کرو۔"

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنا پرچم لے کر اسلامی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ وہ اس وقت بالکل نوجوان تھے... اس نوجوانی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لشکر کا سالار مقرر فرمایا تھا جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑے بڑے ممتاز اور تجربہ کار لوگ موجود تھے... اس بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ حضرات نے اس بات کو محسوس کیا کہ جب اتنے بڑے اور تجربہ کار حضرات موجود ہیں تو پھر ایک نوعمر کو سپہ سالار کیوں مقرر فرمایا گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں کی خبر ہوئی تو سخت ناراض ہوئے۔ یہاں تک کہ اسی وقت اپنے حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے... اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور بدن مبارک پر ایک چادر تھی۔ آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے اور منبر پر تشریف لائے۔ اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائی، پھر صحابہ کرام کو خطاب فرمایا:

"لوگو! یہ کیسی باتیں ہیں جو اسامہ کو امیر بنانے پر تم لوگوں کی طرف سے مجھ تک پہنچی ہیں؟ اس سے پہلے جب میں نے اسامہ کے والد کو امیر بنایا تھا تو اس وقت بھی اس قسم کی کچھ باتیں سننے میں آئی تھیں، قسم ہے اللہ عزوجل کی کہ وہ یعنی زید بن حارثہ امیر بننے کے لیے موزوں ترین آدمی تھے اور اب ان کے بعد ان کا بیٹا امیر بننے کے لیے موزوں ترین

ہے، یہ دونوں باپ بیٹے ایسے ہیں کہ ان سے خیر ہی کا گمان کیا جا سکتا ہے لہٰذا اسامہ کے بارے میں خیر ہی کا گمان رکھو، کیونکہ وہ تم میں سے بہترین لوگوں میں سے ایک ہے۔"

اب جو صحابہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جہاد کے لیے جانے والے تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آنے لگے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کافی ناساز تھی، اس کے باوجود فرما رہے تھے: "اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو..." اپنی طبیعت کی خرابی کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لشکر کے ساتھ جانے سے روک دیا تھا اور انہیں حکم فرمایا تھا کہ وہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں۔

اتوار کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف میں اضافہ ہو گیا... حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر ٹھہر گئے تھے۔ وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے آئے۔ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آنکھیں بند کیے نڈھال سی حالت میں لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آہستہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دبایا اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات نہ کی، دونوں ہاتھ اوپر کی طرف اٹھائے اور ان کو اسامہ پر رکھ دیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعا فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد اسامہ رضی اللہ عنہ پھر اپنے لشکر میں لوٹ آئے... لشکر اس وقت جرف کے مقام پر تھا۔ اسلامی لشکر روانہ ہونے کی تیاری کر رہا تھا کہ مدینہ منورہ سے پیغام ملا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہو گئی ہے... آپ نہ جائیں۔"

اس طرح یہ لشکر روانہ نہ ہو سکا... طبیعت خراب ہونے سے پہلے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت قبرستان بقیع میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں پر مومنین کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی تھی۔

قبرستان سے واپس لوٹے تو سر مبارک میں شدید درد شروع ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سر درد کے بارے میں بتایا، انھوں نے سر دبانا شروع کیا۔ سر درد کے ساتھ کو بخار بھی شروع ہو گیا...

مرض شروع ہونے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج کے ہاں باری کے مطابق تشریف لے جاتے تھے۔ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے اس دن مرض میں شدت پیدا ہو گئی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج کو بلایا اور ان سے اجازت لی کہ آپؐ کی تیمارداری حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں ہو۔ سب نے خوشی سے اس کی اجازت دے دی۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری رہنے لگی... بخار کی شدت زیادہ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف کنوؤں سے سات مشکیں پانی کی منگوائیں اور اپنے اوپر ڈالنے کا حکم فرمایا۔

٭ ٭ ٭

آخری ایام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان سات مشکوں کا پانی ڈالنا شروع کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فرمایا:

"بس کافی ہے۔"

زندگی کے ان آخری ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"اے عائشہ! مجھے خیبر میں جو زہر دیا گیا تھا، اس کی تکلیف میں اب محسوس کرتا ہوں۔"

اس کا مطلب ہے کہ آخری دنوں میں اس زہر کا اثر دوبارہ ظاہر ہو گیا تھا اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت درجہ شہادت کو پہنچتی ہے۔

پانی اپنے اوپر ڈلوانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک سے باہر نکلے۔ اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر پٹی بندھی تھی۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے لیے دعا مانگی۔ بہت دیر تک ان کے لیے دعا فرماتے رہے۔ پھر ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کے سامنے ایک طرف دنیا رکھی اور دوسری طرف وہ سب کچھ رکھا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ پھر اس بندے کو اختیار دیا کہ وہ ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک چن لے۔ اس بندے نے اپنے لیے وہ پسند کیا ہے جو

"جب لوگوں نے مجھے جھوٹا کہا تھا تو ابوبکر نے مجھے سچا کہا تھا، جب لوگوں نے اپنا مال روک لیا تھا تو ابوبکر نے میرے لیے اپنے مال کو فیاضی سے خرچ کیا۔ جب لوگوں نے مجھے وقت پر بے یارو مددگار چھوڑ دیا تھا تو ابوبکر نے میری غم خواری کی تھی۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ کیا بات ہے کہ آپ نے ابوبکر کا دروازہ تو کھلا رہنے دیا اور باقی لوگوں کے دروازے بند کروا دیے۔"

ان کی بات کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے عباس! نہ میں نے اپنے حکم سے کھلوائے نہ اپنے حکم سے بند کروائے۔"

مطلب یہ تھا کہ ایسا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

اپنے اوپر سات مشکوں کا پانی ڈلوانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے افاقہ محسوس فرمایا تو مہاجرین سے ارشاد فرمایا:

"اے مہاجرین! انصار کے ساتھ نیک سلوک کرنا، خیر کا سلوک کرنا، کیونکہ یہ لوگ میری پناہ گاہ تھے۔ ان کے پاس مجھے ٹھکانا ملا، اس لیے ان کی بھلائیوں کے بدلے میں ان کے ساتھ بھلائی کرنا اور ان کی برائیوں سے درگزر کرنا۔"

اتنا فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے۔ اپنے مرض وفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں۔ وہ نماز عشاء کی تھی... جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے لیے برتن میں پانی لاؤ۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر مسجد میں جانے کا ارادہ فرمایا مگر غشی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا:

"کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟"

صحابہ کرام نے عرض کیا: "لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس وقت آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے پھر پانی لانے کا حکم دیا، وضو کیا، پھر مسجد میں جانے کا ارادہ فرمایا، لیکن پھر غشی طاری ہوگئی۔ اس کے بعد پھر افاقہ ہوا تو پوچھا:

"کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟"

صحابہ کرام نے پھر عرض کیا: "نہیں، لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

اب پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، نماز کا ارادہ فرمایا، لیکن غشی طاری ہوگئی۔ افاقہ ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی بتایا گیا۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب یہ حکم ملا تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے عمر! تم نماز پڑھا دو۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔"

آخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی... اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نمازیں پڑھاتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔ اس دوران صبح کی ایک نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی امامت میں دوسری رکعت میں شریک ہوئے اور اپنی پہلی رکعت بعد میں ادا فرمائی۔ اس نماز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کا سہارا لے کر مسجد تک آئے تھے۔ ان دو میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے... انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھا تو فوراً پیچھے ہٹنے لگے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرمائیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اشارے سے فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں

رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی تھی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس روز صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور پر بہت بشاشت تھی، چہرۂ انور چمک رہا تھا، لہذا لوگوں نے خیال کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سنبھل گئی ہے۔ لیکن دوپہر کے قریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بخار تیز ہوگیا۔ یہ خبر سنتے ہی تمام ازواجِ مطہرات پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت بار بار غشی طاری ہو رہی تھی، ہوش میں آتے تو فرماتے:

"میں اپنے رفیقِ اعلیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں۔"

٭ ٭ ٭

سفرِ آخرت

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو اپنا ہاتھ مبارک پانی میں ڈال کر اپنے چہرۂ انور پر پھیرنے لگے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

''اے اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے چینی کے آثار بڑھتے دیکھے تو میں پکار اٹھی:

''ہائے میرے والد کی بے چینی!''

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آج کے بعد پھر کوئی بے چینی تمہارے باپ کو نہیں ہوگی۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کے وقت جو اس قدر تکلیف اور بے چینی کے آثار ظاہر ہوئے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے... یہ کہ اگر کسی مسلمان کو موت کے وقت اس طرح کی تکلیف اور بے چینی ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کو یاد کر کے خود کو تسلی دے سکتا ہے، یعنی دل میں کہہ سکتا ہے کہ جب اللہ کے رسول پر موت کے وقت اتنی تکلیف گزری تو میری کیا حیثیت ہے؟ یوں بھی موت کی سختی مومن کے درجات بلند ہونے کا سبب بنتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم پر موت کی تکلیف دیکھنے کے بعد اب کسی کی بھی موت کے وقت سختی کو ناگوار محسوس نہیں کرتی۔"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی تو فرمایا کرتے تھے

"اے تمام لوگوں کے پروردگار! یہ تکلیف دور فرما دے اور شفا عطا فرما دے کہ تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری دی ہوئی شفا ہی اصل شفا ہے جس میں بیماری کا نام و نشان نہیں ہوتا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سختی بڑھی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دعا کے کلمات پڑھ کر دم کرنے لگی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک کھینچ لیا اور یہ دعا پڑھی:

"اے خدا میری مغفرت فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ میں جگہ عطا فرما۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی کوئی تکلیف ہوتی تھی تو عافیت اور شفا کی دعا کیا کرتے تھے لیکن جب مرض الوفات ہوا تو اس میں شفا کی دعا نہیں مانگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی حالت میں میرے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ آئے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مسواک کو دیکھنے لگے۔ میں سمجھ گئی کہ مسواک کی خواہش محسوس کر رہے ہیں، کیونکہ مسواک کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا، چنانچہ میں نے پوچھا:

"آپ کو مسواک دوں؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک سے ہاں کا اشارہ فرمایا۔ میں نے مسواک دانتوں سے نرم کر کے دی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سہارا لیے ہوئے تھے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میرے اوپر اللہ کے خاص انعامات میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال میرے گھر میں ہوا، آپ کا جسم مبارک اس وقت میرے جسم سے سہارا

لیے ہوئے تھا۔ وفات کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرا لعاب دہن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے ملا دیا، کیونکہ اس مسواک کو میں نے نرم کرنے کے لیے چبایا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے دانتوں پر پھیرا تھا۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہوئی تو سب ازواج مطہرات آس پاس جمع ہوگئیں۔

مرض کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس غلام آزاد فرمائے۔ گھر میں اس وقت چھ یا سات دینار تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ ان دیناروں کو صدقہ کردیں... ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

"محمد اپنے رب کے پاس کیا گمان لے کر جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو اور یہ مال اس کے پاس ہو۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت ان دیناروں کو صدقہ کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری سے چند روز پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ چاند زمین سے اٹھ کر آسمان کی طرف چلا گیا۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب سنایا تھا... خواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"اے عباس! وہ تمہارا بھتیجا ہے۔"

یعنی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ تھا۔

اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے پناہ محبت تھی۔ علالت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلا بھیجا۔ وہ تشریف لائیں تو ان کے کان میں کچھ باتیں کیں، وہ سن کر رونے لگیں، پھر ان کے کان میں کچھ فرمایا تو وہ ہنس پڑیں۔ بعد میں انھوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں وفات پا جاؤں گا، یہ سن کر میں رو پڑی... دوسری بار فرمایا کہ خاندان میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے کچھ عرصے بعد سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ہی انتقال ہوا۔

وفات سے ایک یا دو دن پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ارشاد فرمایا:

''یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔''

یہ بھی فرمایا کہ یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو اور فرمایا:

''لوگو! نماز... نماز... نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔''

وفات سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام ملک الموت کے ساتھ آئے۔ انھوں نے عرض کیا:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کے مشتاق ہیں۔''

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تو حکم کے مطابق میری روح قبض کرلو۔''

ایک روایت کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام ملک الموت کے ساتھ آئے تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا:

''اے اللہ کے رسول! یہ ملک الموت ہیں اور آپ سے اجازت مانگتے ہیں... آپ سے پہلے انھوں نے کسی سے اجازت نہیں مانگی اور نہ آپ کے بعد کسی سے اجازت مانگیں گے۔ کیا آپ انھیں اجازت دیتے ہیں؟''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی۔ تب عزرائیل علیہ السلام اندر آئے۔ انھوں نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اگر آپ مجھے حکم دیں کہ میں آپ کی روح قبض کروں تو میں ایسا ہی کروں گا اور اگر آپ حکم فرمائیں کہ چھوڑ دو تو میں ایسا ہی کروں گا۔''

"تو سُن لو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے سورۃ آلِ عمران کی آیت 144 تلاوت فرمائی۔ اس کا مفہوم یہ ہے:

"اور محمد رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے... اور جو شخص الٹے پیروں پھر بھی جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ جلد ہی حق شناس لوگوں کو بدلہ دے گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یہ آیت سن کر مجھے لگا جیسے میں نے آج سے پہلے یہ آیت سنی ہی نہیں تھی۔"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "انا للّٰہ و انا الیہ راجعون، صلوات و سلامہ علی رسولہ، صلی اللہ علیہ وسلم۔"

(ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو۔)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی اس آیت سے سب کے لیے موت کا برحق ہونا ثابت فرمایا اور فرمایا

"اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے

"آپ کو بھی مرنا ہے اور انھیں (عام مخلوق کو) بھی مرنا ہے۔" (سورۃ الزمر، آیت 30)

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر تمام مسلمانوں نے بیعت کر لی۔ اس کے بعد لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔

[اور یہ کس قدر حیرت انگیز اتفاق ہے کہ یہ قسط ربیع الاول کی انہی تاریخوں میں شائع ہو رہی ہے... جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ یہ قدرتی ترتیب اسی طرح بن گئی، ورنہ ہمارا ایسا کوئی باقاعدہ ارادہ نہ تھا۔]

ہے کہ نبی کی روح اسی جگہ قبض کی جاتی ہے جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب جگہ ہوتی ہے۔''

چنانچہ یہ بات طے ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ دفن کیا جائے۔

اب یہ سوال اٹھا کہ قبر کیسی بنائی جائے، بغلی بنائی جائے یا شق کی... اس وقت مدینہ منورہ میں حضرت ابوطلحہ بن زید بن سہل رضی اللہ عنہ بغلی قبر کھودا کرتے تھے اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح شق کی قبر کھودتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ان دونوں کو بلا لاؤ... ان میں سے جو پہلے پہنچے گا، اسی سے قبر بنوائی جائے گی۔''

ان کی طرف آدمی بھیجنے کے ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی:

''اے اللہ! اپنے رسول کے لیے خیر ظاہر فرما۔''

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہلے آئے، چنانچہ بغلی قبر تیار ہوئی۔ ایک حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بغلی قبر ہی کا حکم فرمایا تھا۔ حضرت عباس، حضرت علی، حضرت فضل، حضرت قثم اور حضرت شقران رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں اتارا۔

حضرت شقران رضی اللہ عنہ نے قبر میں ایک سرخ رنگ کا کپڑا بچھایا۔ یہ وہی سرخ کپڑا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جاتے وقت اونٹ کے پالان پر بچھاتے تھے۔ یہ کپڑا اس لیے بچھایا گیا کہ وہاں نمی تھی۔ اس وقت حضرت شقران رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہے:

''خدا کی قسم! آپ کے بعد اس کپڑے کو کوئی نہیں پہن سکے گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں ہوئی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس روز ہم سب ازواج ایک جگہ جمع ہو کر رو رہی تھیں۔ ہم میں سے کوئی سو نہ سکا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان دی۔ اذان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آیا تو سارا مدینہ رونے لگا... لوگ اس قدر

روئے کہ ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس سے بڑا صدمہ ان پر کبھی نہیں گزرا تھا اور نہ آئندہ کبھی کسی پر گزرے گا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تمہارے دلوں نے کیسے برداشت کر لیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو؟''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! لیکن اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پھیرنے والا کوئی نہیں۔''

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آدمی اسی مٹی میں دفن ہوتا ہے جہاں سے اس کا خمیر اٹھایا جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی جگہ کی مٹی سے تخلیق کیے گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور بھوکی پیاسی مر گئی۔

علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں، وہ جگہ روئے زمین میں تمام مقامات سے افضل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ فیل والے سال میں پیدا ہوئے ___ یعنی جس سال ابرہہ بادشاہ نے کعبہ پر چڑھائی کی تھی۔ اس واقعہ کے چالیس یا پچاس دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت صبح طلوع فجر کے وقت ہوئی۔ وہ پیر کا دن تھا اور ربیع الاول کا مہینا تھا۔ تاریخ ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے تاہم اس روز معتبر قول کے مطابق ۱۲ تاریخ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی اور اس روز بھی ربیع الاول کی تو یا بارہ تاریخ تھی۔

اے اللہ درود و سلام ہو اس ذات پر کہ جس نے کفر و شرک کے اندھیروں میں شمع ہدایت روشن کی اور جن کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔ وہ تیرے بندے اور رسول اور

ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کامل ہے۔ میدان حشر میں ہمیں ان کے گروہ میں شامل فرما اور ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و حدیث کے خادموں میں داخل فرما۔ آمین۔ سوائے اللہ رب العزت کی ذات عظیم کے کسی کو دوام حاصل نہیں۔

وصلی اللہ علی النبی الامی و علیٰ الہ واصحابہ اجمعین

الحمد للہ اس قسط کے ساتھ ہی سیرت النبی قدم بہ قدم کا یہ سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا... اسے جس قدر پسند کیا گیا، اس پر اللہ کا جتنا شکر کیا جائے کم ہے، اس میں تقریباً دو سال لگے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کے ان گنت پہلو پھر بھی اس میں شامل نہ ہوسکے... اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا... دنیا کے تمام انسان تمام عمر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک پر لکھتے رہیں، تب بھی حق ادا نہیں ہوسکتا... موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو عام کیا جائے، قول سے، عمل سے یا جس طرح بن پڑے یہ کام ضرور کیا جائے۔ اس وقت انسانیت کو کسی آئیڈیل کی تلاش ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات ہوسکتی ہے۔ بقول ذکی کیفی

تنگ آجائے گی خود اپنے چلن سے دنیا
تجھ سے سیکھے گا زمانہ ترے انداز کبھی